تاریخ سندھ

المعروف

تاریخ معصومی

(اردو)

تاریخ معصومی

تالیف

میر محمد معصوم بکھری

مع

تصحیح و حواشی

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

صدر شعبۂ تعلیم سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد - پاکستان

ترجمہ

اختر رضوی

سندھی ادبی بورڈ

سندھ اسیمبلی بلڈنگ
بندر روڈ - کراچی

تلک چاڑھی
حیدرآباد - سندھ

محمد ابراهیم جویو، معتمد سندھی ادبی بورڈ
نے
سندھی ادبی بورڈ کے لئے شایع کیا

اشاعت اول — ایک ہزار
۱۹۵۹ع — قیمت ۱۰-۸-۰

سندھی ادبی بورڈ
سندھ اسمبلی بلڈنگ، بندر روڈ۔ کراچی، پاکستان
اور
مکتبہ سندھی ادبی بورڈ
تلک چاڑھی۔ حیدرآباد سندھ، پاکستان

نیو سندھ پریس، ایڈلجی ڈنشا بلڈنگ، وکٹوریہ روڈ، کراچی، پاکستان
میں طبع ھوئی۔

عرض ناشر

یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے "قومی تاریخ و ادب کی ترقی و فروغ" کی اسکیم کے تحت پیش کی جارہی ہے۔

اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ سندھ کے علماء، مفکرین اور شعراء کی جو اہم کتابیں فارسی اور عربی میں حدیث و تصوف، تاریخ و سیر اور شعر و ادب وغیرہ کے موضوع پر ہیں اور جو ناقدریِ روزگار کی وجہ سے زیادہ تر مخطوطوں کی صورت میں شکستہ اور کسمپرسی کی حالت میں ذاتی کتبخانوں میں پڑی ہوئی ہیں، انھیں دیدہ زیب طباعت اور تصحیح کے ساتھ شایع کیا جائے۔

اس اسکیم کے تحت بورڈ کی تجویز کے مطابق عربی زبان کی ۱۴ کتابیں، فارسی کی ۳۰ تاریخی کتابیں اور شعر و ادب کے موضوع پر ۵۷ اور اردو میں ۶ کتابیں شائع کی جائیں گی۔

مذکورہ اسکیم کے تحت بورڈ کی شائع شدہ کتابوں میں پیش نظر 'تاریخ معصومی' تیسری کتاب ہے اور مجموعی سلسلہ وار اسکیم کے مطابق اس کا نمبر چودھواں ہے۔

امید ہے کہ علمی دنیا میں بورڈ کی سابقہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی حسنِ قبول حاصل کرے گی۔

شکریہ

سندھی ادبی بورڈ حکومت پاکستان کی وزارتِ تعلیمات کا ممنون ہے جس نے بورڈ کو اُس کی مجوزہ اسکیم "قومی تاریخ و ادب کی ترقی اور فروغ" کے تحت، کتابوں کی نشر و اشاعت کی لئے مناسب مالی امداد عنایت فرمائی۔

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات

حصہ دوم

عنوانات	صفحات

حصہ سوم

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

---:o:---

پیش لفظ

تحفۃ الکرام کے اردو ترجمے کے بعد اب میر معصوم کی "تاریخ سندھ" مشہور بہ "تاریخ معصومی" کا اردو ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اول الذکر کتاب کی طرح یہ ترجمہ بھی محترم اختر رضوی نے راقم الحروف کی ہدایت کے مطابق کیا ہے۔

سندھ کی تاریخوں میں بلحاظ قدامت، فتح نامہ (عرف چچ نامہ) کے بعد، تاریخ معصومی پہلی تالیف ہے کہ جس میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے زمانے (۱۵-۷۱۲ع) سے لے کر شہنشاہ اکبر کے سندھ پر تسلط ہونے تک (۱۰۰۱ھ) کے حالات مجملاً یا مفصلاً جمع کئے گئے ہیں۔ یہ تاریخ اس حیثیت سے بھی اہم ہے کہ اس کا مؤلف میرزا عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ تھا، جو کہ شہنشاہ اکبر کی طرف سے تسخیر سندھ کے لئے مامور ہوا تھا، چنانچہ خانخاناں اور سندھ کے حکمران میرزا جانی بیگ کے درمیان جو جنگیں واقع ہوئیں، ان کے متعلق میر معصوم کے چشم دید بیانات ایک اہم دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں، جو اس کتاب کی دلچسپی اور افادیت میں مزید اضافہ کردیتے ہیں۔

تاریخ معصومی کے اس سے پہلے بھی دو تین ترجمے ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا ترجمہ انگریزی میں کپتان مالیط

(G. G. Malet) نے کیا تھا، جو حکومتِ برطانیہ کی جانب سے خیرپور کے والی میر علی مراد خان ٹالپور کے دربار میں ایلچی تھا۔ یہ انگریزی ترجمہ سنہ ۱۸۵۵ع میں بمبئی سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ دیوان نندی رام نے سندھی زبان میں کیا جو سنہ ۱۹۱۶ع میں کراچی سے شائع ہوا۔ تیسرے اردو ترجمے کی اشاعت کے اشتہارات بھی ہمیں اخبار "ستارہ صبح" کے دسمبر سنہ ۱۹۱۶ع اور جنوری سنہ ۱۹۱۷ع کے پرچوں میں ملتے ھیں(۱)۔ یہ ترجمہ غالباً کرم آباد ضلع گوجرانوالہ (پنجاب) کے کسی صاحب نے کیا تھا، لیکن یہ ترجمہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا اس لئے کہا نہیں جا سکتا کہ یہ ترجمہ شائع بھی ہوا یا نہیں۔ بہر حال چونکہ مذکورہ انگریزی اور سندھی دونوں ترجمے اصل "تاریخ معصومی" کے کسی ایک آدھ قلمی نسخے ھی کو سامنے رکھ کر کئے گئے تھے، اس لئے صحت کے اعتبار سے یہ دونوں ترجمے ناقص رہے۔

آخر میں سندھ کی تاریخ کی اھمیت کے پیش نظر سب سے پہلے شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ مرحوم نے "تاریخ معصومی" کے چھ قلمی نسخے سامنے رکھ کر اس کا

---

(۱) راقم الحروف کی نظر سے "ستارہ صبح" کے دو پرچے مورخہ ۱۶- دسمبر سنہ ۱۹۱۶ع اور مورخہ ۱- جنوری سنہ ۱۹۱۷ع گذرے ھیں، جن میں "تاریخ معصومی" کے اردو ترجمے کا یہ اشتہار منتظم دائرہ معارف مشرقیہ۔ کرم آباد۔ ڈاکخانہ وزیر آباد، ضلع گوجرانوالہ کی جانب سے شائع ہوا تھا (ن. ب)۔

ایک صحیح اور مستند فارسی متن مرتب کیا، جو سنہ ۱۹۳۸ع میں بھنڈارکر اورنٹیل انسٹیٹیوٹ پونہ کی طرف سے بمبئی سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر مرحوم نے اس متن کی صحت اور ترتیب میں عظیم ذمہ داری اور محنت و کاوش سے کام لیا ہے اور ان کی اس علمی خدمت کو علمی دنیا اور خصوصاً اہلِ سندھ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ ان کا مرتب کردہ یہ متن صحت کے اعتبار سے سابقہ تمام نسخوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

موصوف نے اس متن کی تدوین میں تاریخ معصومی کے جن چھہ قلمی نسخوں کی چھان بین کی ہے وہ یہ ہیں:-

۱- بنیادی نسخہ ن:- یہ نسخہ "بیان العارفین" کے مصنف اور شاہ کریم کے مرید، محمد رضا کا نقل کردہ ہے جسے موصوف نے سنہ ۱۰۴۵ھ میں یعنی میر معصوم کی وفات کے صرف ۲۶ سال بعد نقل کیا۔

۲- نسخہ ف:- یہ نسخہ ۲۵ شوال سنہ ۱۰۸۵ھ میں شہر ٹھٹھہ میں لکھا گیا تھا اور اس وقت "کاما اورنٹیل انسٹیٹیوٹ بمبئی" میں ملا فیروز کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳- نسخہ م:- یہ نسخہ جامع مسجد بمبئی کے متصل "مکتبہ محمدی" میں موجود ہے۔ اس نسخہ پر اس کے مالک کی لگی ہوئی مہر کا سنہ ۱۱۲۸ھ ہے، تاریخ کتابت کے اوراق ضائع ہوچکے ہیں۔

۴- نسخہ ھ:- یہ نسخہ "لب تاریخ سندھ" کے مصنف خانبہادر منشی خداداد خان کی ملک ہے۔ اس میں تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔

۵- نسخہ ح:- یہ نسخہ سکھر کے سادات معصومی کی تحویل میں ہے۔ اس میں بھی تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔

۶- نسخہ ر:- یہ نسخہ پیر میاں غلام مصطفیٰ ولد جناب پیر حزب اللہ کے کتب خانہ میں ہے۔ اس پر تاریخ کتابت ماہ محرم سنہ ۱۳۲۳ھ / ۸ مارچ ۱۹۰۵ع تحریر ہے۔

پیش نظر اردو ترجمے کا مدار ڈاکٹر داؤد پوتہ کے مرتب کردہ مذکورہ فارسی ایڈیشن اور اس کے سندھی ترجمے (مترجم مخدوم امیر احمد، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ حیدرآباد سندھ) پر ہے۔ ترجمہ میں اس امر کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل متن کی دستاویزی حیثیت برقرار رہے اور کہیں بھی کوئی لفظی کمی یا اضافہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جہاں کہیں عبارت میں ربط یا جملوں میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے مترجم نے اپنے الفاظ شامل کئے ہیں وہاں انہیں مربع قوسین میں واضح کردیا گیا ہے۔

ترجمے کے متن میں ڈاکٹر داؤد پوتہ کے مذکورہ فارسی ایڈیشن (تاریخ سندھ المعروف بہ تاریخ معصومی) کے صفحات کی بھی مربع قوسین میں نشاندھی کردی گئی ہے تا کہ پڑھنے والوں کو بوقت ضرورت

اردو ترجمہ اور اصل فارسی متن کے تقابل میں آسانی ہو۔ متن کے ذیل میں اکثر صفحات پر جو حواشی دیئے گئے ہیں، ان میں سے بیشتر سندھی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔

اس ترجمے کے آخر میں کتاب کے بعض حوالوں کی توضیح و تشریح پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ اصل فارسی متن میں ڈاکٹر داؤد پوتہ کی مرتبہ توضیحات پر نظر ثانی کر کے، ان میں سے بعض کو بعینہ اردو میں منتقل کردیا گیا ہے، اور بعض کو ضروری ترمیم اور اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم کے حواشی و توضیحات کی نشان دھی (ع ۰ م۰) کے حروف سے کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ متن کے بعض حوالوں کے متعلق، جن کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی، جدید توضیحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عربوں، سومروں اور سموں کے عہد کے اکثر گنجلک اور وضاحت طلب حوالوں کی توضیحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ تاہم اب بھی ارغون۔ ترخان [ص- ۲۴۸-۲۶۱] اور مغلیہ دور [ص ۲۷۵ - ۲۴۵] پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے فی الحال فارسی ایڈیشن میں [ص ص ۳۰۸ - ۲۶۱] دیئے ہوئے ڈاکٹر داؤد پوتہ کے مختصر حواشی پرھي اکتفا کی گئی ہے۔ البتہ آنڑپور کے محاصرے کے وقت خانخانان نے میرزا جانی بیگ کو جو ایک خط لکھا تھا (یہ خط برٹش میوزم میں محفوظ اور تاریخ معصومی کے ایک قلمی نسخے کے حاشیہ پر قلمبند

ہے) اس کا ترجمہ صفحہ [۲۵۵] کے حاشیہ کے طور پر شامل کردیا گیا ہے جو تاریخی اعتبار سے ایک اہم اضافہ ہے۔

میر معصوم مؤلفِ تاریخ معصومی کی سوانح سندھی ترجمے سے ماخوذ ہے، جس میں کافی ترمیم و اضافے کی گنجائش ہے، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے اسی پر اکتفا کی گئی ہے، خدا کرے یہ ترجمہ حسنِ قبول حاصل کرے۔

سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد
۱۵- ستمبر سنہ ۱۹۵۹ع

خادم العلم
نبی بخش

مؤلف کتاب میر معصوم کے حالات (۱)

سید نظام الدین محمد معصوم متخلص بہ "نامی" بن سید صفائی حسینی ۷- رمضان سنہ ۹۴۴ھ کو دوشنبہ کی شب بکھر میں تولد ہوئے ۔ ان کی تاریخ ولادت مندرجہ ذیل اشعار سے، جو ان کے خاندانی شجرہ میں مرقوم ہیں، معلوم ہوتی ہے :-

شد طلوع آن شمس درخانہ صفائی ازخدا ،
از بروج نیک در ساعت سعید آن شد عیان ۔
بود آن تاریخ هفتم لیل دو شنبه از صیام ،
سال نہصد چهل بود از وے زوائد چاردان ۔

آبا واجداد

آن کے آبا واجداد سادات ترمذ میں سے تھے اور دو تین پشتوں سے وہ قندھار میں سکونت پذیر ہوکر، دوسرے سادات کے ساتھ، ولی اللہ بزرگ بابا شیر قلندر کے مزار کی مجاوری کیا کرتے

---

(۱) میر معصوم کے حالات کا بیشتر حصہ اس مضمون پر مشتمل ہے کہ جو شمس العلما ڈاکٹر داؤد پوتہ نے فارسی ایڈیشن کے مقدمہ مین شامل کیا ہے ۔ "آثار میر معصوم" کا مواد سید علي محمد راشدی کے مضمون سے اخذ کیا گیا ہے جو ۱۹۳۶ع میں الوحید کے "سندھ آزاد نمبر" میں "روھڑی اور سکھر کے آثار قدیمہ" کے عنوان سے شائع ھوا تھا ۔ اس کے علاوہ بعض مفید معلومات میر معصوم کے بعض کتبوں کی مدد سے شامل کی گئی ہیں .

تھے - میر معصوم کے والد سید صفائی، سلطان محمود خان کے عہدِ حکومت (۸۹۸-۸۸۲ھ) میں بکھر آئے اور اسی کے سایہ عاطفت میں آباد ھوگئے - کچھ عرصہ بعد انھوں نے سیوھن کے نواحي موضع "کھابڑوٹ" کے سادات میں شادی کی جس سے میر معصوم اور ان کے دو بھائی شہر بکھر میں تولد ھوئے۔

سید صفائی ایک جیّد عالم اور فاضل بزرگ تھے - چنانچہ جب بکھر کے شیخ الاسلام شاہ قطب الدین ھروی نے وفات پائی تو سلطان محمود خان نے ان کے علم و کمال کی قدر کرتے ھوئے انھیں بکھر کے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا - ان بزرگ نے نہایت استقلال اور عزت و احترام کے ساتھ زندگی بسر کی، اور ماہ ذوالقعد سنہ ۹۹۱ھ میں وفات پائی -

تعلیم و تربیت

میر معصوم کے بچپن اور زمانہ طالب علمی کے کچھ زیادہ صحیح حالات نہیں ملتے - مصنف ماثر الامراءؔ کا بیان ھے کہ وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ شکار میں صرف کرتے تھے، اور اپنے والد کی وفات کے بعد انھوں نے ملا محمد ساکن کنگری (یہ موضع بکھر کے تحت ھے) سے تعلیم حاصل کی - لیکن حیرت ھے کہ میر معصوم نے اپنی تاریخ میں ملا محمد کا کہیں ذکر نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے میرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود خان کے جملہ معاصر علماو، فضلاؔ اور شعراء کا تذکرہ نہایت اھتمام سے کیا ھے -

ممکن ھے کہ میر معصوم نے تحصیل علم کے بعد جب وہ

اپنے ذوقِ علمی کی بنا پر دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ مختلف علماء سے علمی استفادہ بھی کرتے رہتے تھے، ملا محمد سے بھی تلمذ حاصل کیا ہو، اور اسی کی طرف صاحبِ ماثرالامراء کا اشارہ ہو، لیکن بہر حال ہمیں ان کے اساتذہ میں کہیں ملا محمد کا نام نہیں ملتا۔

اس صورت میں ہمیں میر معصوم کے انھی بیانات پر اکتفا کرنی پڑے گی جو انھوں نے تاریخ معصومی میں کہیں کہیں بر سبیل تذکرہ لکھے ہیں۔ مثلاً: مرزا شاہ حسن کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مؤلف نے قاضی ڈتہ سیوھانی کے حلقہ میں تعلیم حاصل کی [ص ۱۹۰]۔ ایک دوسرے مقام پر قاضی عبداللہ بن ابراھیم دربیلوی کے ذکر میں ان کے فرزند شیخ حمید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کاتب الحروف نے علاقہ گجرات کی تسخیر (۹۹۱ھ) کے بعد ان کی خدمت میں شروع سے آخر تک مشکٰوۃ اور دیگر کتب احادیث کی کی تعلیم حاصل کر کے سَنَد اجازت حاصل کی" [ص ۲۰۳]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر معصوم نے ابتدائی تعلیم پہلے اپنے والد یا کسی دوسرے گمنام بزرگ سے حاصل کی اور اس کے بعد ملا محمد سے استفادہ کیا پھر قاضی ڈتہ سیوھانی جیسے مشہور و معروف فاضل عصر کی خدمت میں رہ کر باقی علوم کی تکمیل کی۔ لیکن اس کے باوجود علم حدیث غالباً ناقص رہ گیا تھا جس سے میر معصوم جیسے ذکی و فہیم شخص ایک کمی سی

ھوتی تھی چنانچہ تسخیر گجرات کے بعد جب انھیں شیخ حمید جیسے بلند پایہ محدث کی خدمت میں حاضر ھونے کا موقعہ ملا تو اس موقع کو غنیمت جان کر انھوں نے اپنی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

مشاغلِ علمی و عملی

میر معصوم کی علمی یا عملی زندگی کا آغاز کب سے ھوا اس کے بارے میں مستند معلومات تو فراھم نہیں ھوسکی ھیں۔ البتہ مختلف تواریخ کے بیانات کو یک جا کرنے کے بعد کہا جا سکتا ھے کہ شاید میر معصوم نے اپنے والد ماجد کی شیخ الاسلامی کے دور میں سلطان محمود خان کے دربار میں تقرب حاصل کیا ھو اور سلطان محمود خان کے انتقال (سنہ ۹۸۲ھ) کے بعد جب بکھر کی حکومت منتقل ھو کر شہنشاہ اکبر کے گورنروں کے حوالہ ھوئی تب غالباً میر معصوم اپنے والد کی سفارش پر دربار اکبری میں کسے اچھے منصب پر فایز ھوے ھوں۔

طبقات اکبری میں پہلے پہل ان کا ذکر ۹۸۴ھ میں نظر آتا ھے جب کہ وہ مرزا محمد مقیم اور تیمور بدخشی وغیرہ جیسے امرا کے ساتھ آصف خان کی سرکردگی میں ایدر کے راجہ کو شکست دینے میں شریک ھوے تھے۔ اس کے بعد پھر طبقات اکبری میں ان کا بار بار نام آتا ھے چنانچہ مرزا عبدالرحیم

خانخاناں کے هاتھوں گجرات کی مکمل تسخیر هوجانے تک هر جنگ میں شریک رهتے هوئے انهوں نے انتہائی شجاعت کا مظاهره کیا۔ هو سکتا هے کہ میر معصوم نے ابتدائی دو سال اکبری دربار میں ره کر اتنا اعتماد حاصل کرلیا هو کہ انهیں بحیثیت مددگار گجرات بهیجا گیا هو۔

بہر حال گجرات میں کافی عرصہ تک علمی اور انتظامی مشاغل میں وقت گذارنے کے بعد میر معصوم سنہ ۹۹۸ھ میں اکبر بادشاہ کی خدمت میں واپس هوے اور انواع و اقسام کے انعامات اور نوازشوں سے سرفراز کئے گئے۔ بادشاہ نے ان کے حسن کارکردگی سے خوش هوکر انهیں دربیلہ، کاکڑہ اور "چانڈوکی" کے پرگنے بطور جاگیر عطا کرکے اپنی خاص پوستین بهی عنایت کی اور اجازت دی کہ جاکر اپنی والدہ سے ملاقات کریں اور پهر اپنی خدمت پر آجائیں۔ چنانچہ وہ ۲۱ صفر سنہ ۹۹۹ھ کو بکهر پهونچے (۱)۔ بکهر پهونچنے کے بعد انهوں نے سندھ کے جنوبی علاقوں کو فتح کرنے میں مرزا خانخاناں کے ساتھ یا علحٰدہ جو نمایاں خدمات انجام دی هیں وہ تاریخ معصومی میں مفصل درج هیں (۲)۔

سندھ فتح هوجانے کے بعد سنہ ۱۰۰۳ھ تک میر معصوم کا کهیں کوئی ذکر نهیں ملتا۔ هو سکتا هے کہ تسخیر سندھ کے بعد وہ بکهر هی میں سکونت پذیر هوگئے هوں یا پهر مرزا

---

(۱) تاریخ معصومی ص [۲۵۱]۔

(۲) ایضاً، ص ص [۱۵۱] اور [۲۵۷]۔

خانخاناں کے همراہ شہنشاہ اکبر کے حضور میں واپس چلے گئے ہوں اور پھر وہاں سے کچھ عرصہ بعد رخصت لے کر انتظامی امور سے فارغ ہو کر اور وہاں سے واپس آ کر اپنی جاگیر سنبھالی ہو اور وہ عالیشان عمارات تعمیر کرائی ہوں کہ جو آج تک ان کی یادگار ہیں۔

القصہ۔ میر معصوم اپنی ذاتی شجاعت، مردانگی، فضیلت اور لائق خدمات کی وجہ سے شاہی اعتماد و اعتبار میں امتیاز حاصل کر کے سنہ ۴۰ اکبری مطابق سنہ ۱۰۰۳ھ میں دو سو پنجاہی کے مرتبہ پر فائز (۱) ہوئے پھر سنہ ۱۰۰۴ھ سے سنہ ۱۰۰۷ھ تک وہ ہمیں قندھار میں دکھائی دیتے ہیں (۲) جہاں انہوں نے بکھر سے ماہر خوشنویس اور سنگتراش بلا کر شہنشاہ بابر کے تعمیر کردہ پیش طاق میں ایک اور کتبہ کا اضافہ کیا اور اس میں بادشاہ ہمایوں اور بادشاہ اکبر کے ناموں کے علاوہ ان ممالک کے نام بھی منقوش کرائے کہ جو اس وقت شہنشاہ اکبر کے زیر اقتدار تھے۔ تقریباً چار سال وہاں رہ کر انہوں نے اس کتبے کو مکمل کرایا (۳)۔

سنہ ۱۰۰۸ھ میں وہ ناگور میں تھے جہاں ان کے فرزند میر بزرگ نے ان سے ملاقات کی۔ اسی سال جب شہنشاہ اکبر نے تسخیر اسیر گڑھ کا قصد کیا تو وہ بھی شاہی لشکر کے ساتھ دکن گئے۔ جہاں بھی بادشاہ منزل انداز ہوتا وہاں وہ

(۱) ماثرالامرا۔ ج ۳ ص ۳۲۷۔

(۲) تاریخ معصومی، ص ص [۳۲-۱۳۱]۔

(۳) مفتاح التواریخ، طبع نولکشور، ۱۸۶۷ع ، ص ص ۱۵۶-۱۵۷۔

کتبے تحریر کر کے انھیں بطور یادگار نصب کراتے جاتے تھے۔ اسیر گڑھ کے فتح کی اھمیت ظاھر کرنے کے لئے جو کہ ۲۲ رجب سنہ ۱۰۰۹ھ میں ھوئی اور اس کے علاوہ ۸ شعبان کو بادشاہ اکبر کے اس قلعہ میں داخل ھونے کے متعلق انھوں نے جامع مسجد کے ایک سنگین ستون پر ایک بڑا کتبہ کندہ کرایا جس میں تاریخ، "بگرفتہ کوہ اسیر" کے جملہ سے اخذ کی ھے۔ مسجدلات اور ریاست دھار میں سادلپور اور کالیادیہ کے کتبے دکن کی طرف فوج کشی کے وقت انھوں نے سنہ ۱۰۰۸ھ میں نصب کرائے۔ واپسی کے وقت فتح اسیر گڑھ کی یادگار کو ھمیشہ کے لئے قایم رکھنے کی غرض سے انھوں نے مختلف مقامات پر مثلاً مانڈو کے محل نیل کنٹھ، اندور کے نزدیک مہیشور اور فتح پور سیکری میں شاہ سلیم چشتی کے بڑے دروازے (۱) پر متعدد کتبے نصب کرائے۔

---

(۱) یہ کتبہ چھ سطروں میں ھے۔ تین سطریں دروازے کے دائیں جانب ھیں اور تین سطریں بائیں جانب :-

[دائیں جانب کی عبارت یہ ھے]

سطر ۱- حضرت شاھنشاہ و فلک بارگاہ ظل الہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فتح ملک دکن و داندیس کہ سابقاً مسمیٰ بخاندیش بود نمود سنہ ۴۶ الھی سنہ ۱۰۱۰ -

سطر ۲- بفتح پور رسیدہ عزیمت آگرہ فرمودند : تا نام زمین و آسما نیست : تا نقش وجود درجھا نیست : نامش بسپھر ھمنشین باد : ذاتش بجھان ابد قرین باد۔

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

تسخیر دکن کے بعد میر معصوم کو سفارت ایران پر مامور کیا گیا جہاں ان کی دانائی اور ہوشیاری کے پیش نظر شاہ عباس صفوی نے انھیں اپنی بے پایاں عنایات سے نوازا، سنہ ۱۰۱۳ھ

سطر ۳- قال عیسی علیہ السلام الدنیا قنطرۃ فاعبروھا و لا تعمروھا من

تامل انہ یعیش غدا تامل ان یعیش ابدا الدنیا ساعۃ قیمۃ

لھافا جعلھا طاعۃ بقیۃ العمر- لا ::

[بائیں جانب کی عبارت یہ ہے]

سطر ۱- من قام الی الصلوات و لیس معہ قلبہ فانہ لا یزیدہ من اللہ الا بعد-

خیر المال ما انفق فی سبیل اللہ بع الدنیا بالاخر تہ تربح الفقر ملک

لیس فیھا محاسبت-

سطر ۲- نامی چہ شدار تو تختگاھی کردے و ز قصر ز راندود پناھی

کردے خوبی جھان بصورت ابنیہ دان خود گیر تو ھم دردنگاھی

کردے-

سطر ۳ - قائلہ کاتبہ محمد معصوم نامی بن سید صفائی الترمذی اصلا و البکری مسکنا و المنتسب الیٰ سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال الشیرازی مولدا و القندھاری موطنا- (ابلہ)

(ن- ب)

میں وہ ایران سے واپس ہوے۔

اس کے بعد ہمیں ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا البتہ "تریپولیہ دروازہ" پر جو کتبہ مرقوم ہے اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۱۴ھ میں وہ ریاست جے پور میں تھے۔ اس زمانہ میں ۱۳۔ جمادی الآخر کو (تشرین اول سنہ ۱۶۰۵ع) بدھ کے روز ان کے مربی بادشاہ اکبر نے وفات پائی اور بادشاہ جہانگیر نے ان کی خدمات کی قدردانی کرتے ہوئے سنہ ۱۰۱۵ھ میں انھیں امین الملک کے عہدہ پر مامور کر کے بکھر روانہ کیا۔

تالیفات میر معصوم

میر معصوم ایک جامع اور متفنن طبع شخص تھے۔ شجاع و بیباک سپاہی ہونے کے علاوہ وہ ایک ماہر طبیب، جہاندیدہ سیاح، خوشخط کتبہ نویس، برجستہ شاعر اور ایماندار تاریخ نویس بھی تھے اور ہر فن میں انھوں نے اپنی قابل قدر یادگاریں چھوڑی ہیں:

(الف) علم طب پر انھوں نے دو کتابیں لکھیں: (۱) "طب نامی" جس کا ایک نسخہ سید منور علی معصومی کے پاس موجود ہے اور جس میں ۱۸۵ صفحات ہیں۔ (۲) "مفردات معصومی" جس کے کچھ حصے روہڑی میونسپل کمیٹی کے میمبر شیخ عبدالرحیم کے پاس موجود ہیں۔

(ب) میر معصوم ایک شیرین کلام شاعر تھے اور "نامی" تخلص کرتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی (۳، ص ۳۶۶) لکھتے

ھیں کہ "سلیقہ درست در شعر و معما و طبع بلند و فطرت عالی دارد"۔
سید منور علی شاہ معصومی کے پاس ان کے دیوان کا نسخہ موجود ھے۔ اس دیوان کی ایک نقل سید علی محمد شاہ راشدی کے پاس بھی ھے جس میں ھمیں کسی امیر اور بادشاہ کی مدح سرائی کا کوئی بھی قصیدہ نہیں ملتا ۔ اس سے میر معصوم کی فطرت کی بلندی اور عزت نفس کا اندازہ ھوتا ھے اور اس کا بھی پتہ چلتا ھے کہ انھیں تملق، جھوٹی تعریفیں اور خوشامدیں مطلقاً پسند نہ تھیں۔

"دیوانِ نامی" اس غزل سے شروع ھوتا ھے:-

بادا ز ابتدائے سخن تا بہ انتہا
صلوات بر روانِ روان بخش مصطفیٰ

گاھے و عیدش آیت انی انا العزیز
گاھے کند بمژدہ استبشروا ندا

زان رو کہ شد غبار درت باد را نصیب
انی و جدت قرۃ عینی من الصبا

"نامی" کہ در ھوائے تو خواھد سپرد جان
در ھر دو کون وصل تو می خواھد از خدا

ایک مقام پر وہ اپنی پیری کے متعلق کہتے ھیں:-

بادِ خزان وزید فرو ریخت نو بہار
عمرِ عزیز رفت نہ کردیم ھیچ کار

پیری رسید دور جوانی گذشت ھیچ
غفلت نہ شد کم از دل آلودہ روزگار

تاج غرور بر سر و در بر قبائے ناز
دامن کشان بجیفۂ دنیا در افتخار

بار امل بہ گردن و کارِ عمل خراب
بیچارہ آدمی کہ گرفتار کاروبار

میر معصوم کی مندرجہ ذیل دو رباعیاں کتاب "نشترِ عشق" میں مرقوم ھیں (۱) -

"نامی" ز غم فراق محزون می گشت
در بادیہ کہ باد مجنون می گشت
خورشید اگر پائے نہادے آنجا
سر تا بقدم آبلہ و خون می گشت

در عشق بتان مشق جنون باید کرد
جان را بفراق رھنمون باید کرد
چون شیشہ تمام پر ز خون باید شد
وانگہ زرہِ دیدہ برون باید کرد

نظامی کی "پنج گنج" کے تتبع میں میر معصوم نے بھی پانچ مثنویاں "خمسہ" کے نام سے کہیں تھیں جو کہ سنہ ۱۰۱۳ھ میں مکمل ہوئی تھیں - ان میں سے جو مثنوی کہ "ھفت پیکر" کے مقابلہ میں کہی تھی اس کا نام آج تک نہ

---

(۱) تذکرہ "نشتر عشق" کا قلمی نسخہ رامپور کے شاھی کتب خانہ میں محفوظ ھے وھاں سے یہ رباعیاں نقل کی گئی ھیں. (ن. ب)

معلوم ہو سکا - باقی چار مثنویوں کے نام یہ ہیں :-

۱- معدن الافکار بجواب مخزن الاسرار
۲- حسن و ناز " خسرو شیرین
۳- اکبر نامہ " سکندر نامہ
۵- پری صورت " لیلیٰ مجنون

(ج) میر معصوم کو اپنے وقت کا معتبر تاریخ نویس شمار کیا گیا ہے :-

ماثر الامر اور طبقات اکبری کے مصنفین نے انھیں تاریخ نویسی میں یگانۂ روزگار تسلیم کیا ہے - زیر نظر کتاب تاریخ معصومی، میر معصوم کی وہ گراں قدر تالیف ہے کہ جس میں ان کی انفرادیت نمایاں نظر آتی ہے اور آن کی قوتِ حافظہ کے جوہر کھلتے ہیں - ہمیں اس پوری کتاب میں صرف تین تاریخوں کا حوالہ ملتا ہے، تاریخ مراۃالجنان، تاریخ گزیدہ اور چچ نامہ -

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری تاریخیں یا تو میر معصوم کی نظر سے گذری ہی نہ تھیں یا پھر انھوں نے آن کو ناقابل اعتنا سمجھ کر نظر انداز کردیا ، اور انھوں نے اپنے حافظہ کی مدد سے یہ ساری کتاب لکھی - شاید یہی وجہ ہے کہ اِس میں بعض تاریخی غلطیاں پائی جاتی ہیں - انھوں نے بعض چشم دید واقعات کو بھی نظر انداز کردیا ہے - مثال کے طور پر نظام الدین بخشی اور ماثر الامراء کے مصنف ملا عبدالباقی کا بیان ہے کہ "نصرپور کے قریب بوھری میں جانی بیگ کے محاصرہ کے وقت

خانخاناں کے لشکر گاہ میں ایسا قحط پڑا کہ بادشاہ اکبر کو
رائے سنگھ کے ہاتھوں دو لاکھ پچاس ہزار روپئے نقد، ایک
لاکھ من اناج، کچھ بڑی توپین اور کتنے ہی توبچی بطور
امداد کے بھیجنے پڑے تھے"۔ لیکن میر معصوم نے اپنی تاریخ
میں ایسے اہم واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

غالباً یہ فروگذاشتیں اس وجہ سے بھی ہوئیں کہ میر معصوم
نے ۶۵ سال کی عمر میں یہ تاریخ لکھی۔ لیکن ان خامیوں
کے باوجود یہ کتاب اہم خصوصیتوں کی حامل ہے، اور ان کے
قوت حافظے کی داد دینی پڑتی ہے۔

تاریخ معصومی کی تاریخِ تالیف اور اہمیت

میر معصوم نے کسی مقام پر بھی اپنی اس کتاب کی
تاریخِ تالیف درج نہیں کی ہے۔ البتہ صفحہ [۱۲۴] پر جہاں مرزا
شاہ بیگ کے ہاتھوں قلعہ بکھر کی تعمیر کا حال بیان کیا ہے وہاں
کہتے ہیں "تا این زمان کہ سن تسع والف ست ہمان قلعہ
موجود ست"۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ
تاریخ سنہ ۱۰۰۹ھ کے قریب لکھی گئی ہے۔ اس تاریخ کی
وجہ تالیف میر معصوم نے خود ہی واضح کی ہے۔ چنانچہ اس
کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں کہ "یہ کتاب میں نے اپنے بیٹے
میر بزرگ کے لئے لکھی ہے تاکہ وہ گذشتہ لوگوں کے حالات پڑھ
کر عبرت حاصل کرے اور ان کی اچھی عادات کی پیروی اور
بری عادتوں سے احتراز اختیار کرے"۔

قدامت کے اعتبار سے تاریخ معصومی فتح نامہ (چچ نامہ) کے بعد پہلی کتاب ھے کہ جو سندھ کی تاریخ کے متعلق دستیاب ھوسکی ھے ۔ تاریخ طاھری ، بیگلار نامہ ، ارغون نامہ ، ترخان نامہ اور تحفتہ‌الکرام وغیرہ یہ سب کتابیں اِس کے بعد لکھی گئیں اور ان سب نے اپنی کتابوں میں اسی کی خوشہ چینی کی ھے ۔ اس کتاب کے افادیت کا اندازہ اس سے ھوسکتا ھے کہ ماثر رحیمی کا مصنف سندھ کے حکمرانوں کا ذکر کرتے وقت تاریخ معصوی ھی پر اعتماد کرتا ھے اور اس بارے میں طبقات اکبری پر اس کتاب کو ترجیح دیتا ھے ۔

تاریخ معصومی کا آخری حصہ جس میں کہ سلطان محمود خان کے حالات اور سندھ کے جنوبی حصہ کا خانخانان کے ھاتھوں فتح ھونے کا بیان ھے وہ قطعی طور پر قابل اعتماد ھے ۔ کیونکہ اس میں کے بیشتر واقعات مولف کے چشم دیدھیں اور وہ ان مواقع پر موجود رھا ھے ۔ سلطان محمود خان کا بیان تو اس نے اس طرح مفصل اور سنین کے ساتھ قلمبند کیا ھے کہ گمان ھوتاھے کہ مصنف اس کے دربار کا نامہ نگار تھا ۔ شاید کوئی دوسرا مصنف اس قدر تفصیلات بیان نہ کر سکتا ۔ اس کے علاوہ مرزا شاہ حسن ، مرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود خان کے حالات کے بیان کے بعد اس نے ان میں سے ھر ایک کے معاصر علما و فضلا کے جو حالات بیان کئے ھیں وہ سندھ کی تاریخ کا بڑا قیمتی سرمایہ ھیں ۔ اگر میر معصوم اس طرف توجہ نہ کرتے تو تاریخ کا یہ حصہ تشنہ رھتا اور ان بزرگوں

کے حالات تک ہماری دسترس ناممکن تھی ۔ کتاب کی عبارت بھی نہایت سلیس ، صاف ، شستہ اور مشکل استعارات اور تشبیہات سے پاک ہے ، جو اس تاریخ کو دوسری تواریخ سے ممتاز بناتی ہے ۔

میر معصوم کی صفات اور وفات

میر معصوم کی سیرت اور ان کے آئینہ اخلاق میں ہمیں ان کی رفعت، بلند حوصلگی اور سخاوت کے جوہر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوے بھی بکھر کے عام اور معمولی افراد تک کو وقتاً فوقتاً سوغاتیں بھیجا کرتے تھے ۔ شہر کے اکثر لوگوں کے لئے اُن کی طرف سے سالانہ ، ماہانہ ، روزانہ ، فصلانہ اور جمعہ گانہ وظائف مقرر تھے ۔ البتہ جب وہ آخری مرتبہ وطن آئے تو اس مرتبہ انھوں نے کسی وجہ سے لوگوں سے بہ حسن سلوک روا نہ رکھا اور لوگوں کو ان سے دکھ پہونچا ۔ میر معصوم شکار کے بڑے شایق تھے چنانچہ اپنی جاگیر کے منتظموں کو ان کی تاکید تھی کہ جاگیر کی اراضی میں شکار کے لئے جنگلات کا کچھ حصہ ضرور مخصوص رہنا چاہئے ۔

میر معصوم کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ۔ اُن کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس میں مندرجہ ذیل اشعار منقوش ہیں ۔

میر معصوم آن شہِ برجِ شرف

آفتابِ شرع دین فخرِ زمن

روز جمعہ سادس ذوالحج گشت

عازمِ جنت بامرِ ذوالمنن

سال فوتش از خرد جستم بگفت

"بود" نامی "صاحبِ ملکِ سخن"

بعض مورخ مذکورہ کتبہ کے آخری مصرعہ "بود نامی صاحب ملک سخن" کی بنیاد پر آن کا سنِ وفات ۱۰۱۴ھ متعین کرتے ھیں کیونکہ بحساب ابجد اس مصرع کے حروف کے اعداد کی میزان ۱۰۱۴ ھوتی ھے۔ لیکن بعض، ماثر الامرا کے قول "در سنہ یک ھزارو پانزدہ از بارگاہ جنت مکانی بعنوان امینالملکی بہ بکھر رفتہ کہ ودیعت حیات سپرد" کو ترجیح دے کر آن کا سنہ وفات ۱۰۱۵ھ قرار دیتے ھیں۔ ڈاکٹر داؤد پوتہ نے ان دونوں قیاسات میں اس طرح تطبیق کی ھے کہ "بود نامی صاحب ملک سخن" در اصل "بودہ نامی صاحب ملک سخن" ھوگا۔ یعنی اصل مصرعہ میں حرف "ہ" زائد ھوگا جو کہ کسی وجہ سے کتبۂ مزار میں کندہ ھونے سے رہ گیا ھوگا۔ یہ فرض کر لینے پر ۱۰۱۴ھ میں صرف پانچ کا ھندسہ اور بڑھانا پڑے گا اور اس طرح کل مجموعی اعداد ۱۰۱۹ ھوجائیں گے جو کہ میر معصوم کا سالِ وفات ھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر محمد شفیع بھی "روز روشن" کے حوالہ کی بنا پر ڈاکٹر موصوف کی تائید کرتے ھیں۔ ھماری رائے میں بھی یہی خیال زیادہ قرین قیاس ھے۔

آثار میر معصوم

میر معصوم کے آثار کتبوں کی شکل میں سارے ھندوستان بلکہ افغانستان تک پھیلے ہوئے ھیں (۱) "ذخیرۃالخوانین" کا مصنف شیخ فرید بکھری میر معصوم کے ذوق طبع کی شہادت یوں دیتا ھے :-

"ابروان ، نخشوان ، تبریز اور اصفہان سے لے کر قندھار، کابل ، کشمیر، ھندوستان اور دکن تک جہاں بھی وہ گیا وھاں اپنے اشعار پتھروں پر کندہ کرا کر اپنی یادگار قائم کی جیسے اکبر آباد کا دروازہ اور اور فتحپور سیکری کی مسجد وغیرہ۔ عمارات کا اسے بے حد شوق تھا ۔ اکثر مقامات پر مساجد ، مسافر خانے حوض ، کنویں اور پل تعمیر کرائے۔ خاص طور پر اس نے اپنے شہر بکھر کو جو کہ اس کا مسکن تھا ، بے حد شاندار عمارتوں اور پھل دار درختوں سے زینت دی۔ دریائے سندھ کے وسط میں جو کہ بکھر کے چاروں طرف بہتا ھے اس نے "ستیاسر" نامی ایک ایسی عمارت تعمیر کرائی کہ جس کی نظیر روئے زمین پر ملنی مشکل ھے۔ اس کی تاریخ "گنبد دریائی" سے نکلتی ھے۔ اپنا مقبرہ اس نے دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسی ٹیکری کے اوپر تعمیر کیا ھے کہ

---

(۱) ان میں سے اکثر کا ذکر فارسی ایڈیشن کے مقدمہ میں موجود ھے .

جس کے نیچے باغات ھیں ۔ اس مقبرہ کی تعمیر ایسی عجیب و غریب ھے کہ اس جیسا کام کہیں اور نہیں دکھائی دیتا ۔ اس میں ایک مینار ھے کہ جس کے آگے دھلی اور مانڈوا کے مینار صرف پتھر کی حیثیت رکھتے ھیں ۔ اس کا ایک حصہ پختہ اینٹوں کا بنا ھوا ھے لیکن ایسا دکھائی دیتا ھے کہ گویا تراش کر بنایا گیا ھے ۔ اپنے باپ اور بھائیوں کے مقبرے اس نے اسی کے متصل بنوائے ھیں اور اس مبقرہ میں اس نے اپنی قبر پر ایسی آیات کتبوں کی شکل میں منقوش کرائی ھیں کہ جو مغفرت پر دلالت کرتی ھیں ۔ اپنی قبر کی لوح پر اس نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام منقوش کرائے ھیں ۔ اس عمارت کو ساٹھ سال گذر چکے ھیں لیکن اب تک اس میں کوئی بھی نقص ظاھر نہیں ھوا ھے"۔

۱۔ ستیاسر :۔ ذخیرۃ الخوانین میں جس ستیاسر کا ذکر ھے اس کا تفصیلی تذکرہ مسٹر "بلاکمن" نے بھی آئین اکبری کے ترجمہ کی پہلی جلد کے آخیر میں ایک نوٹ میں کیا ھے ۔ وہ لکھتا ھے کہ "میر معصوم نے کتنی ھی عمارتیں تعمیر کرائیں ۔ خاص طور پر سکھر کے سامنے ، دریا کی جو شاخ بکھر کے چاروں طرف حلقہ کئے ھوئے ھے اس کے وسط میں میر معصوم نے ایک گنبد تعمیر کرایا تھا جس کا نام "ستیاسر" رکھا تھا ۔ یہ گنبد عجائبات عالم میں سے تھا ۔ اس کا سن تعمیر "گنبد دریائی" سے نکلتا ھے یعنی ۱۰۰۷ ھ"۔ افسوس کہ اب اس

عمارت کا کوئی بھی نشان باقی نہیں ہے -

۲- معصوم شاہ کا مینار:- یہ مینار اپنی قدیمی شان و شوکت کے ساتھ آج بھی نئے سکھر کی ٹیکری پر موجود ہے - اس مینار کی تعمیر میں عجیب حساب رکھا گیا ہے، مینار کی بنیاد کے قریب اس کا محیط ۸۴ فٹ ہے اس کی بلندی بھی ۸۴ فٹ ہے اور اس کے علاوہ اس کے پُر پیچ زینے کی بھی ۸۴ سیڑھیاں ھیں - اس مینار کی بنیاد سنہ ۱۰۰۳ھ میں رکھی گئی تھی- میر معصوم نے اس مینار کے مکمل ہونےسے پیشتر ھی وفات پائی اور اس کی تکمیل ان کے فرزند میر بزرگ نے سنہ ۱۰۲۶ھ میں کرائی - یہ حقیقت اس کتبہ سے عیاں ھوتی ہے کہ جو مینار کی سیڑھی کے دروازہ پر نصب ہے، اور جس پر یہ عبارت اور اشعار کندہ ھیں -

بنی هذه المناره فی زمان
سلطان جلال‌الدین محمد اکبر
باد شاہ غازی
بدر فلک علا محمد معصوم
کز وے زمانہ صیت نکو نامی است
افراشت چنان بنا٘ عالی کہ زقدر
افراختہ سر بچرخ مینا فامی است
تاریخ بنای او ملائک از عرض
گفتند "جہان نما منار نامی" است

— ——

میر معصوم آن رفیع القدر
کہ از و کار دین بائین است
کرد طرح منار تا گویند
کاین پیٔ یادگار دیرین است
پیر چرخ از برائے تاریخش
ساق عرش برین بگفت این است
(قائلہ میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم)

۳- آرام گاہ یا فیض محل: مذکورہ مینار سے متصل تقریباً آٹھ نو فٹ کے فاصلہ پر ایک هشت پہل گنبد کی عمارت ھے جس کا نام "فیض محل" ھے، لیکن عام لوگ اسے "آرام گاہ" کہتے ھیں - یہ عمارت تقریباً پچاس فٹ اونچی اور بُرج کی طرز پر بنی ھوئی ھے - پہلوؤں میں چار دروازے ھیں اور اندر کی طرف سطح سے ۱۴ فٹ بلندی پر ایک چھجہ ھے جس میں چار کھڑکیاں ھیں - یہ کھڑکیاں ان دروازوں کے اوپر ھیں - دو کھڑکیوں کے اوپر پتھر کے چھتریاں ھیں - ان چھتریوں کی چھت اور برج پر اندر کی طرف چاروں جانب نصیحت آمیز رباعیاں منقوش ھیں - یہ عمارت خوبصورت پختہ اینٹوں کی بنی ھوئی ھے اور زینت کے لئے اس میں کثرت کے ساتھ کاشی کی اینٹیں (۱) لگی ھوئی ھیں جس کی وجہ سے

(۱) چکنی اور رنگین مصالحہ دار اینٹیں (Tiles).

ساری عمارت رنگ برنگی نظرآتی ھے ۔ اس عمارت کی اندورنی چوڑائی سترہ فٹ ھے ۔ متذکرہ رباعیوں میں سے ایک رباعی ذیل میں درج کی جاتی ھے جس میں اس عمارت کا نام اور سنِ تعمیر درج ھے:-

این گنبد با شکوہ نامی
کز قدر شد آسمان با فیض
چون بود محلِ فیض ازان دو
تاریخ شدش مکان ، با فیض
۱۰۰۴ھ

۴- سکھر جیل کی ملحقہ عمارتیں اور کنویں: نئے اور پرانے سکھر کے درمیان جیل خانہ کے متصل ایک ھشت پہل گنبد نما عمارت ھے ۔ اس کی چنائی پختہ اینٹوں کی ھے اور باھر چونے اور گارے کا پلستر ھے ۔ کہتے ھیں کہ اس عمارت کے چاروں طرف سات کنویں تھے جن میں سے چھ کنویں مٹی سے بھر گئے ھیں باقی ایک کنواں اب تک موجود ھے جس میں سے لوگ عام طور پر پانی بھرا کرتے ھیں ۔ یہ کنواں اس عمارت کے مغرب میں ھے اور اس کی ساری چنائی پتھروں کی ھے ۔ عمارت اتنی خوبصورت اور مضبوط ھے کہ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ جیسے یہ ابھی تیار ھوئی ھے ۔ آجکل سکھر میونسپلٹی کا عملہ اس میں تیل وغیرہ رکھا کرتا ھے۔

کنویں اور ھشت پہلو عمارت کے مغرب میں ایک مسجد

جیسی عمارت ھے جس کے اندر مغربی دیوار پر مندرجہ ذیل کتبہ منقوش تھا جسے اندازاً سن ۱۹۳۵ع میں کسی نے اکھاڑ کر گم کردیا :-

"بناء این بقعهٔ خیر نهاد امیر معصوم نامی بکهری جهت سیر و استراحت وارد و صادر و مقیم و مسافر۔ هر که درین بنا مقبره کند لعنت خدا و پیغمبران و ملائکہ و مومنان برو باد"۔

۵- منزل گاه کی عمارات: سکھر بندرگاہ پر منزل گاہ کے میدان کے جنوب میں "شاد بیلہ" کے سامنے میر معصوم کی تعمیر کرائی ہوئی دو عمارتیں ھیں جن میں سے ایک سنہ ۱۰۰۶ھ کی اور دوسری سنہ ۱۰۰۷ کی تعمیر ھے۔ جو عمارت کہ سنہ ۱۰۰۶ھ میں تعمیر ہوئی ھے وہ سنہ ۱۰۰۷ھ میں تعمیر کی ھوئی عمارت کے مغرب میں ھے۔ اس کے اندر کی طرف مغربی دیوار پر یہ کتبہ پتھر پر کندہ ھے :-

خوشا منزل باغِ رضوان رقم
که جان را دهد فیض باغِ ارم
بتاریخ این جائے عشرت سرشت
زهے جائے عشرت رقم زد قلم
۱۰۰۶ھ

اسی عمارت کے مشرق میں پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ایک اور هشت پہلو عمارت ھے جس کا اوپر کا حصہ گنبد کے مانند ھے اور اس گنبد پر آسمانی رنگ کی کاشی کی اینٹیں جڑی

ہوئی ہیں۔ اس کی مغربی سمت کی دیوار پر باہر کی طرف یہ کتبہ نصب ہے :-

”در زمان خلافت بادشاہ اعظم شہنشاہ معظم جلال‌الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ بنا نمودہ این عمارت خیر امیر معصوم نامی بکھری بن سید صفائی ترمذی از برای نفع عام مسلمانان۔ ہرکہ در این بنا مقبرہ سازد لعنت خدا و پیغمبران و ملائکہ و مومنان برو باد۔ سنہ ۱۰۰۷ھ“۔

کتبہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ عمارت عام خلق اللہ کی آسایش کے لئے بنوائی گئی تھی۔ اس عمارت کی چنائی پختہ اینٹوں کی ہے جس کے اندر کی طرف چونے کا پختہ پلستر ہے اور باہر کی طرف سے صرف اینٹوں کی درزیں بھری گئی ہیں۔

۶۔ قبرستان :- معصومی کے مینار اور فیض محل کے مشرق میں پتھریلی زمین کی ایک اونچی ٹیکری ہے جس پر ایک چوکور چھت ہے۔ اس کے نیچے سید محمد معصوم کے والد، خود سید معصوم اور بعض دوسرے لوگوں کی قبریں ہیں۔ یہ کشادہ چھت ہشت پہل کھمبوں پر استادہ ہے۔ ساری تعمیر پتھر کی ہے۔ قبروں پر یا عمارت کی چھت اور ستونوں پر کتبوں کی گویا چادر بچھی ہوئی ہے۔ عمارت کا کوئی بھی حصہ حروف سے معرا نہیں۔ چھت کے وسط میں دو چھوٹے گنبد ہیں جن کے نچلے حصوں پر بھی کتبے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کتبے نصیحت آمیز اشعار، قرآنی آیات اور احادیث پر مشتمل ہیں۔ انداز تحریر

معصومی کا ہے۔ مربع چھت کے نیچے کل نو (۹) قبریں ہیں جن میں سے ایک میر معصوم کے والد سید صفائی کی ہے ایک خود میر معصوم کی اور باقی دوسروں کی ہیں۔ بعض قبروں پر صاحبِ قبر کا نام اور سن وفات کندہ ہے اور بعض بغیر کتبے کے ہیں۔ سید صفائیؔ کی تربت پر پائنتیں کی طرف یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

اے آمدہ بر سر مزارم
از آمدنت امیدوارم
حسرت زدہ ام بخاک ماندہ
افتادہ در این مغاک ماندہ
یک فاتحہ بخوان باخلاص
تا حق کند بمغفرت خاص
ماہ قرشی سید صفائی
کافراشت فلک لوائے نورش
ناگاہ ازین جہان گہہِ سیر
افتاد بآن جہان عبورش
نامی ز برائے سال تاریخ
گفتا پُر نور باد گورش

۹۹۱ھ

لوح مزار پر گہرے مینائی رنگ کا پتھر نصب ہے جس کے ہر طرف کتبے ہیں۔ سید صفائی کی قبر کے مشرق میں بغیر

کتبے کے ایک چھوٹی قبر ہے اس کے بعد سید محمد معصوم کی قبر ہے اور یہ کتبوں سے معمور ہے۔ اس کی لوح پر پائتیں کی جانب سے یہ کتبہ منقوش ہے :۔

میر معصوم آن مہ برج شرف
آفتابِ شرعِ دین فخرِ زمن
روزِ جمعہ سادسِ ذوالحجہ گشت
عازمِ جنت بامرِ ذوالمنن
سالِ فوتش از خرد جستم بگفت
"بود "نامی" صاحب ملک سخن"

۷۔ عید گاہِ روہڑی :۔ میر معصوم کے سکھر اور بکھر کے جملہ آثارات میں روہڑی کی عید گاہ سب سے قدیم ہے۔ یہ عید گاہ شہر روہڑی کے جنوب مغرب کی جانب ایک ٹیکری پر ہے۔ تقریباً دو ایکڑ زمین کے گرد ایک چہار دیواری ہے جو کہ مغرب کی سمت اونچی اور باقی تین طرف سے نیچی ہے۔ قبلہ کی جانب والے گوشوں اور ان کے وسط مین چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں ۔ وسطی گنبد کے نیچے محراب ہے جس کے باہر کی سمت سفید پتھر پر تین سطروں میں یہ عبارت تحریر ہے:۔

سیادت پناہ امیر محمد معصوم نامی بن سید صفائی بنا نہاد
میر معصوم ساخت برسرِ کوہ
عید گاہِ بفیض ہمچو ارم
پیرِ فکرت برائے تاریخش
عید گاہِ بفیض کرد رقم
۱۰۰۲ھ

۸- دریا کی نشان دہی کرنے والے پتھر(؟) : مسٹر اسٹوک نے اپنی کتاب میں میر معصوم کی ایک یادگار کا تذکرہ کیا ھے - وہ کہتا ھے کہ " اروڑ میں میں نے صرف دو پتھروں کو قابل توجہ پایا جن پر حروف کندہ تھے- ان کتبوں پر لکھی ہوئی عبارت کا مطلب یہ تھا کہ یہ پتھر میر معصوم کے لگوائے ہوئے ھیں تاکہ ان کے ذریعہ دریا کے قدیمی پیٹے کا پتہ چل سکے"- ان پتھروں کے ذریعہ میر معصوم نے اروڑ کے دریا کا راستہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ھے - مگر افسوس کہ یہ پتھر اب کہیں نظر نہیں آتے (۱) -

---

(۱) راقم نے سنہ ۱۹۴۴ع میں موضع اروڑ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر شاہ شکر گنج کی درگاہ کے قریب ایک پتھر دیکھا تھا جس پر چوٹیں مار مار کر ھر چند کہ چرواھوں نے اس پر کھدے ہوئے بعض حروف مٹادئے تھے لیکن کافی غور سے جب دیکھا گیا تو اس پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ تھے:-

" بردار قدم چو رہ نوردان
در بادیہ پای نہ چو مردان

بفرمود سیادت پناہ امیر محمد معصوم مرقوم شد سنہ ۱۰۰۸"-

اگر مسٹر اسٹوک کا اشارہ اسی پتھر کی جانب ھے تو آسانی سے کہا جا سکتا ھے کہ موصوف کا یہ خیال غلط ھے کہ یہ پتھر دریا کا پیٹا معلوم کرنے کے لئے نصب کرائے گئے تھے لیکن اگر یہ پتھر کوئی اور ھیں تو انہیں میر معصوم کے متعلق ایک نئی دریافت قرار دیا جائے گا کہ جس کا ذکر اس سے پہلے کہیں نظر سے نہیں گذرا. (ن-ب).

میر معصوم کی اولاد

میر معصوم کی اولاد کے بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں معلوم ہو سکا البتہ ان کے فرزند کے حالات، جن کے لئے انہوں نے یہ کتاب لکھی تھی، ہمیں کچھ ماثر الامراء سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ابتدا میں بادشاہ اکبر کا چوکیدار تھا۔ جہانگیر کے بیٹے خسرو خان کی بغاوت کے زمانے میں [سپاھی] اسے راہ سے مسلح حالت میں پکڑ لائے۔ کوتوال نے اسے حضور میں پیش کرتے ہوئے بیان دیا کہ یہ بھی اس فساد میں شامل ہے۔ میر بزرگ نے انکار کیا۔ اس پر جہانگیر نے اس سے دریافت کیا کہ "پھر ایسے ناموزوں وقت تونے ہتھیار کیوں پہنے؟" اس نے جواب دیا کہ "میرے والد کی وصیت ہے کہ چوکی کی شب مجھے مسلح رہنا چاہئے" چوکی نویس نے بھی اس کی شہادت دی کہ آج شب اس کے پہرے کی باری تھی۔ اس پر بادشاہ نے اسے معاف کرکے اس کے باپ کے مال و ملکیت کا اسے حقدار قرار دیا اور ساتھ ھی قندھار کی بخشیگیری کا عہدہ بھی عطا کیا۔ اس کے بعد کافی مدت تک وہ وھاں رہا اور باپ کی رقم کوجو کہ تقریباً تیس چالیس لاکھ تھی فضول خرچیوں میں ضایع کردیا۔ آخر میں اس کے دماغ میں کچھ ایسا خلل واقع ہوگیا تھا کہ وہ کسی سے بھی عجز و انکسار کے ساتھ پیش نہ آتا تھا اور نہ کسی گورنر سے نباہ کر سکتا تھا۔ نظم و نثر میں اسے کمال دسترس حاصل تھا اور وہ ایک اچھا انشا پرداز تھا۔ ایک مرتبہ جہانگیر بادشاہ کے ہمراہ مانڈوا بھی گیا تھا اور دکھن پر بھی مامور ہوا تھا، جہاں وہ

کافی عرصہ تک رہا لیکن چونکہ اس کی جاگیروں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی اس لئے اس عہدہ سے مستعفی ہوکر اپنے آبائی وطن بکھر آگیا اور اپنے باپ کے باغات و املاک پر قناعت کرکے بیٹھ رہا۔ بالآخر سنہ ۱۰۴۴ھ میں اس نے وفات پائی، آج بھی اس کی اولاد شہر سکھر میں موجود ہے اور "سادات معصومی" کہلاتی ہے۔

تاریخ معصومی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقفان عالم بے اساس کے صاف ضمیروں اور ہوشمندان سخن شناس کے پاک دلوں سے مخفی و مستور نہ ہوگا کہ یہ ایک قیمتی کتاب ہے۔ جس میں سندھ کی فتوحات کی اطلاعات، لشکر اسلام اور افواج کفاران بد انجام کے معاملات، خلفاء بنو امیہ و بنی عباس کے گورنروں کے حالات اور انکے دور کے بعد جن حکمرانوں نے ارض سندھ پر علم حکومت لہرایا، انکے واقعات، ارغون حکمرانوں اور انکے دور حکومت کا ذکر، انکی جنگوں اور بعض شہروں اور ملکوں کی تسخیر کے واقعات سے لیکر انکی زندگیوں کے خاتمہ تک کے حقائق اور پھر اس ملک کے خلافت پناہ ظلّ اللہ بادشاہ غازی جلال الدین محمد اکبر (خدائے تعالیٰ اسکی سلطنت اور بادشاہت ہمیشہ سلامت رکھے اور ساری دنیا پر اسکا فیض اور احسان جاری رکھے!) کے دائرۂ اقتدار میں منتقل ہونے کی خبریں اور ان حاکموں اور امیروں کا ذکر درج ہے کہ جو اس بارگاہ معلّٰی کی جانب سے بکھر، سیوستان اور ٹھٹھہ پر مامور کئے جاتے رہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے:-

حصہ اول:- فتح سندھ اور خلفاء بنو امیہ و بنی عباس کے گورنروں کے زمانہ حکومت کے متعلق۔

حصہ دوم :- ان بادشاهوں کے متعلق کہ جو ممالک محروسہ ٔ
هند کے مالک تھے اور سندھ انکے گماشتوں
کے زیر تصرف تھا۔ بمع ذکرِ حاکمانِ
سومرہ و سمہ ۔ [۱]

حصہ سوم :- ارغون حکمرانوں کے عہد سے متعلق ۔

حصہ چہارم :- ولایت سندھ کے بارگاہِ [اکبری] کے احاطۂ
تسخیر میں منتقل ہونے اور ان امرا و حکام کے
بیان میں کہ جو اس کتاب کی تالیف تک ،
کہ جو "تاریخ سندھ" کے نام سے موسوم ھے ،
بارگاہِ [اکبری] کی جانب سے اس ملک پر
حکومت کرنے اور اسکی نگہداشت کرنے کے لئے
مامور کئے جاتے رہے ہیں ۔ واللہ المستعان و
علیہ التکلان ۔ (اللہ ھی مددگار ھے اور اسی
پر توکل ھے) ۔

تعریف و توصیف اس مالک الملک کیلئے ھے کہ جس نے
اپنی حکمت کے تقاضہ کے مطابق دنیا کے کاروبار کا نظام اور
بنی نوع انسان کے معاملات کا انتظام عدل پسند بادشاھوں کے
وجود سے مربوط اور منسلک کیا ۔ "لولا السلطان لاکل الناس
بعضھم بعضا" (اگر بادشاہ نہ ھوتے تو لوگ ایک دوسرے کو
کھا جاتے) کا کلامِ صدق انجام اس حقیقت کی تائید
کرتا ھے ۔ مثنوی :-

خداوندے کہ بے شبہ است و مانند
بقدرت بر خداوندان خداوند
خداوندے کہ او را نیست ھمتا
گواہ بر ھستیٔ او جملہ اشیا
نظامِ مملکت از خسروان داد
ز عدلِ خسروان زیبِ جہان داد
نباشد از بدوران بادشاھان
شود از حادثات این دھر ویران

درود اور سلام کے نذرانے اس سید کائنات کے حضور میں کہ جسکے پرچم نبوت کی رفعت "کنتُ نبیاً و آدم بین الماء والطین" (میں اسوقت بھی نبی تھا جبکہ آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھا) کے قول سے آشکار ھے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی اولاد اور اصحاب پر اورجو لوگ کہ اخلاص کے ساتھ آپ کے تابع ھوے ھیں قیامت تک ان سب پر رحمت نازل کرتا رھے۔

مثنوی :

محمد گر نخست آمد و جودش
جہان موجود از فیضان جودش
چنان بگرفت گردون را بشوکت
کہ بر چرخ برین زد پنج نوبت [۲]
شرف از وے زمین و آسمان را
بلندی دادہ قدر او جہان را
اساس دین چنان داد استقامت
کہ آباد است تا روز قیامت

اما بعد ۔ اس کتاب کے راقم محمد معصوم متخلص بہ نامی ولد سید صفائی حسین، کے دلمیں، کہ جو اصلاً ترمذی اور مسکناً و مدفناً بکھری ہے اور جسے سبزوار میں ولادت پانے اور قندھار میں مسکون و مدفون ہونے والے بزرگ سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال سے نسبت ہے (۱)، مدت سے یہ خیال پیدا ہوتا رہا کہ سندھ کے واقعات اور اسکے حکمرانوں کے حالات ضبط تحریر میں لائے جائیں اور خبروں و روایتوں کو دریافت اور چھان بین کرکے ایک مجموعہ تیار کیا جائے ۔ لیکن ناسازگار زمانہ کی مشکلات اور چرخِ کج رفتار کی آفات کیوجہ سے یہ فعل انجام نہ پا سکا اور "الامور مرهونة بأوقاتها" (ہر کام اپنے وقت پر ہونے کا پابند ہے) کے مطابق تاخیر ہوتی رہی ۔ آخرکاران ایام میں قرة العین و لخت جگر، میر بزرگ "جعله الله من عباده الصالحين" (کاش خداوند تعالیٰ اسے اپنے صالح بندوں میں شمار کرے)، اس کتاب کی تحریر و تالیف کا سبب اور اس دستاویز کی تدوین و تصنیف کی علت غائی بنا ۔ چنانچہ میں ان اوراق کی تحریر و ترتیب پر متوجہ ہوا تا کہ اسطرح وہ، گہوارۂ امکان میں تربیت پائے ہوئے سابقہ افراد کے حالات کا مطالعہ کرکے خیر و شر کے نتائج اور نفع و ضرر کے مواد سے علم اور واقفیت حاصل کرے،

---

(۱) اسیر گڑہ اور ، پش طاق، (قندھار) کے کتبوں میں "المنتسب آماً" رقم ہے یعنی یہ کہ میر محمد معصوم کی نسبت والدہ کی جانب سے سید شیر قلندر سے ملتی ہے.

عقلمندوں اور نیکو کاروں کی حسن سیرت سے ھدایت حاصل کرے اور اس پسندیدہ اعلیٰ جماعت کے بلند اخلاق اور احسن طور طریق کی پیروی کرے اور [ساتھ ھی ساتھ] ناپسندیدہ اھل نخوت و غفلت اور ان کی خصلتوں نیز نکمے اور بیکار لوگوں کی گری ھوئی عادتوں سے احتراز و اجتناب کرے۔
وَ من اللہ التوفیق و العصمۃ والعون (توفیق، پاکیزگی اور اعانت اللہ کی طرف سے ھے)۔ [۳]

حصہ اول

تسخیر سندھ اور ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت
میں دارالسلام بغداد سے اسلام کے لشکر فیروز اثر کے
ورود ، کافران حق نا شناس کی فوجوں سے انکی
معرکہ آرائیوں اور خلفاء بنو امیہ و بنی عباس کے گورنروں
کے عہد حکومت کا بیان ۔

بہترین حمد و ستائش اور تعریف و توصیف اسی آفریدگار کو
زیب دیتی ہے کہ جس نے انسانی گروہوں میں مختلف قماش
اور متضاد صفات کو جنم دیا اور حکمرانی و جہانبانی کی راہ پر
گامزن ہونے والوں کے معاملات و کاروبار کو ایک دوسرے کے برعکس
تخلیق کیا۔ "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ، وَ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ" (ان میں سے کچھ خود پر
ظلم کرنیوالے ہیں، کچھ درمیانی ہیں اور کچھ بھلائیوں
میں ممتاز ہیں)۔ اسکے بعد۔ اہل۔ فہم و شعور کے پاک ضمیروں
سے پوشیدہ نہ رہے کہ صاحبان تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ
سندھ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف
ثقفی کی سعی و اہتمام سے فتح ہوا تھا۔ چنانچہ علی بن حامد
بن ابی بکر، الکوفی نے "تاریخ سندھ" میں جو کہ "چچ نامہ"
کے نام سے مشہور ہے [ان واقعات کو تفصیل سے] قلمبند کیا ہے ان

اوراق کا محرر [آسکی] بار گذرنے والی طوالتوں اور اکتا دینے والی عبارتوں سے گریز کرتا ہوا، ضروری مواد ان اوراق پر مرقوم کرتا ہے۔ و باللہ التوفیق (توفیق دینے والا اللہ ہے)۔ [۴]

ولید بن عبدالملک کے حالات کا مختصر ذکر

بعض مورخوں ک بیان کے مطابق ولید ایک ظالم اور قہار شخص تھا۔ لیکن اکثر مورخوں کے اعتقاد کے مطابق وہ خلفاء بنی امیہ میں [سب سے] افضل تھا۔ کیونکہ دمشق کی جامع مسجد کو جو کہ ''جامعہ بنی امیہ،، کے نام سے مشہور ہے اسی نے تعمیر کرایا تھا۔ ''تاریخ گزیدہ،، میں مرقوم ہے کہ چھ بار اس نے ہزار ہزار (۱) دینار سرخ اس مسجد کی تعمیر پر صرف کئیے۔ کہتے ہیں کہ روزانہ بارہ ہزار مزدور اس مسجد میں کام کیا کرتے تھے۔ مدینہ [منورہ] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی مسجد کی توسیع اور بیت المقدس میں مسجداقصیٰ کی نئے سرے سے تعمیر بھی اسی نے کرائی تھی۔ [اسکے علاوہ اس نے] نابیناؤں کیلئے راہبر مقرر کئیے اور کوڑھیوں کو عام لوگوں سے علحٰدہ کرکے انکے لئے ذریعہ معاش کا تعین کیا۔ اسکے عہد خلافت میں فرغانہ تک ماوراءالنہر کے علاقے اور کابل، سندھ اور ملتان کے ممالک فتح ہوئے۔ ''تاریخ مرآۃ الجنان،، میں اسطرح مرقوم ہے کہ ولید، باوجود بہت بڑے ظالم ہونے کے، [قران شریف کی] کثرت سے تلاوت کیا کرتا تھا چنانچہ ہر

---

(۱) چھ بار ہزار (ضرب) ہزار جس کی مجموعی تعداد ساٹھ لاکھ دینار ہوتی ہے.

تیسرے روز وہ ایک قران ختم کرلیتا تھا اور ماہ رمضان المبارک میں قران مجید کے سترہ ختم مکمل کیا کرتا تھا۔ ''تاریخ گزیدہ'' میں مرقوم ھے کہ ولید نے اپنی خلافت کے زمانے میں بیابانوں کے راستوں پر تالاب بنوائے اور دمشق میں شفاخانہ اور ضیافت خانہ کی بنا ڈالی۔ اس سے پیشتر یہ رسم رائج نہ تھی۔ نماز کی اذان کیلئے مینار بنانا بھی اسیکی ایجاد ھے۔ اسکی وفات ماہ جمادی الاول سنہ ۹۶ ھجری میں واقع ھوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۴۹ سال سے کچھ زائد تھی۔ اسکا زمانہ حکومت ۹ سال اور ۸ ماہ سے کچھ زیادہ ھے۔ ولید نے ''المنتقم باللہ'' کا لقب اختیار کیا تھا۔ والعلم عنداللہ سبحانہ۔ [۵]

بعض واقعات کا ذکر اور دارالسلام بغداد سے معزز وفود اور اسلامی لشکر کی روانگی کے اسباب کا بیان

''تاریخ سندھ'' (۱) میں درج ھے کہ عبدالملک کے زمانہ خلافت میں خلیفہ نے اپنے کچھ ملازموں کو سندھ میں ھندوستانی کنیزیں اور دیگر سامان خریدنے کیلئے متعین کیا تھا۔ [چنانچہ جب] شام کے کچھ تاجر ان لوگوں کے ساتھ ملک سندھ میں آئے اور

---

(۱) یہاں ''تاریخ سندھ'' سے مراد غالباً فتحنامہ (عرف چچنامہ) ھے۔ لیکن فتحنامہ میں بیان کیا گیا ھے کہ دیبل بندر پر جن لوگوں کو لوٹا گیا وہ مالدیپ کے راجہ کے حکم پر جزیرہ یواقیت سے حجاج اور خلیفہ کیلئے تحائف لے کر جارھے تھے اور سمندر میں طوفان آجانے کیوجہ سے دیبل بندر پر آ لگے تھے۔

کنیزیں و دیگر مطلوبہ سامان لے کر دریا کی راہ سے واپس ہونے لگے تو دیبل بندر کے قریب، کہ جو اب ٹھٹھہ بندر اور لاھری کے نام سے مشہور ھے ، لٹیروں کے ایک گروہ نے ان پر حملہ کرکے ان میں سے اکثر کو قتل کردیا اور بعضوں کو قید کرکے سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ کچھ لوگ جان بچا کر نکل بھاگے اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع اس تک پہنچائی ۔ خلیفہ کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے [فوج کشی کیلئے] لشکر نامزد کردیا لیکن یہ لشکر ابھی تیاری ھی میں مصروف تھا کہ اچانک لشکر اجل نے خلیفہ پر شبخون مارا اور وہ مملکتِ آخرت کی جانب کوچ کر گیا چنانچہ وہ لشکر وھیں رہ گیا۔ اسکی وفات کے بعد اسکا ھونہار بیٹا ولید مسند خلافت پر بیٹھا۔ اس نے حجاج بن یوسف کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا جس نے دونوں عراقوں (عربی و عجمی) کے بندوبست سے فارغ ھو کر ممالک کرمان، خراسان اور سیستان کے امور کو سر انجام دینے کی طرف توجہ دی اور مکران و سندھ کے ممالک کے حالات معلوم کرکے خلیفہ کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی کہ سندھ کے لوگوں نے خلیفہ (مرحوم) کے ان ملازموں کے ساتھ، کہ جو سامان خریدنے کیلئے گئے ھوئے تھے، گستاخی کرکے انکا مال و اسباب لوٹ لیا تھا اور اکثر ملازموں کو قتل اور بعض کو قید کردیا تھا۔ [۲] مرحوم خلیفہ نے اسی قابل ملامت گروہ سے انتقام لینے کی غرض سے اس ملک پر فوج کشی کرنے کے لئے ایک لشکر نامزد کیا

تھا ۔ لیکن اسی اثناء میں وہ بیمار ہو کر دار البقا کو رحلت کر گیا۔ ابھی تک مسلمان اسی طرح کفار کی قید میں پڑے ہوئے ہیں [چنانچہ] اگر حکم ہو تو بہت ممکن ہے کہ قیدیوں کی رھائی کے ساتھ ساتھ دولت کثیر بھی ھاتھ آئے"۔

چونکہ دشمن کے حالات اور طور طریق کا معلوم کرنا دور اندیشی اور احتیاط کا ضروری تقاضہ ہے اس وجہ سے مذکورہ عرضداشت کا جواب ملنے سے پہلے ھی حجاج نے سندھ کے حالات کی جاسوسی اور دشمن کی تعداد اور انکے لشکر کی تفصیلات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے دو ھوشیار اشخاص کو مامور کیا اور اس واقعہ کو ذریعہ اور بہانہ بنا کر انکے ھاتھوں ایک خط روانہ کیا ۔ ان دنوں سندھ پر چچ کا بیٹا داھر حکمران تھا ۔ جب اسے حجاج کا خط دیا گیا تو اس نے اسے عزت و احترام کے ساتھ لیا اور خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر اس تقصیر سے برائت کا اظہار کیا اور اپنی بے گناھی ظاھر کرتے ہوئے پر نفاق زبان سے خلوص و اتفاق کے کلمات ادا کئے اور اپنی لاعلمی و بے خبری کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کے متعلق استفسار کرنے لگا ۔ اسکے بعد اس نے کہا کہ جس گروہ نے خلیفہ کے ملازموں کے ساتھ بے ادبی کی ہے انکی تلاش میں اپنے آدمیوں کو روانہ کرتا ھوں اگر وہ ھاتھ آگئے تو انھیں سخت سزا دونگا اور جو مال کہ انھوں نے لوٹ لیا ھے واپس لے کر خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دونگا ۔ چنانچہ اس نے کچھ لوگوں کو مقرر کیا اور ان دونوں (قاصدوں) کو

دم دلاسوں سے خوش کر کے یہ معذرت نامہ تحریر کیا کہ ۔
" دیبل بندر میں قزاقوں کا ایک گروہ رہتا ہے - یہ بے ادبی اسی سے سرزد ہوئی ہے اور وہ ہمارے دائرہ اطاعت و اختیار سے باہر کے لوگ ہیں" ۔ آخر کار وہ (قاصد) فوجوں اور مملکت کے حالات سے واقفیت حاصل کر کے حجاج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندھ کے حالات اسکے گوش گذار کئے ۔ حجاج کے عریضہ کے جواب میں دارالخلافت [۷] سے یہ جواب آچکا تھا کہ وہ اپنے ابن عم محمد بن قاسم کو ملک سندھ کی تسخیر کیلئے مامور کرے اور لشکر کی تیاری بیت‌المال بغداد کے خزانہ سے کرے۔ چنانچہ ایک ماہ کے عرصہ میں حجاج نے پندرہ ہزار مجاھدوں کو، کہ جن میں سے چھ ہزار گھوڑے سوار، چھ ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے تھے، تیار کر کے سندھ کی طرف روانہ کیا اور خرچ کے لئے انھیں تیس ہزار درہم بھی دیئے تاکہ ضرورت کے وقت لشکر کے کام آئیں - یہ لشکر ۹۲ ھجری میں روانہ ہوا۔ والعلم عنداللہ ۔

حکومت سندھ کے ' سابقہ حکمرانوں سے، چچ بن سیلائج برھمن کی طرف منتقل ہونے کا ذکر

راویان اخبار اور ناقدانِ سخن گذار اسطرح بیان کرتے ھیں کہ دریائے مہران کے کنارے "الور" ایک نہایت عظیم شہر تھا۔ جس میں عالی شان عمارتیں، خوبصورت اور مضبوط محلات، پھلوں سے لدے ہوئے درخت، درختوں سے بھرپور باغات

اور شہریت و تمدن کا ہر وہ اسباب کہ جسکی مسافر اور مقیم کو آرزو ہو سکتی ہے، موجود تھا ۔ ان اطراف کے ملکوں اور شہروں کا مالک و مختار اور صاحب اقتدار، سیہرس رائے بن ساھسی ایک نیک نہاد اور انصاف پسند بادشاہ‌تھا رعایا کی گردنیں اسکی انواع و اقسام کی مہربانیوں اور طرح طرح کے احسانوں کے بارسے ہمیشہ خم رہتی تھیں۔ اِس لئے عوام و خواص کے گروہ دل و جان سے اسکی اطاعت و فرمانبرداری کیا کرتے تھے ۔ اسکی مملکت کی حدود مشرق میں قنوج و کشمیر تک ، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب تک یعنی دیبل بندر تک، کہ جو آجکل لاھری (۱) بندر کے نام سے مشھور ہے ، جنوب کی سمت سورت (۲) بندر اور بندر دیو کی حدود تک [۸] اور شمال میں قندھار ، سیستان ، کوہِ سلیمان ، کردان اور کیکانان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی ۔ ان ممالک کو اس نے چار حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ پر ایک حاکم مقرر کیا تھا اور شہر الور کو اپنا مرکز اور پایہ تخت قرار دیا تھا ۔ [اِس طرح] ایک طویل مدت اس نے نہایت عیش و آرام سے گذاری ۔ اسکی مملکت میں امرا و رعایا میں سے کسی نے بھی اس سے سرکشی نہ کی اور سب اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے ۔ ناگاہ نیمروز کے بادشاہ کا ایک عظیم لشکر ایران سے کرمان کی راہ کیچ و مکران آیا اور اس علاقہ کو تاراج اور بہتوں

---

(۱) اصل متن میں "لاھوري" ہے لیکن نسخہ ف اور م میں "لاھری" ہے .

(۲) اصل متن میں " صورت " ہے .

کو [قتل اور] اسیر کر کے واپس ہو گیا ۔ سیہرس رائے کو جب
یہ خبر ملی تو وہ بے حد غضبناک ہوا اور ایک زبردست فوج
تیار کر کے کیچ و مکران کی سرحد پر جا پہونچا اور نیمروز
کے بادشاہ کو [اپنی آمد کی] اطلاع دی ۔ وہ بھی جنگ
کے لئے مستعد ہو کر عجلت کے ساتھ استقبال کو آیا اور قلیل
عرصہ میں دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل ہو گئے ۔ پھر دونوں
لشکروں کے درمیان جنگ کی [خوفناک] آگ بھڑک اٹھی اور
صبح سے لے کر دو پہر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی ۔
آخر کار نیمروز کا بادشاہ والی سندھ پر غالب ہوا اور اسے مار
بھگایا ۔ بھاگتے وقت سیہرس رائے کے گلے میں ایک ایسا تیر
آلگا اس کا مرغ روح جا کر جہنم میں قرار پذیر ہوا ۔ نیمروز
کے لشکر نے نصف شب تک سیہرس کی فوج [اور چھاؤنی]
کو تاخت و تاراج کیا اور [اسکے بعد] واپس چلا گیا ۔ دوسرے
دن سندھ کے سپاہی جو کہ رات کو منتشر ہو گئے تھے اکٹھے
ہو کر تختگاہِ الور کی طرف روانہ ہوئے ۔ الور پہونچتے ہی
[انھوں نے] متفق ہو کر سیہرس کے بیٹے رائے ساھسی کو تخت
پر بٹھایا اور جشن عظیم منعقد کر کے اس پر زر و جواھر نچھاور کئے ۔
ساھسی رائے نے اپنے باپ کے مقرر کردہ ملکی ضابطوں کو بحال
رکھا ۔ عدل و انصاف ، نیک اطوار ، بخشش ، حلم ، تواضع
و سیاست اور قہر [و دبدبہ] [۹] کو اپنا شعار بنایا اور مذکورہ
اوصاف میں سے ھر ایک کو اس کے موقع پر عمل میں لاتا رہا ۔
[حتیٰ کہ] لوگوں اور شہروں میں امن و امان بحال ہو گیا ۔

پھر، اپنی تخت نشینی کے ایک سال بعد، ایک زبردست فوج ساتھ لے کر، اس نے ملک کے اطراف و کناف کی سیر کی اور جہاں بھی اسے کوئی سر کش اور مفسد نظر آیا [وہاں اس نے] اس کا قلع قمع کیا۔ پھر جب [ہر طرف سے] اطمینان حاصل ہوگیا، تب خطۂ الور میں اقامت پذیر ہو کر اس نے عیش و نشاط کی بساط جمائی اور اپنی اور رعایا کی مسرت اور شادمانی کے ذرایع پیدا کئے ۔ ملکی و مالی معاملات کے لئے اس نے چار ضابطے مقرر کئے تھے :-

ضابطۂ اول برائے لشکریان۔ اس ضابطہ کا مقصد یہ تھا کہ ہر فوجی کے لئے جو تنخواہ مقرر ہے وہ اسے بلا ناغہ و قصور ملتی رہے۔

ضابطۂ دوم برائے رعایا ۔ اس کے تحت رعایا کو یہ ھدایت تھی کہ محصول یا عشر (۱)، میں سے جو ان پر واجب ہو، طلب کئے بغیر، تین قسطوں میں ادا کرتے

---

(۱) یعنی زمین کی پیداوار کا وہ دسواں حصہ جو بطور مالگذاری حکومت وصول کرتی تھی- لیکن چونکہ مالگذاری کی یہ شرح اسلام کی ایجاد کردہ ھے اسلئے سمجھ میں نہیں آتا کہ رائے ساھسی کے زمانہ میں یہ اصطلاح کیونکر رائج ہوگئی- شاید میر معصوم نے اپنی جانب سے یہ لفظ استعمال کیا ہو اور اسے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ صرف مالگذاری کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ۔ واللہ اعلم ۔

رهیں۔ یہ اس کے کمال عدل کی ایک مثال ہے کہ، نقد و جنس کی شکل میں مالیہ وصول کرنے کی بجائے اسنے، رعایا کو حکم دیا کہ اسکے عوض وہ الور، سیوستان، اوچ، ماتھیلہ، سوؤ اور سورائی کے چھہ قلعے مٹی سے تیار کریں۔ [چنانچہ رعایا نے بخوشی تعمیل کی]۔ ان میں سے اکثر قلعے آجتک قایم ہیں۔

ضابطۂ سوم برائے اہل تجارت۔ اسکے تحت ہر تاجر پر لازم تھا کہ اس پر جو محصول مقرر ہے وہ تحصیلدار کے مطالبہ کے بغیر ہی خزانہ کے افسروں کو پہونچتا رہے۔

ضابطۂ چہارم برائے اہل صنعت و حرفت۔ اس ضابطہ کے تحت مزدوروں اور دستکاروں پر فرض تھا کہ اُن کے ہر گروہ پر محکمہ مال کی جانب سے جو خدمت مقرر ہے وہ بجا لاتے رہیں اور اس سے انحراف نہ کریں۔

رائے ساھسی بن سیہرس کا، رام نامی، ایک وزیر تھا۔ جسے مطلق العنان بنا کر اس نے جملہ کلی و جزوی معاملات اسکے حوالہ کردئے تھے۔ وہ جملہ امور میں اتنے غور و فکر

سے کام لیا کرتا کہ کسی کام میں ذرہ برابر بھی غلطی اور
کمی و بیشی کا احتمال نہ رہتا ۔ اسی وجہ سے ساھسی رائے
کو اسقدر اطمینان رھا کرتا تھا کہ بے فکری کے ساتھ رات دن
وہ حرم سرا میں عیش و آرام سے وقت گذارا کرتا تھا۔ اگر اتفاق
سے کبھی کوئے ضروری بات در پیش آتی یا سرحد کے امرا کے
خطوط آجاتے تو رام وزیر ساھسی رائے کے حرم میں جا کر اس سے
ضروری گذارشات کیا کرتا تھا۔

ایک دن رام وزیر [اپنی] محفل میں بیٹھا تھا اور برھمن
اور دانا اسکے گرد جمع تھے کہ چچ نامی ایک خوبصورت اور
فصیح و بلیغ نوجوان حاضر ھوا۔ حاضرین محفل اسکی زبان کی
فصاحت اور گفتگو کی لطافت سے دنگ رہ گئے۔ اس سے پوچھا
کہ " کہاں سے آئے ھو اور کیا نام ھے ؟" اس نے جواب دیا
کہ "میرا نام چچ ھے اور سیلائچ کا بیٹا ھوں"۔ سیلائچ اس
شہر کا ایک مشہور برھمن تھا۔ غرض اس طرح جب اسے رام
وزیر سے صحبت کا اتفاق پیش آیا تو اسنے انعام و اکرام سے
سرفراز کرکے اور امور دیوانی میں دخیل بنا کر اسے اپنا نائب
مقرر کیا۔ وہ سندھی اور ھندی زبانوں اور تحریروں نیز علم
محاسبہ کا ماھر تھا۔ [چنانچہ] تھوڑے ھی دنوں میں پورا دخل
حاصل کرکے وہ ملکی اور مالی معاملات کو بحسن و خوبی
انجام دینے لگا ۔ اسکی قسمت کے ستارہ نے زور لگا کر اسے اس
عروج پر پہونچا دیا کہ وزیر رام کا صرف نام باقی رہ گیا۔
اچانک وزیر رام دام۔ مرض میں گرفتار ھو کر صاحب فراش ھوگیا۔

ایک دن ساھسی رائے محل میں ایک عظیم جشن منعقد کئے ہوئے عیش و نشاط میں [۱۱] مشغول تھا کہ اسی اثناء میں سرحد دیبل سے کچھ خطوط آئے جنکا جواب دینا ضروری تھا۔ حاجبوں نے یہ خطوط رائے ساھسی تک پہونچائے۔ اس محفل سے اٹھ کر باھر آنا اسے تکلیف دہ محسوس ھوا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تخت کے سامنے پردہ ڈال کر چچ کو اندر بلایا جائے۔ [اس پر] رانی سونھن دیوی (۱) نے کہا کہ "وہ برھمن ھے اس سے اس قدر پردہ اور حجاب کی کیا ضرورت ھے؟ اسے [یونھی] اندر آنے دیا جائے"۔ جب چچ تخت کے سامنے حاضر ھوا تو دعا و ثنا کے بعد اسنے سرحد کے آئے ھوئے خطوط پڑھے۔ مضمون عرض کرنے کے بعد جواب دریافت کیا اور پھر ایک ایسا خط تحریر کیا کہ جسے سن کر ساھسی رائے بیحد خوش ھوا اور اسے ایک قیمتی خلعت عطا کر کے حکم دیا کہ آئندہ بھی محل میں آ کر ضروری امور پیش کرتا رھے۔ [ادھر] رانی سونھن دیوی چچ کو دیکھتے ھی اسکے حسن و جمال پر فریفتہ ھوگئی اور اسکے وصل و اتصال کی آرزوئیں کرنے لگی۔ [چنانچہ] ایک کٹنی کو چچ کے پاس بھیج کر اس نے اپنے دل کا راز ظاھر کیا۔ چچ نے انکار کرتے ھوئے کہا کہ میں برھمن ھوں۔ مجھ سے خیانت نہ ھوگی۔ خصوصاً بادشاہ کے حرم میں۔ کیونکہ اس میں جان کا خوف اور گھر بار کی بربادی کا خطرہ ھے"۔ لیکن رانی کے دل پر عشق غالب ھوچکا تھا اور اسکا چین و قرار اور کھانا پینا حرام ھوگیا تھا۔ [چنانچہ] وہ

---

(۱) اس نام کے دونوں نون، نون غنہ پڑھنے چاھئیں۔

بے چینی کے ساتھ، زخمی پرندہ کی طرح تڑپتی رہی۔ آخرکار یہ راز افواہ بن کر عام لوگوں میں پھیل گیا اور بعض خود غرض لوگوں نے یہ حقیقت ساھسی رائے کے گوش گذار کی۔ لیکن اس نے کہا کہ چچ امین اور برھمن ھے اس سے ایسا گناہ ھرگز سرزد نہ ھوگا۔

القصہ ایک مدت اسیطرح گذری۔ آخرکار ساھسی رائے کی صبح حیات شام ممات کے نزدیک ھوئی۔ ساھسی رائے بیمار ھوگیا۔ طبیبوں و حکیموں نے اس کے علاج کی بے حد [۱۲] کوشش کی۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ھوا۔ جب رانی نے ساھسی رائے کی پیشانی کے آئینے میں موت کا چھرہ دیکھا اور اسکی زندگی سے مایوس ھوگئی تو اس نے چچ کو بلاکر اسے ساھسی کی حالت سے آگاہ کیا اور اسکی جانشینی کیلئے حیلہ تراشتے ھوئے حاجبوں سے کہا کہ رائے ساھسی کا فرمان ھے کہ "لوگوں کو اطلاع کردو۔ کل دربار عام منعقد ھوگا۔ عوام و خواص کو سلام کرنے کے لئے حاضر ھونا چاھئے"۔ صبح کو رانی کے حکم کے مطابق ساھسی رائے کا تخت دیوان خانہ عام میں رکھا گیا اور حاجبوں نے باھر آکر پکارا کہ "رائے فرماتا ھے کہ ضعف کی وجہ سے میں باھر آنے کی سکت نھیں رکھتا اسلئے چچ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ھوں"۔ اس کے بعد رائے کی انگشتری (مھر) چچ کے سپرد کرکے اسے تخت پر بٹھایا گیا۔ لوگوں نے جب یہ حال دیکھا تو لاچار سبھوں نے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کی۔ اس کے کچھ دنوں بعد جب ساھسی

رائے سکرات میں مبتلا ہو کر موت کے قریب ہوا تو رانی نے چچ کو بلا کر کہا کہ "اب اپنی مراد حاصل کرنے کا وقت آگیا ھے۔ کوئی تدبیر کی جائے کہ دشمنوں اور بدخواھوں کو درمیان سے دفع کردیا جائے"۔ چچ نے جواب دیا کہ "رانی کی جو بھی تجویز ہوگی اس پر عمل کروں گا"۔ رانی نے کہا کہ "ساھسی رائے کا کوئی بیٹا نہیں ھے اس لئے اس کے عزیز ضرور ملک و مال کی وراثت کا دعویٰ کریں گے۔ [ھمیں] وقوعہ کا تدارک اس کے ھونے سے پہلے ھی کرنا چاھئے"۔ اس کے بعد اسنے فوراً پچاس زنجیریں مہیا کرکے حرم سرا کے حجرہ میں نصب کرادیں اور پھر رائے ساھسی کے عزیزوں میں سے ایک ایک کو کہا کہ "تمھیں ملک کے بارے میں وصیت کرنے کے لئے رائے نے [اندر] طلب کیا ھے"۔ چنانچہ جو بھی اندر جاتا اسکا ھاتھ پکڑ کر اسے حجرہ میں لے جایا جاتا اور وھاں اسے زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔ پھر جب رانی ان کے خدشہ سے فارغ ھوگئی تب اس نے رائے کے ان مفلس عزیزوں کو بلایا، کہ جنھیں کوئی بھی خاطر میں [۱۳] نہ لاتا تھا اور جو عسرت و تنگدستی سے عاجز آکر زندگی پر موت کو ترجیح دیا کرتے تھے، اور ان سے کہا کہ "میں نے تمھارے دشمنوں کو قید و محبوس کردیا ھے۔ ان کا مال اور سر تمھارے حوالہ ھے۔ [اسلئے] تم میں سے ھر ایک ان میں سے ایک [شخص] کو قتل کرکے اسکے مال و اسباب پر متصرف ھو"۔ یہ سنکر مفلسوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کرکے اپنا مطلب

حاصل کیا ۔ دوسرے دن رانی سونھن دیوی نے ساھسی رائے کا جنازہ باھر نکال کر اپنی رسم کے مطابق نذر آتش کیا ۔ اسکے بعد اسکے حکم سے چچ کو تخت پر بٹھا کر اسکے سر پر تاج رکھا گیا ۔

چچ کی تخت نشینی اور رانی کے ساتھ عقد کرنے کا ذکر

امرایان مملکت کی اتفاق رائے سے جب چچ تخت حکومت پر بیٹھا تو خزانوں کے دروازے کھول کر اس نے بخشش عام کا اعلان کیا اور عوام و خواص کو اس سے بہرہ یاب کر کے ھر ایک کو اپنے دام احسان میں گرفتار کیا ۔ [اسکے علاوہ] اس نے سپاھیوں کی تنخواھوں میں اضافے اور رعایا کے محصول میں تخفیف بھی کی۔ جس کی وجہ سے ملک میں رونق اور خوشحالی کی ایک نئی شکل پیدا ھوگئی ۔ اس کے بعد اپنے رواج کے مطابق وہ رانی کو اپنے عقد میں لایا ۔ جب یہ خبر قرب و جوار کے ممالک میں بھی مشھور ھوئی تو جودھپور اور چتور کی جانب سے ساھسی رائے کے اعزہ ملک و میراث حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ھوئے اور زبردست فوج اکٹھی کرکے جنگ کے لئے آمادہ ھوئے ۔ اس لشکر کا قائد رانا مہرتھ چتوری تھا ۔ جب وہ جیسلمیر کے نواح میں آپھونچا تو اس نے چچ کو خط لکھا کہ "تو برھمن ھے نہ کاروبار سلطنت تجھ سے سنبھل سکے گا اور نہ جنگ [۱۴] کی مہم تجھ سے سر ھو سکے گی۔ اس لئے

بہتر ہے کہ تو کنارا اختیار کر اور خود کو معرض ہلاکت میں نہ ڈال۔" چچ یہ خط رانی کے پاس لے گیا اور اس کا مضمون بیان کرنے کے بعد بولا کہ "طاقتور دشمن آپہونچا ہے۔ تیری کیا رائے ہے؟"۔ رانی نے جواب دیا کہ "جنگ کی تجویزوں کو مرد ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر تو خوف کھاتا ہے تو میرے کپڑے تو پہن اور اپنے کپڑے مجھے دے تا کہ میں جا کر دشمن کا مقابلہ کروں"۔ [اسپر] شرمندہ ہو کر چچ نے سر جھکایا۔ رانی نے کہا "بیشمار خزانے اور [لا تعداد] دفینے تیرے ہاتھ لگے ہیں۔ لوگوں کو کثرت سے مال و زر عطا کر تا کہ تیرے پرستار ہو کر وہ تیرے چتر کے سایہ میں جمع ہوجائیں"۔ چنانچہ دوسری مرتبہ خزانوں کے دروازے کھول کر چچ نے کثیر مال فوج میں تقسیم کیا اور جنگ کی تیاری کرکے میدان حرب و ضرب آراستہ کیا۔ اس اثناء میں رانا مہرتھ بھی الور کے قریب آپہونچا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مد مقابل ہوئے تو مہرتھ نے پکار کر کہا کہ "اے چچ! یہ فوجیں تباہی اور بربادی کے غار میں کیوں گریں؟ تنازعہ تو میرے اور تیرے درمیان ہے۔ ہم دونوں ہی کو میدان رزم میں آکر باہم جنگ کرنی چاہئے۔ اگر میں قتل ہوا تو تیرا مقصد خود بخود حاصل ہو جائے گا، اور میرا لشکر اور میرے ملازم تیرے ہوجائیں گے اور اگر میں فتحیاب ہوا تو پھر تیرا ملک و مال میرے قبضہ میں آجائیگا۔" چچ نے یہ شرط قبول کی اور بہادری کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس طرف

رانا مہرتھ بھی اپنی صف سے نکل کر پیادہ ہولیا۔ چچ
[یہ دیکھکر] خود بھی گھوڑے سے اترا اور اپنے ہمرکاب کو
حکم دیا کہ گھوڑے کو آہستہ آہستہ پیچھے لئے آئے۔ جب وہ
ایک دوسرے کے نزدیک ہوئے اور تیغ و سنان سے ایک دوسرے
پر حملہ کرنا چاہا تو چچ کے ہمرکاب نے اچانک اس کا گھوڑا
اس کے سامنے پہونچا دیا۔ چنانچہ پھرتی کے ساتھ گھوڑے پر
سوار ہوکر اس نے رانا مہرتھ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ
ایک ہی وار میں اسکا کام تمام ہوگیا۔ جب رانا مہرتھ
کے سپاہیوں نے یہ حال دیکھا تو انھوں نے [۱۵] فی الفور
راہِ فرار اختیار کی۔ چچ نے انکا تعاقب کر کے بہتوں
کو قتل کر ڈالا۔ کچھہ تھوڑے بھاگ نکلنے میں
کامیاب ہوگئے۔ وہ دن میدانِ جنگ میں گذار کر دوسرے
دن [چچ] الـور واپس آیا۔ باشندگان شہر نے بازاروں کو
آراستہ کیا اور شان و شوکت کے ساتھہ الـور میں آکر چچ ملک
و مال کا مالک ہوا۔ اسی سال لشکر عظیم کے ساتھہ اس
نے ملک کی حدود کی سیر کی اور سرحدوں کے بارے میں
اطمینان حاصل کر کے اپنے پایہ تخت میں آکر آرام پذیر ہوا۔
رانی سونھن دیوی کے بطن سے اسے دو بیٹے داھر اور دھرسین
اور ایک بیٹی بائی نامی پیدا ہوئی۔ کچھہ سالوں کے بعد
اپنی زندگی کا سفر طے کر کے چچ نے بھی اپنی جان روحوں
کے مالک کے حوالہ کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا داھر اس

کا جانشین ہوا ۔ (۱)

داھر بن چچ کے اپنے باپ کے تخت پر بیٹھنے کا ذکر

جمہور کے اتفاق کے ساتھ داھر بن چچ ، اپنے باپ کے ، موروثی تخت پر بیٹھا اور عدل انصاف کو اپنا شعار بناتے ہوئے سپاہ کو زر اور رعایا کو رعایت اور احسان سے شاد کام کیا ۔ ملک کے سارے لوگوں نے سر اطاعت خم کرکے اسکی فرمانبرداری اختیار کی ۔ بادشاھی کے ایک سال کے بعد داھر ولایت شرقی کی طرف روانہ ھوا اور اس سرحد پر قابل اعتماد افراد کو متعین کیا ۔ اس طرف سے اطمینان حاصل کرکے چتور کی طرف متوجہ ھوا ۔ وھاں مغربی اطراف کی مہمات سے فارغ ھوکر برھمن آباد آیا اور وھاں کچھ عرصہ قیام کرکے وھاں کی حکومت اپنی بھائی دھرسین کے حوالہ کرکے کیچ اور مکران جا پھونچا ۔ پھر وھاں چھ ماہ گذار کر [۱۲] اور کرمان کے حاکم سے محبت کی بنیادیں مستحکم کرکے اپنے پایہ تخت کی طرف واپس ھوا ۔ جب الور کے قریب پھونچا تو شہر کے جملہ وضیع و شریف رائے داھر کے استقبال و تہنیت کیلئے باھر آکر اس کی خدمت میں حاضر ھوئے اور انعام و احسان سے

(۱) "چچ نامہ" کے مطابق چچ کے بعد اسکا بھائی "چندر" اسکے تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد داھر تخت نشین ھوا ۔ اسکے علاوہ داھر کی بجائے دھرسین کو چچ کا بڑا بیٹا بیان کیا گیا ھے ۔

فیضیاب ہوئے ۔ برھمنوں اور نجومیوں نے حاضر ہوکر شہر میں داخل ہونے کی ساعت دیکھی اور عرض کیا کہ ”ہم نے تیری اور تیرے بھائی بہن کی قسمت کا حال معلوم کیا ہے ۔ بالفعل تیرے اور تیرے بھائی کے طالع میں ہم کوئی نحوست نہیں دیکھتے ۔ لیکن تیری بہن رانی بائی کے قسمت کے ستارہ کا تقاضہ ہے کہ وہ ایسے شخص کے نکاح میں آئے گی کہ جو اس تخت اور مملکت کا بادشاہ ہوگا اور رانی بائی اس شہر سے باہر نہ جائیگی“۔ رائے داہر اس خبر سے متفکر اور غمناک ہوگیا ۔ آخرکار شہر میں آکر اس نے دو تین دن مسلسل دربار عام منعقد کیا اور پایۂ تخت کے معاملات کی طرف متوجہ ہوکر ان سے فارغ ہوا ۔ لیکن نجومیوں کے سخن کا خدشہ اسکے دل مین خلش پیدا کرتا رہا اور اس اندیشہ سے اسے ایک گھڑی بھی سکون نہ محسوس ہوا ۔ چنانچہ دوسری مرتبہ نجومیوں کو بلا کر اس نے سعد و نحس ستاروں کی چال اور اپنے بھائی اور بہن کے طالع کا حال دریافت کیا ۔ نجومیون نے اسے تفصیل کے ساتھہ حقیقتِ حال سے آگاہ کیا ۔ اس پر داہر نے اپنے باپ کے وزیروں اور اپنے معتبر آدمیوں کو نجومیوں کے سامنے طلب کر کے اُن سے مشورہ شروع کیا اور کہا کہ ”ملک اور حکومت چھوڑنا مشکل ہے ۔ اس لئے میری رائے کا تقاضہ ہے کہ مین اپنی بہن کو نکاح میں لاؤں تاکہ میری حکومت دائم و قائم رہے اور ملک میں کوئی فتور و قصور پیدا نہ ہو“۔ یہ بات سنتے ہی اسکی خویشوں نے استغفار کیا اور فریاد کر کے

کہنے لگے کہ " کہیں واقعی ایسی خواہش نہ کرنا کہ اس فعل سے ہم پر کلنک لگ جائیگا۔ ساری خلق ہم پر لعن طعن کرے گی۔ لوگ ہمیں اپنے دین اور برادری سے خارج کردینگے اور اسی وجہ سے ملک کے اطراف و کناف میں ایسے فتنے ظاہر ہونگے کہ ہم انہیں دفع کرنے سے عاجز ہوجائیں گے۔ [لیکن] اس جملہ گفت و شنید کا داہر پر کوئی مفید [۱۲] اثر نہ ہوا اور آخر کار چند دنوں بعد اعیان مملکت کو بلا کر اس نے اپنی بہن رانی بائی کو اپنی نکاح میں لانے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر ایک رات خلوت میں برہمنوں کو جمع کرکے، اپنے طریقہ کے مطابق ، اپنی چادر کا پلّو اپنی بہن کی چادر کے پلّو سے باندھکر اور آگ کے گرد پھیرے دے کر وہ تخت پر جا بیٹھا۔ ساری رات اس نے [بہن کے] ساتھ گذاری۔ لیکن ہمبستری سے احتراز کیا اور صبح ہونے پر رانی بائی کو اسکی جائے رہائش پر پہونچا دیا۔

القصہ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو لوگ طعن و تشنیع کرنے لگے اور پھر جب یہ خبر اسکے بھائی تک جا پہونچی کہ جو برہمن آباد میں رہتا تھا ، تو لعنت و ملامت سے بھرپور اس نے ایک خط بھائی کے پاس لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ھے کہ تونے ایسا قبیح کام کرکے خاندان کے ناموس کو کلنک کا ٹیکہ لگایا ھے"۔ داہر نے جواب لکھا کہ "یہ سب کچھ نجومیوں کی پیشن گوئی کے وجہ سے عمل میں آیا ھے۔ ورنہ میں ایسے فعل شنیع کا ہرگز مرتکب نہ ہوتا"۔ اس پر اسکے بھائی

نے دوبارہ لکھا کہ "اس حرکت سے باز آ اور اگر تو تقدیر کو تدبیر کے ذریعہ روکنا چاہتا ہے تو یہ ناممکن بات ہے"۔

القصہ خط و کتابت سے یہ گفتگو مخاصمت تک پہونچی اور انکے مابین منازعت کی آگ بھڑک اٹھی۔ بھائی سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کرکے دھرسین ایک آراستہ لشکر کےساتھ برھمنا باد سے الور کی طرف روانہ ہوا۔ رائے داہر کو جب یہ خبر ملی تو اسکی حمیت اور شجاعت بھی جوش میں آئی اور وہ بھی ایک زبردست فوج اکٹھی کرکے اور میدان حرب و جنگ آراستہ کرکے بھائی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جب انتظار نے طول کھینچا تو ملال رفع کرنیکی خاطر شکار کھیلنے کیلئے جنگل میں جا نکلا۔ چند دنوں بعد دھرسین الور کے نواح میں آ پہونچا اور[۱۸] چاہا کہ فی الفور قلعہ میں داخل ہوجائے۔ لیکن اہل شہر قلعہ کے دروازے بند کرکے جنگ کے لئے مستعد ہوگئے۔ پھر شہر کے لوگوں نے درمیان میں پڑ کر دھرسین کو لیجا کر شہر کے مغرب کی طرف ٹھیرایا اور داہر کے پاس ایک تیز رو قاصد بھیج کر اسے [صورت حال سے] باخبر کیا۔ وہ شکار چھوڑ کر عجلت کے ساتھ قلعہ میں واپس آیا اور دوسرے دن صبح کو ضیافت اور اقامت کا کل سامان مہیا کرکے معتمد آدمیوں کے ہاتھوں بھائی کے پاس بھیجا لیکن دھرسین نے مہمانی قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آخرکار شام کے وقت اس کی ماں شہر کے سربر آوردہ اشخاص کو ساتھ لے کر دھرسین کے پاس گئی اور نصیحتوں اور ہدایتوں سے اسے تسلی دے کر سمجھانے

لگی کہ "داھر نے یہ کام نفسانی خواھش پوری کرنے کی غرض سے نہیں کیا ھے بلکہ نجومیوں نے رانی بائی کے ستارہ میں جو نحوستیں معلوم کی تھیں اسکے وھم کو دفع کرنے کے لئے ایسا کیا ھے۔ عام لوگوں کے نزدیک بھی یہ عذر مقبول ھے اس لئے تو بھی اپنے بھائی کی مخالفت سے باز آ اور سابقہ دستور کے مطابق اطاعت اور موافقت کرتا رہ"۔ دھرسین نے ماں اور اپنے اقربا کی التماس قبول کی اور دوسرے دن ھاتھی پر سوار ھوکر قلعہ کے نیچے داھر کے محل کے سامنے کھڑے ھوکر بھائی کی تعظیم کے آداب بجا لایا۔ رائے داھر نے اس سے اندر آنے کی استدعا کی۔ لیکن دھرسین نے کہا کہ "میں نے تیرے گھر نہ آنے اور نہ بیٹھنے کی قسم کھائی ھے۔ البتہ اگر تو باھر آکر میرے خیمے میں تشریف فرما ھو تو یہ تیرے الطاف سے بعید نہ ھوگا"۔ رائے داھر نے بھائی سے ملاقات کرنے کے لئے اسی گھڑی باھر آنا چاھا۔ لیکن چونکہ ناوقت ھوچکا تھا اسلئے دوسرے دن ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت کثیر انبوہ کے ساتھہ داھر [اپنے] بھائی سے ملنے کیلئے نکلا (۱)۔ جب دھرسین نے یہ خبر سنی تو بھائی کے

(۱) فتحنامہ (چچنامہ) میں واقعہ اسکے برعکس ھے یعنی دھرسین قلعہ کے اندر ھاتھی پر چڑھکر داھر کے پاس گیا اور اسے ساتھہ لے کر باھر آرھا تھا کہ خائف ھوکر اپنے وزیر سیاکر کے مشورہ پر داھر قلعہ کے دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر اندر رھگیا اور دھرسین باھر چلا گیا۔ جب دھرسین نے اپنے عقب میں داھر کو نہ پایا تو اسے شدید صدمہ پھونچا۔ اسی صدمہ سے اسے گرمی دانے نکل آنے اور اپنے لشکر گاہ پھونچنے کے کچھہ دیر بعد وہ فوت ھوگیا۔

استقبال کیلئے روانہ ہوا اور اندازاً ایک گز کے فاصلے پر گھوڑے سے اتر کر بھائی کی قدمبوسی کی۔ داہر بھی برادرانہ نوازش اور مہربانی کام میں لایا اور گھوڑے سے اتر کر بھائی سے [۱۹] بغلگیر ہوا اور اسکے سر اور چہرہ کے بوسے لئے۔ اسکے بعد اسکے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خیمہ میں داخل ہوا۔ پھر کافی دیر تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے جملہ حالات کی خصوصیات پر گفتگو کرتے رہے۔ شام کے وقت داہر رائے اپنے محل کو واپس ہوا۔ بھائی کے چلے جانے کے بعد دھرسین کے جسم پر تپ کا اثر ظاہر ہوا۔ جسکی حدت اور شدت کی وجہ سے اسکے سارے جسم پر چھالے نکل آئے اور آخرکار چوتھے دن وہ دوسرے جہان کو سدھار گیا۔

جب داہر رائے کو دھرسین کی موت کی خبر ملی تو [پہلے تو] وہ بے حد غمگین ہو کر بھائی کی چھاؤنی کی طرف بھاگا۔ مگر پھر [احتیاطاً] کچھ خاص اور محرم راز افراد کو اس خبر کی تصدیق کے لئے روانہ کیا۔ جب وہ دھرسین کے خیمہ کے قریب پہونچے تو انھوں نے راہبوں (بیراگیوں) کو سر برہنہ دیکھا۔ وہ لوگ داہر کے آدمیوں کو اندر لے گئے اور دھرسین کے منہ سے چادر ہٹائی۔ جس سے انہیں دھرسین کے فوت ہوجانے کا یقین ہو گیا اور وہ روتے پیٹتے داہر کے پاس واپس آئے۔ چنانچہ وہ سروپا برہنہ بھائی کے خیمہ میں آیا اور اسکے جنازہ کر لیجا کر اس غار میں اسے چتادی کہ جو اس کے لئے مقرر تھا اور عزاداری کی رسومات بجا لایا۔ اسکے بعد تعزیت [کے فرائض] سے فارغ ہو کر

[داهر] برھمن آباد کے قلعہ میں گیا کہ جہاں دھرسین رھتا تھا اور وھاں اپنے معتمدوں کو متعین کر کے اور اسکے آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر پایہ تخت الور کو واپس ھوا۔ اسکے بعد چند سال تک عنان حکومت و اقتدار مضبوطی کے ساتھ اسکے دست اختیار میں رھی۔

محمد بن قاسم کے ھاتھوں سندھ کے فتح ھونے اور داھر کے قتل ھونے کا ذکر

تاریخ فتح سندھ میں قاضی اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی نے اس طرح روایت کی ھے۔ کہ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے دارالسلام بغداد سے محمد بن ھارون اور ایک جماعت کو کیچ و مکران کی طرف بھیجا۔ [۲۰] انھوں نے مکران کے نواح اور بحر قلزم کے ساحل کو فتح کیا اور اسکے بعد تسخیر سندھ کی طرف متوجہ ھو کر اھل سندھ کے حالات کے بارے میں تجسس و تحقیق کرتے رھے۔ جو گروہ کہ سامان اور کنیزیں خریدنے کے لئے دارالخلافت سے سندھ آیا تھا، اور جسکا کچھ ذکر اس سے پہلے ھوچکا ھے، وہ انکا ھمراہ اور رھبر ھوا۔ القصہ سنہ ۹۲ ھجری میں محمد بن قاسم، جو کہ حجاج بن یوسف کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا، لشکر اسلام کے ساتھ انتقام لینے کی غرض سے عازم سندھ ھوا، اور کچھ عرصہ کرمان میں ٹھیر کر لشکر کے لئے ساز و سامان، اسلحہ جات

حرب اور آلات قلعہ شکن مہیا اور فراہم کر کے کیچ و مکران پہونچا اور پھر تسخیر سندھ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب داھر کو اسلامی لشکر کے بارے میں اطلاع ملی تو اس نے ارادہ کیا کہ پیشقدمی کر کے مکران کی سرحد کے قریب اس کا مقابلہ کرے۔ لیکن اعیانِ مملکت نے اس سے کہا کہ یہ عربوں کا لشکر ھے اور غصہ و کینہ اور دینی تعصب کیوجہ سے آیا ھے۔ اسلئے [فی الحال] صبر و تحمل سے کام لینا چاھئے۔ اگر یہ لشکر صرف لوٹ مار کر کے ھمارے سروں سے دفع ھوجائے تو بہتر ھے، ورنہ بصورت دیگر کوئی دوسری تدبیر کی جائے اور خزانوں کا مبلغ مال اس لشکر پر نچھاور کر کے اپنے ملک کو اس فتنہ سے بچالیا جائے"۔ داھر کو یہ بات پسند آئی اور اس نے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ آخر کار لشکرِ اسلام یلغار کرتا ھوا نیرون کوٹ کے قلعہ تک آ پہونچا اور آتے ھی جدال و قتال کی آگ بھڑکائی اور اس قلعہ کو محاصرہ میں لے کر جنگ و جدال کے بعد اسے فتح کرلیا۔ کافروں کی بھاری تعداد قتل ھوئی اور جو بچے وہ ملک کے پایہ تخت الور بھاگ گئے۔ فتحمند ھوکر لشکر اسلام نے ٹھٹھہ کی تسخیر کیلئے باگیں پھیریں اور قلیل مدت میں اسے بھی فتح کرلیا اور مسلمان قیدیوں کو رھائی دلا کر حجاز روانہ کیا۔ وھاں سے پایہ تخت الور کا عزم کر کے [۲۱] وہ سیوستان کے نواح میں پہونچے۔ اس سرزمین پر اتنی سخت جنگ ھوئی کہ قلم اور زبان اسکے بیان سے قاصر ھیں۔ قصہ مختصر دو جنگوں میں کافر غالب ھوئے اور تیسری جنگ کی

فتح کا سہرا لشکرِ اسلام کے سر بندھا اور کافر شکست کھا کر بھاگ گئے۔ محمد بن قاسم نے سیوستان کا قلعہ فتح کرکے اسکے نواح کے انتظام کا بندوبست کیا اور جو برھمن وزیر مسلمانوں کی امان میں آیا تھا اسے اپنے آدمیوں کے همراه ٹھٹھ، اور نیرون کوٹ کی طرف روانہ کرکے وهاں کا کاروبار اسی کی عقل اور سمجھ پر چھوڑا۔ چند قبائل کے لوگ لشکرِ اسلام کی خبر سُنکر شایانِ شان تحفوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ھوئے اور اطاعت و مال گذاری قبول کرکے واپس ھوے۔ یہی وجہ ھے کہ فقیہانِ اسلام اس سر زمین کو جو کہ چند قوم کے تصرف میں تھی عشری کہتے ھیں۔

نقل ھے کہ جب محمد بن قاسم سیوستان کے نواح میں آکر آترا تھا۔ تب چنوں نے اپنا ایک آدمی جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ وہ نماز کی اذان کے وقت اسلامی لشکر میں آکر اسکا جائزہ لے رہا تھا۔ اسوقت نماز کیلئے صفیں باندھی جا چکی تھیں۔ محمد بن قاسم جماعت کی امامت کر رہا تھا اور جماعت جملہ ارکان میں امام کی اطاعت اور پیروی کر رھی تھی۔ یہ منظر دیکھکر جاسوس واپس ھوا اور جا کر چنوں سے بیان کیا اور ان سے کہا کہ "خدا کی قسم میں نے اس قوم کو ایسا متفق دیکھا ھے کہ وہ جس کام کے طرف بھی رخ کرینگے وہ ضرور انجام پائیگا"۔ نماز میں [مسلمان] قوم جس طرح اپنے امام کی اطاعت کر رھی تھی اسے سنتے ھی چنوں کے دلوں پر [ان کا] رعب غالب ھوگیا اور سبھوں نے آکر مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی۔

اقوام سندھ میں سب سے پہلے [۲۲] جس قوم نے بخوشی اسلام قبول کیا وہ چنہ قوم ہی تھی - کہتے ہیں کہ جب چنہ افراد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے اسوقت امیر کی محفل میں دستر خوان بچھایا جا رہا تھا - امیر نے فرمایا کہ یہ جماعت مرزوق (بالنصیب) ہے - چنوں کو مرزوق اسی وجہ سے کہتے ہیں ۔

جب محمد بن قاسم سیوستان کے مضافات سے سطمئن ہوا - تو کچھہ لوگوں نے کہا کہ پہلے برھمن آباد پہونچنا چاھئے اور وہ قلعہ فتح کرنے کے بعد پھر الور کے طرف متوجہ ہونا چاھئے - لیکن محمد بن قاسم نے کہا کہ " پہلے ملک کے پایہ تخت الور کی طرف توجہ دے کر داھر کو دفع کرنا چاھئے اور اسکے بعد دوسرے ممالک کا رخ کرنا چاھئے " - چنانچہ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور موضع ٹلٹی کے سامنے دریا پار کرکے تخت گاہ کی طرف روانہ ہوئے - یہ خبر سنکر داھر نے باھر نکلنے کا ارادہ کیا - لیکن نجومیوں اور کاھنوں نے جمع ہوکر اسے آگاہ کیا کہ، تیرے ستاروں کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا ستارہ نہایت ضعیف اور اسلام کا ستارہ اوج پر ہے - اس وجہ سے اسوقت باھر نکلنا تیرے لئے مناسب نہیں ہے - چنانچہ لاچار اس نے کثیر فوج تیار کرکے لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کےلئے روانہ کی - جسنے کہ جا کر گچیری جھیل کے کنارے پڑاؤ ڈالا - دوسرے دن محمد بن قاسم نے، موضع رفیان میں، عبداللہ بن علی ثقفی کو کافروں سے جنگ کرنے کے

لئے متعین کیا۔ وہ کافروں کے لشکر کی طرف متوجہ ہوا اور گچیری جھیل کے قریب جا پہونچا۔ جھیل کے کنارے فریقین کا مقابلہ ہوا، لڑائی کی آگ بھڑکی اور ہولناک جنگ برپا ہوئی۔ آخرکار کافر بھاگ کھڑے ہوئے اور انمیں بہتیرے جھیل میں ڈوب کر مر گئے۔ بعض تاریخ نویسوں کا کہنا ھے کہ، معرکۂ کارزار سے کافروں کے فرار ہونے کا سبب یہ تھا کہ، [۲۳] دوران جنگ، اُن کے سردار کا گھوڑا بھڑک کر اسکے قابو سے باھر ہوگیا تھا اور اسے زمین پر گرا کر صفوں کے درمیان چکر لگانے لگا تھا۔ اس کے لشکر نے گھوڑے کو خالی دیکھ کر یہ سمجھا کہ وہ قتل ہوگیا ھے۔ اسی وجہ سے لاچار جنگ سے کنارا کر کے انھوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

القصہ۔ عبداللہ، فتح اور کامیابی حاصل کر کے، محمد بن قاسم سے جا ملا اور محمد بن قاسم منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا الور کے نواح میں جا پہونچا۔ داھر شہر الور میں قلعہ بند ہوگیا اور محمد بن قاسم اسکا محاصرہ کر کے منجنیق اور آتشبازی کو، جو کہ اھل روم اور فارس سے مشاھدہ میں آئی تھی، کام میں لایا۔ طرفین کے درمیان ھر روز زبردست جنگ ہوا کرتی۔ دس دن کے عرصہ میں سات لڑائیاں ہوئیں اور ساری لڑائیوں میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی ۔ کافر شکست کھاتے اور فرار ہوتے رھے۔ آخر سنہ ۹۳ ھجری کے ماہ رمضان کی دسویں تاریخ اور جمعرات کے دن داھر رائے غصہ اور جوش میں آکر ھاتھیوں کو آراستہ کر کے اور لاؤ لشکر ساتھ لے کر مسلمانوں

سے جنگ کرنے کے لئے [خود] باھر نکلا۔ کہتے ھیں کہ دس ھزار زرہ پوش سوار اسکے ساتھ تھے اور تیس ھزار پیادے اسکے سامنے صفیں آراستہ کئے میدانِ جنگ میں کھڑے تھے۔ داھر ھاتھی کی عماری میں بیٹھ کر اور اسپر مرصع چتر لگا کر، دائیں بائیں لشکر جرار کی جلو میں، مردانہ وار میدان میں آیا۔ اس دن عماری میں دو پریزاد اور حور پیکر کنیزیں بھی اسکے ساتھ تھیں۔ ان میں سے ایک اسے جام شراب بھر کر دیتی اور دوسری پان۔ طرفین کے درمیان صبح سے لے کر شام تک جنگ کی آگ بھڑکتی رھی۔ لشکر اسلام نے، انتقام کے جوش میں خونخوار تلواریں نکال کر، تحمل اور شجاعت پر ثابت قدم رھتے ھوئے، کافروں کے کثیر لشکر کو قتل کر ڈالا۔ محمد بن قاسم بھی ایک دستہ ساتھ لے کر میدان جنگ میں کود پڑا اور ھاتھیوں کے سامنے جمے ھوئے [دشمن کے] لشکر کو [۲۴] ھٹادیا۔ اسی اثناء میں لشکر کے برق اندازوں نے [داھر کے] ھاتھی کی عماری پر آتشبازی برسانی شروع کردی۔ آگ کے بھڑکنے پر ھاتھی نے [گھبراھٹ میں] لشکر کفار کی صفیں درھم برھم کرڈالیں اور ان ذلیلوں نے خود کو پانی میں جا گرایا۔ پانی کے کنارے کیچڑ ھونے کی وجہ سے داھر کا ھاتھی [وھیں] بیٹھ گیا۔ اس موقع پر لشکر اسلام نے اس پر تیروں کی بوچھار کردی۔ انمیں سے ایک تیر آکر داھر کے گلے میں پیوست ھوگیا اور اسکا مرغِ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا (۱)۔

---

(۱) چچ نامہ میں بیان کیا گیا ھے کہ یہاں داھر نے ھاتھی سے اتر کر پیادہ جنگ کی تھی اور اسی جنگ میں ایک شخص کے ھاتھوں تلوار سے مارا گیا.

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب آفتاب نہاں خانۂ مغرب میں
روپوش ہو چکا تھا ۔ چنانچہ جو برھمن کہ عماری کے پھیچے
ھاتھی پر سوار تھے انھوں نے داھر کی لاش کو عماری سے
نکال کر کیچڑ کے نیچے چھپا دیا اور خود شہر کی طرف
دوڑے ۔ لیکن مسلمانوں کی فوج نے [ھر طرف سے شہر کی]
راھیں اتنی سختی سے مسدود کردی تھین کہ اگر پرندہ بھی
اندر جانا چاھتا تو نہ جا سکتا تھا ۔ اس وجہ سے وہ برھمن
قیس کے ھتھے چڑھ گئے ۔ قیس نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ
کیا ۔ لیکن برھمنوں نے امان طلب کی اور داھر کے قتل ھوجانے
کی خوشخبری سنائی۔ چنانچہ قیس نے انھیں امان دیدی ۔ اسی
اثناء میں بعض سپاھیوں نے ان کنیزوں کو ، جو کہ عماری مین
داھر کے ساتھ تھیں، گرفتار کرکے ، محمد بن قاسم کے سامنے
حاضر کیا ۔ محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ لشکر میں منادی
کی جائے کہ داھر ملعون غائب ھوگیا ھے ۔ اس روپوش کی
موت کا ابتک یقین نہیں ھوسکا ھے ۔ چنانچہ مبادا تم لوٹ مار
میں مشغول ھو اور وہ کمین گاہ سے نکل کر مکر اور دست درازی
کرے ۔ یہ منادی سن کر قیس نے برھمنوں کو لا کر محمد بن
قاسم کے روبرو حاضر کیا ۔ اس نے یہ خبر سنتے ھی تکبیر بلند
کی اور پھر غازیانِ اسلام کی تکبیر و تہلیل کا غلغلہ فلک
و ملک تک جا پھونچا ۔ محمد بن قاسم ، چند بہادران جنگجو
کو ساتھ لیکر، برھمنوں سمیت، دریا کے کنارے جا پھونچا اور
داھر کی لاش کو کیچڑ میں سے نکالنے کا حکم دیا۔ پھر اسکا

سر قلم کرکے نیزے پر بلند کیا اور اسے پہلے کنیزوں کو [۲۵] دکھایا ـ جنھوں نے داھر کے سر کو پہچان کر تصدیق کی ـ اسکے بعد محمد بن قاسم نے [شکرانہ ادا کرنے کا] حکم دیا ـ چنانچہ اسلامی لشکر [سواریوں سے] اتر کر اور قلعہ کے چاروں طرف حلقے بنا کر، ذکر، صلوات اور تسبیح میں مشغول ھو گیا ـ یہ جمعہ کی رات تھی ـ صبح تک وہ یاد خدا میں مشغول رھے ۔

جب دن نکلا تب داھر کا سر، کنیزوں سمیت، قلعہ کے دروازہ کے سامنے بھیج کر [محمد بن قاسم نے]، اھل قلعہ کو داھر کے قتل ھوجانے سے آگاہ کیا ـ لیکن اھل قلعہ نے تسلیم نہ کیا ـ یہ خبر داھر کی بیوی لاڈی کے علم میں آئی تو وہ بے اختیار دروازہ کے قریب پہونچی اور کنیزوں سے داھر کا حال دریافت کیا ـ کنیزوں نے روتے ھوئے اسے داھر کا سر دکھایا ـ جسے دیکھتے ھی اس نے خود کو قلعہ سے نیچے گرایا (۱) اور قلعہ میں کہرام مچ گیا ـ کافروں نے لاچار ھوکر قلع کا دروازہ کھولا اور گیارہ رمضان سنہ ۹۳ ھجری کو جمعہ کے دن اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ھوا ـ [محمد بن قاسم نے] خزانوں، دفینوں اور نوکروں کا شمار کرکے انھیں قیس کی تحویل میں دیا اور

---

(۱) چچ نامہ میں لاڈی کے بارے میں مختلف حکایات ھیں ـ کہیں بیان کیا گیا ھے کہ وہ میدان جنگ میں گرفتار ھوئی تھی اور کہیں کہا گیا ھے کہ وہ برھمنا باد کے قلعہ سے گرفتار ھوئی تھی ۔

بت خانہ کے صحن میں منبر رکھہ کر خطبہ اور نماز جمعہ ادا کی۔
اسکے بعد ماہِ شوال کی ابتدا میں، محمد بن قاسم نے، خزانوں،
قیدیوں اور مال و اسباب کو درج کرکے، دو سو سواروں کی
حفاظت میں، قیس کے ھاتھوں، کیچ ومکران کی راہ سے، دارالسلام
بغداد روانہ کیا۔ حقیقت حالِ حال سے با خبر ھوکر حجاج نے
بڑی خوشی منائی اور ساری چیزیں خلیفہ کے پاس شام بھیج دیں۔
خلیفہ کی خدمت میں حاضر ھوکر جب قیس نے داھر کا تاج اور علم
پیش کیا اور فتح، جنگ اور دوسرے واقعات کا مفصل بیان
عرض کیا تو خلیفہ نے خوش ھوکر محمد بن قاسم کو قیمتی
خلعت اور انعامات سے نوازا اور ایک فرمان جاری کیا کہ "سندھ
کی فتح پر اکتفا کرکے مشرقی ممالک کی طرف متوجہ نہ ھونا
اسلامی لشکر [کے حوصلہ] سے بعید نظر آتا ھے۔ بالفعل داھر
کی پوری مملکت پر قبضہ کرنا چاھئے"۔ یہ فرمان پھونچنے پر
محمد بن قاسم نے، برھمن آباد کو فتح کرکے، [٢٢] ولایت "سندھ
پر محصول و خراج مقرر کیا اور سابقہ دستور کے مطابق محصول
کی وصولی اور معاملات کے تصفیہ کیلئے برھمنوں کو مامور
کیا۔ تھری (١) کے مضافات میں رھنے والے سمہ قبائل کے
لوگ جمع ھوکر، ڈھول اور شہنائیاں بجاتے ھوئے، محمد بن قاسم
کی خدمت میں آئے۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ
ھیں؟ برھمنوں نے بتلایا کہ یہ نیچ ذات کے لوگ ھیں اور

---

(١) فتحنامہ (چچنامہ) میں "ساونڈڑی" ھے، جو کہ نواب شاہ میں ایک
قدیمی قصبہ ھے اور آجکل "ساوڑی" کے نام سے مشہور ھے۔

اسی طرح حکمرانوں کی خدمت مین آیا کرتے ھیں - [محمد بن قاسم نے] انھین قطعات اراضی دے کر رخصت کیا - علی بن محمد بن عبدالرحمان سلیطی کے مشورہ پر لوھانہ ، سہتہ ، چنڈ (۱) ، ماچھی، ھالیر اور کوریجا قبائل کے لوگ بھی اسی طرح آئے - یہ سب سروپا برھنہ ھوکر امان لینے آئے تھے - [محمد بن قاسم نے] انھیں امان دے کر حکم دیا کہ جب بھی مسلمان یہاں سے دارالخلافت کو جائیں یا دارالخلافت سے الور کی طرف آئیں تو انکی رفاقت کرنا اور راستہ بتانا ان لوگوں کے ذمہ ھوگا۔

سنہ ۹۴ ھجری کے اوائل مین داھر کے بیٹے، بہادروں کی ایک جمعیت کے ساتھ ، آکر اسکندرہ کے قلعہ میں قلعہ بند ھوگئے - یہ قلعہ بے حد مضبوط تھا - وھاں سے آکر انھوں نے سندھ کے بعض علاقوں پر چھاپے مارے - یہ اطلاع پاکر محمد بن قاسم اس طرف روانہ ھوا اور جاکر اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا - کچھ عرصہ بعد اناج کی قلت کیوجہ سے تکلیف پیدا ھوگئی اور لشکر اسلام صرف گوشت پر گذارہ کرنے لگا - محمد بن قاسم نے کچھ سمجھدار آدمی داھر کے بیٹوں کے پاس بھیجکر انھیں رعایت اور مہربانی کا دلاسہ دیا - انھوں نے جواب دیا کہ ھمیں یقین ھے کہ راجہ داھر زندہ بچکر نکل گیا ھے اور ھمیں

---

(۱) اصل متن میں "جندر"، نسخۂ ف میں "چندر"، اور نسخۂ "م" میں "جدر" ھے - لیکن چونکہ "چنڈ" ذات کے لوگ سندھ میں اب بھی موجود ھیں اسلئے اسی کو ترجیح دیگئی ھے۔

امید ہے کہ وہ جلد ھی ھندوستان سے ایک لشکر جرار ساتھ لاکر انتقام لے گا۔ اس پر محمد بن قاسم نے داھر کی بیوی لاڈی کو اروڑ سے بلاکر اسکے بیٹوں کے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ تا کہ وہ جاکر انکی غلط فہمی دور کرے۔ چنانچہ لاڈی کوحاضر کرکے [۲۷] اھل قلعہ اور داھر کے بیٹوں کے پاس بھیجا گیا۔ انھوں نے اسے دروازہ کے باھر ھی روکدیا اور خود فصیل کے اوپر چڑھ آئے۔ داھر کی بیوی نے انھیں جنگ کے واقعات اور داھر اور اسکے سرداروں کے قتل ھونے کی کیفیت، نام بہ نام، سناکر نوحہ و ماتم شروع کیا۔ سبھوں نے اسے جھوٹا سمجھکر اسے پتھر اور اینٹیں ماریں اور کہا کہ تو اس جماعت کے ساتھ مل گئی ھے۔ چنانچہ لاڈی کو واپس لے آئے اور قلعہ شکن آلات کی طرف متوجہ ھوکر منجنیق اور آتشبازی کے دیگر اسلحہ جات کام میں لائے۔ کچھ ھی عرصہ میں وہ قلعہ فتح ھوگیا۔ کافروں کو برباد کرکے بہتوں کو قتل کیا گیا جو تھوڑے بچے انھوں نے اسلام کی اطاعت قبول کی۔ کثیر نقد اور بے انداز سامان لشکر اسلام کے ھاتھ آیا۔ قلعہ میں جو بتخانہ تھا جب اسے توڑا گیا تو اس میں سے گنج عظیم بر آمد ھوا۔ جسے بحق خلیفہ ضبط کیا گیا اور دیگر غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ نکال کر مسجدوں کی تعمیر پر خرچ کیا گیا۔ اسکے بعد محمد بن قاسم الور جا پہونچا۔

ماہِ ربیع الاول سنہ ۹۳ ھجری کے اوائل میں، احنف بن قیس بن رواح اسدی کو الور کا حاکم مقرر کرکے، [محمد بن قاسم]

خود ملتان کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا ۔ ملتان کے سر بر آوردہ لوگ استقبال کرکے اسکی خدمت مین حاضر ہوئے ۔ اس نے ان سے معاہدہ کرکے ان پر خراج اور محصول مقرر کیا اور داؤد بن نصیر بن ولید عثمانی کو ملتان کی امارت پر مامور کرکے بنو تمیم میں سے خُزیم بن عبدالملک (۱) کو قلعہ دیبالپور کا، حکمراں بنایا، جوکہ دریا کے کنارے ایک بڑا قلعہ تھا ۔ جب محمد بن قاسم ملتان سے دیبالپور روانہ ہوا تو اس وقت اسکے جھنڈے کے نیچے پچاس ہزار سوار اور پیادے جمع ہوچکے تھے ۔ [چنانچہ اس نے] ہر سمت فوجیں متعین کیں ۔ جب لشکر اسلام قنوج کی سرحد تک جا پہونچا تو اس ملک کے راناؤں اور شہزادوں سب نے اسلام کی اطاعت قبول [۲۸] کرکے دارالخلافت کے ملازموں کو بلا عذر ہر سال خراج و محصول ادا کرنا منظور کیا ۔

اسکے بعد جب محمد بن قاسم ہر شہر اور علاقہ میں قابل اعتماد لوگوں کو متعین کرکے اطمینان کے ساتھ واپس لوٹا تو اسی اثناء میں خلیفہ ولید کی طرف سے ایک حکم پہنچا۔ جسکا قصہ اس طرح سے ہے کہ : قلعہ الور کی فتح کے موقع پر [اس نے] محمد بن علی بن طہمان کے ساتھ ، حبشی غلاموں کی نگرانی میں، دارالخلافت کو جو قیدی بھیجے تھے ، ان میں داہر کی

---

(۱) اصل متن میں "خزیم عبدالملک بنی تمیم" ہے ۔ تصحیح "فتحنامہ سندھ" سے کی گئی ہے جس میں "خزیم بن عبدالملک" ہے ۔

دو بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ ایک رات خلیفہ نے ان دونوں بہنوں کو حرم سرا میں بلا کر اپنی محفل عشرت کے خدمتگاروں کے سپرد کیا تا کہ انکی غمخواری کریں اور جب سفر کی تکان اور تکلیف دور ہوجائے تو خدمت میں حاضر کریں۔ چنانچہ دو ماہ کی مدت کے بعد خلیفہ کے حکم پر ان دونوں سندھی قیدیوں کو حاضر کیا گیا اور ان کے ساتھ ایک ترجمان بھی حاضر کیا گیا۔ جب ان کے چہروں سے نقاب ہٹایا گیا تو پہلی ہی نظر میں خلیفہ ان دونوں پریوں کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ ایک نے کہا کہ میرا نام پرمل دیو ہے اور دوسری نے کہا کہ میرا نام سورج دیو ہے۔ خلیفہ نے ایک کو اپنے بستر پر آنے کا حکم دیا۔ اس پر اس نے اٹھکر عرض کیا کہ میں بادشاہ کے شبستان کے لایق نہیں ہوسکتی، کیونکہ محمد بن قاسم نے ہم دونوں بہنوں کو تین دن پہلے اپنے پاس رکھ کر پھر بادشاہ کے پاس بھیجا ہے۔ ترجمان نے خلیفہ کو ان کے کلام سے آگاہ کیا۔ چنانچہ غصہ اور غیرت سے خلیفہ آگ ہوگیا اور اس نے حکم فرمایا کہ اس بے ادبی کی پاداش میں محمد بن قاسم خود کو گائے کی کھال میں لپیٹ کر دارالخلافت حاضر ہو۔ مزید تاکید کے لئے فرمان کے حاشیہ پر خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے یہ دھمکی تحریر کی کہ محمد بن قاسم جہاں بھی پہونچا ہو خود کو گائے کی کھال میں مڑھوا کر خدمت میں حاضر ہو اور حکم سے تجاوز نہ کرے۔ ان دنوں محمد بن قاسم اودھاپور تک پہونچا تھا کہ خلیفہ کے حاجب نے اسے یہ حکم

پہونچایا۔ یہ فرمان [۲۹] پڑھکر حکم کی پیروی کرنے کے
لئے محمد بن قاسم نے حاجب سے کہا کہ تجھے جو حکم ہوا
ہے تو اسے عمل میں لا۔ چنانچہ اس نے حکم کے مطابق محمد
بن قاسم کو کچی کھال میں بند کیا۔ [جس کی وجہ سے] تین
دن بعد اس کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ حاجب
اسے صندوق میں بند کر کے دارالخلافت کی طرف روانہ ہوا
اور ولایت شام میں پہونچکر دربار عام کے دن وہ صندوق، کہ
جس میں محمد بن قاسم بند تھا، خلیفہ ولید کے سامنے پیش کیا۔
[خلیفہ نے] پوچھا کہ کیا وہ زندہ ہے؟ حاجب نے عرض کیا
کہ "وہ کچے چمڑے میں لپیٹنے کے بعد تیسرے ہی دن دنیا
سے رخصت ہو گیا تھا"۔ اس کے بعد خلیفہ کے حکم پر صندوق
کو اندر حرم میں لیجایا گیا۔ وہاں صندوق کے سامنے کھڑے
ہو کر اس نے حکم دیا کہ اسکا پٹ کھولا جائے۔ پھر داہر رائے
کی بیٹیوں کو بلا کر کہنے لگا کہ "دیکھو میرا حکم اس
طرح نافذ ہوتا ہے۔ آؤ اور آ کر محمد بن قاسم کو دیکھو"۔
دونوں بہنوں نے آگے بڑھکر دیکھا اور پہچانا اور ہاتھ اٹھا کر
خلیفہ کے حق میں دعا کی۔ پھر اس کے بعد انھوں
نے عرض کیا کہ "عادل بادشاہوں کو اہم امور میں جلد بازی
نہ کرنی چاہئے اور دوست یا دشمن کے کہے میں آ کر فوراً
حکم نہ جاری کرنا چاہئے"۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ "اس
بات کا کیا مطلب ہے؟" انھوں نے کہا کہ "ہمیں محمد بن
قاسم سے عداوت تھی۔ ہمارا باپ اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ملک

و دولت ہمارے خاندان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ ہم قیدی اور گرفتار ہوکر دوسرے ملک میں مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے اس پر تہمت لگائی تھی۔ [لیکن] بادشاہ نے غصہ میں آکر ہمارے حال کے مآل کی تحقیق اور ہمارے بیان کے کذب و صداقت کی تفتیش کئے بغیر ہی ایسا حکم صادر فرمایا۔ حالانکہ محمد بن قاسم [عفت کے خیال سے] ہمارے باپ اور بھائی جیسا تھا اور اسکا ہاتھ ہمارے دامن عصمت تک ہرگز نہ پہونچا تھا۔ لیکن چونکہ ہمیں اپنے باپ کا انتقام لینا مقصود تھا اسی لئے ہم نے اسے اس خیانت سے منسوب کیا تھا۔ اب [۳۰] ہمارا مقصد تو حاصل ہوگیا ہے لیکن اس سے خلیفہ کے طریق عدالت میں فتور پڑگیا ہے"۔ یہ گفتگو سنکر خلیفہ سخت پشیمان ہوا اور اس کے سینے میں غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ اس کے حکم پر داھر کی ان دونوں بیٹیوں کو گھوڑوں کی دُم سے باندھکر شہر کے چاروں طرف پھرایا گیا (۱) اور پھر لیجاکر دجلہ میں پھینکدیا گیا اور محمد بن قاسم کو دمشق کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم کے فوت ہونے کے دو سال بعد ہندوستان کے لوگ باغی ہوکر نافرمان ہوگئے۔ صرف دیبالپور کی سرحد سے لے کر ساحل سمندر تک کا علاقہ

---

(۱) فتحنامہ میں محمد بن قاسم کے انجام کی اس مفروضہ حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ غصہ میں آکر خلیفہ نے داھر کی ان دونوں بیٹیوں کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تھا۔

خلیفہ کے گورنروں کے زیر تصرف رہ گیا۔ سنہ ۹۶ ھجری میں جب خلیفہ عالم آخرت کی طرف کوچ کر گیا اور اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن ھوا تب اس نے عامر بن عبداللہ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۳ ھجری میں عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، نے، جو کہ بنو عباس کا پہلا خلیفہ تھا اور سفاح کے لقب سے مشہور تھا، دارالخلافت سے ایک فوج سندھ بھیج کر بنو امیہ کے جملہ ملازمین کو نکال باھر کیا۔ چار سال بعد عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے ھندوستان کے لئے ایک لشکر مقرر فرمایا اور سنہ ۱۷۰ ھجری میں ھاروں رشید نے مھدی ابو العباس کو سندھ کا حاکم مقرر کیا جو کہ مملکت سندھ میں کافی مدت تک رھا۔ [۳۱]

—

حصہ دوم

ان سلاطین کا ذکر کہ جنھوں نے خلفاء بنو عباس کے گورنروں کے بعد مملکتِ سندھ میں پرچم حکومت بلند کیا

مورخوں نے لکھا ھے کہ خاندانِ بنو امیہ کے عہدِ خلافت کے بعد خلفاء بنو عباس کے گورنروں نے سندھ و ملتان کے ممالک کا اقتدار و انتظام سنبھالا۔ ھارون اور مامون کے دور میں ھندوستان کے بعض اور ممالک بھی ان کے زیر فرمان تھے۔ عباسی خلفاء کے گورنروں کی حکومت کا دور القادر باللہ بوالعباس احمد بن اسحاق بن المقتدر باللہ کے زمانہ میں ختم ھوا۔ سنہ ۴۱۶ ھجری کے ماہِ رمضان کے وسط میں جب سلطان محمود غازی، پایہ تخت غزنی سے ھندوستان کو فتح کرنے کے لئے، ملتان پہونچا، تو اس نے ملتان اور اُچ پر قبضہ کرکے القادر باللہ کے گورنروں کو نکال باھر کیا اور وزیر عبدالرزاق کو کچھ فوج دے کر سندھ فتح کرنے کے لئے مامور کیا۔ وہ سنہ ۴۱۷ ھجری میں بکھر کے معاملات سے اطمینان حاصل کرکے سیوستان اور ٹھٹھہ کی طرف متوجہ ھوا اور اکثر عربوں کو مار بھگایا۔ البتہ جو لوگ کہ اھل و عیال کے ساتھ تھے اور فضیلت اور

نیک چلن کے حامل تھے، شریعت کے عہدے ان کے حوالہ کرکے اس نے انکے گذارہ کے لئے تنخواهیں اور وظیفے مقرر کئے۔ سنہ ۴۲۱ هجری میں جب سلطان محمود نے انتقال کیا تو اسکا سعادت مند بیٹا، سلطان مسعود، غزنی کے تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کے موروثی ممالک سندھ اور هند کو اپنے قبضہ میں لایا۔ حسب دستور هر سال رعایا محصول اور خراج پایہ تخت [۳۲] غزنی پہونچاتی رهی۔ سنہ ۴۳۳ هجری میں جب وہ اس فانی دنیا کو الوداع کہہ کر ملک بقا کی طرف کوچ کر گیا تو اس کا بیٹا سلطان مودود تخت شاهی پر جلوہ گر هوا اور اپنے باپ دادا کے زیر تصرف آئے هوئے ممالک کو اپنا مطیع کیا۔ سنہ ۴۴۱ هجری میں وہ بھی عالم بقا کا راهی هوا۔ اس کے بعد سلطان مجدود نے اس کا جانشین هوکر موروثی ممالک پر قبضہ کیا۔ پھر جب اجل نے اسے بھی طلب کیا تو وہ بھی شہر لاهور میں عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔ اس کے بعد ملک خسرو کی باری آئی جو کہ غزنوی بادشاهوں کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے بھی کچھ مدت کامرانی کے جام نوش کئے۔ آخر کار سنہ ۵۸۳ هجری میں سلطان غیاث الدین غوری نے لاهور پر قابض هوکر ملک خسرو کو گرفتار کیا اور اسے غزنی بھیجکر قید کردیا پھر جب غزنوی بادشاهوں کی ساری اولاد غوریوں کے هاتھ آگئی تو انھوں نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتاردیا۔

سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری کا ذکر

جب سلطان غیاث الدین ہندوستان سے واپس آکر خراسان کی طرف متوجہ ہوا تو سنہ ۵۹۹ ہجری میں وہ پایہ تخت ہرات میں انتقال کر گیا اور ہرات کی جامع مسجد میں اس نے جو گنبد تعمیر کرایا تھا اس کے اندر مدفون ہوا۔ مثنوی :

دو در دارد این باغ آراسته

در و بند از هر دو برخاسته

در آ از در باغ و بنگر تمام

ز دیگر در باغ بیرون خرام

اس طرح سلطنت، سلطان شہاب الدین کو منتقل ہوئی۔ اس نے سنہ ۵۹۱ ہجری میں بھائی کی نیابت مین ہندوستان پر حملہ کرکے ملتان اور اُچ فتح کیا اور قطب الدین ایبک کی سرکردگی [۳۳] میں ایک فوج سندھ فتح کرنے کے لئے مامور کی۔ قطب الدین ایبک تین ماہ کے عرصہ میں سارے سندھ کو زیر نگیں کر کے اور سیف الملوک کو سندھ میں چھوڑ کر خود تخت گاہ دھلی کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرف ملتان سے سلطان شہاب الدین فوج کے ساتھ آہستہ آہستہ ہندوستان کی طرف بڑھ رہا تھا اور شہر، قلعے اور ممالک فتح کرتا ہوا جا رہا تھا۔ آخرکار اس نے جا کر اس ملک کے پایۂ تخت دھلی کو بھی فتح کرلیا۔ اسی دن سے شہر دھلی بادشاہوں کا دارالحکومت ہوگیا۔ چنانچہ قطب الدین ایبک کو اس ملک

میں اپنا جانشین مقرر کر کے سلطان خود خراسان کی طرف جانے کی سوچنے لگا۔ اسی اثناء میں اسے اپنے بھائی سلطان معزالدین کے وفات کی خبر ملی، جس کی وجہ سے بے حد غمناک ہو کر وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ شہر غزنی میں وارد ہونے کے بعد اس نے فوج کو ترکستان کے تین سال کے سفر کے لئے مستعد ہونیکا حکم دیا۔ اس درمیان میں خبر پہونچی کہ نواح لاہور کے کھوکھروں کے بعض گروہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی ہے۔ چنانچہ انہیں دفع کرنا اہم اور زیادہ مناسب سمجھکر وہ انکی طرف چڑھ دوڑا اور جا کر کثیر دشمنوں کو تیغ انتقام کا لقمہ بنایا۔ لیکن واپس ہوتے وقت منزل دمیک کے مقام پر ایک کھوکھر فدائی کے خنجر کے زخم سے شہید ہوگیا۔ قطعہ

شہادت ملک بحر و برشہاب الدین کز ابتداء جہاں مثل اونیامدہ یک
سیم زغرہ شعبان سال ششصد و دو فتادہ در رہ غزنین بمنزل دمیک

غزنی کی فتح سے لے کر آخر عمر تک اس کی بادشاہت کی مدت ۳۲ سال اور کچھ ماہ تھی۔ اس کے وارثوں میں صرف ایک بیٹی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس سونے چاندی اور جواہرات کا بیش بہا خزانہ تھا، جس میں سے پانچسو من صرف الماس نکلا تھا جو کہ ایک اعلیٰ گوہر ہے۔ اسی سے اس کے باقی نقد و مال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے نو مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا۔ دو مرتبہ شکست کھائی اور باقی ہر مرتبہ [۳۴] کامیاب رہا۔ یہ بادشاہ عادل، خدا ترس اور خلق

پر مہربان تھا اور علما و صالحین کی بے حد عزت اور خدمت کرتا تھا۔

سلطان قطب‌الدین کا ذکر

چونکہ سلطان شہاب‌الدین غوری، قطب‌الدین ایبک کو دھلی میں اپنا جانشین بنا کر، ولایت خراسان کی طرف چلا گیا تھا، اس لئے جب قطب‌الدین ایبک کو اس کے فوت ہونے کی خبر ملی تو اس نے خود مختیاری کا پرچم بلند کرکے اپنے نام کا خطبہ پڑھایا۔ لوگ اسے سلطان قطب‌الدین کہنے لگے اور ھند و سندھ کی حکومتوں کی باگ ڈور اسکے ھاتھ میں آگئی۔ آخر سنہ ۶۰۷ ھجری میں شہر لاھور میں پولو کھیلتے ھوئے وہ گھوڑے سے گر پڑا اور انتقال کر گیا۔ چودہ سال تک اس کے نام کا خطبہ پڑھایا جاتا رھا اور ھند و سندھ اس کے زیرِ تصرف رھے۔

آرام شاہ بن قطب‌الدین ایبک کا ذکر

قطب‌الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ، امراءؔ کی اتفاق رائے سے، تخت سلطنت پر بیٹھا۔ لیکن عدم قابلیت کی وجہ سے مسندِ حکومت پر اسے آرام نصیب نہ ھوا۔ [آخر] اس کے امرا نے اسے لائق تخت نہ دیکھ کر سلطان شمس‌الدین التمش کے پاس آدمی بھیجا اور اسے دھلی بلا کر بادشاہ بنایا۔ اس زمانہ میں ھندوستان چار حصوں میں تقسیم ھو گیا تھا۔

دارالملک دهلی شمس الدین التمش سے متعلق تھا۔ آچ ، ملتان اور سندھ ناصرالدین قباچہ کے زیر فرمان تھا۔ لکھنوتی پر خلجی بادشاہوں کا تصرف و ضابطہ تھا اور لاہور اور اس کے نواح پر تاج الدین یلدز کے گماشتوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اسی زمانہ میں چنگیز خاں کی فوج کا ایک حصہ ملک ناصرالدین قباچہ پر حملہ آور ہوا۔ ملک ناصرالدین قباچہ میں[۳۵] اس لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ تھی جس کی وجہ سے وہ ملتان کے شہر میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ رہا ۔ مغلوں نے چالیس دن تک اس کا محاصرہ کئے رکھا ۔ ان دنوں سلطان ناصرالدین نے خزانہ کے دروازے کھول دیئے ، خلق کو انعام و احسان سے نوازا اور ساتھ ہی ساتھ [مقابلہ مین] بہادری اور مردانگی کے [بڑے] جوہر دکھائے ۔ آخرکار جب [مغلوں کے] لشکر کو فتح نصیب نہ ہوئی تو لاچار وہ واپس چلے گئے۔ چونکہ مملکتِ سندھ اس کے قبضہ میں [سلامت] رہی اس لئے خراسان ، غور اور غزنی کے بہت سے سربر آوردہ لوگ چنگیز خاں کے حادثہ کی وجہ سے [هجرت کرکے] اس کی خدمت میں آگئے۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کو انعام و اکرام سے سر فراز کیا ۔

سنہ ۶۲۳ هجری کے اواخر مین سیوستان کے علاقہ پر ملک خان خلجی اور اس کے ساتھیوں کا غلبہ ہوگیا۔ جس کے وجہ سے سلطان ناصرالدین قباچہ نے اس جماعت کے شر کو دفع کرنے کی طرف توجہ کی ۔ دونوں فریقوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں ملک خان قتل ہوگیا ۔

آخرکار ناصرالدین قباچہ کی سلطنت اپنے انجام کے قریب پہونچی اور سنہ ۶۲۴ ھجری میں سلطان شمس الدین التمش نے اُچ پر چڑھائی کی۔ ناصرالدین قباچہ بکھر فرار ہوگیا اور سلطان اپنے وزیر نظام الملک محمد بن اسعد کو اُچ کے محاصرہ پر متعین کرکے خود دھلی واپس چلا گیا۔ ۲۸- جمادی الاول سنہ ۶۲۵ ھجری کو منگل کے دن اُچ کو بذریعہ صلح حاصل کرکے نظام الملک قلعۂ بکھر کی طرف رجوع ہوا۔ ناصرالدین قباچہ وھاں سے بھی فرار ہونے کا ارادہ کرکے کشتی میں سوار ہوا۔ لیکن جب دریا کے وسط میں پہونچا تو [اچانک] اُس کا سفینۂ عمر دریائے فنا میں غرق ہوگیا۔

سلطان شمس الدین التمش کا ذکر

سنہ ۶۲۴ ھجری میں (۱) نظام الملک محمد بن اسعد، سلطان شمس الدین کی جانب سے سندھ کی حکومت پر مامور ہوا۔ وہ مملکتِ سندھ کا ضابطہ اور انتظام جیسا کہ چاھئے تھا ویسا ھی رکھتے ہوئے، شہروں کی آبادی اور رعایا کے آرام [۳۲] کے لئے بے حد کوشش اور جدوجہد کرتا رھا۔ سنہ ۶۳۳ ھجری میں وہ نورالدین محمد کو سندھ کی نگرانی پر مامور کرکے خود دھلی واپس چلا گیا۔ سنہ ۶۳۳ ھجری کے ۲۶ شعبان اور شنبہ کے دن سلطان شمس الدین التمش تخت گاہ دھلی میں رحلت فرما گیا۔

---

(۱) صحیح: سنہ ۶۲۵ ھجری میں

سلطان مسعود کا ذکر

جب سلطان مسعود شاہ ابن رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان شمس الدین التمش سنہ ۶۳۹ ھجری میں سلطنت دھلی کو اپنے وجود سے عزت بخش کر موروثی ممالک کا مالک ھوا تو سنہ ۶۴۳ ھجری کے ماہِ صفر میں، مغلوں کے دریائے سندھ پار کرکے، خطۂ اچ کا محاصرہ کرلینے کی خبر دھلی میں مشہور ھوئی - اس پر مسعود شاہ دشمنوں کو دفع کرنے کی طرف متوجہ ھوا۔ مغلوں کو جب اس کی آمد کی خبر ھوئی تو وہ اُچ کو چھوڑ کر بکھر کی راہ سے خراسان کی طرف بھاگ گئے۔ سلطان مسعود شاہ نے بکھر پہونچکر نورالدین محمد کو موقوف کیا اور [اسکی جگہ] مملکت سندھ ملک جلال الدین حسن کے حوالہ کرکے وھاں سے دھلی کی طرف باگیں موڑیں -

ملتان پہونچنے پر بعض شرابی نوجوانوں نے مسعود شاہ کی محفل میں آکر اسے بزمِ نشاط کی ترغیب دی - وہ خود بھی فی نفسہ مے نوشی کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ اس امر میں وہ حد سے گذر گیا اور کاروبار مملکت میں خلل واقع ھونے لگا - امرا نے خفیہ طور پر اسکے چچا ناصرالدین محمود کے پاس، جو کہ بہرائچ میں تھا ، آدمی بھیج کر [دھلی] آنے کی ترغیب دی - چنانچہ وہ سرعت کے ساتھ دھلی پہونچا اور آکر تخت سلطنت پر متمکن ھوا - سنہ ۶۴۴ ھجری کے ۲۳- محرم اور اتوار کے دن اس نے مسعود شاہ کو گرفتار کرکے قید کردیا، چنانچہ اس کی زندگی کے باقیماندہ دن قید خانہ میں گذرے - [۳۷]

سلطان ناصرالدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کا ذکر

سلطان ناصرالدین محمود سنہ ۶۴۴ ہجری کے ماہ محرم الحرام میں منگل کے دن قصر فیروز دھلی میں تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا اور کچھ سال خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا - مورخہ ۲۲- شوال سنہ ۶۴۹ ہجری کو بروز دو شنبہ وہ لاھور، ملتان ، اُچ اور بکھر کی نگہداشت ملک سنجر کے حوالہ کرکے خود دارالملک دھلی واپس ھوا -

تخت گاہ دھلی پہونچنے کے بعد ناصرالدین نے ولایت لکھنوتی کی مہم پر جانے کا عزم کیا - لیکن چونکہ امرا و ارکان دولت نے سلطان کے اس طرف جانے کو مناسب نہ سمجھا اس لئے سرکشوں کی تادیب و تنبیہہ کے لئے اس نے ایک عظیم لشکر تیار کرکے ملک جلال الدین کی سرکردگی میں اس طرف روانہ کیا - سنہ ۶۵۶ ہجری کے آخر میں مغلوں کا لشکر اُچ اور ملتان کے نواح میں آ پہونچا- لیکن جب سلطان ان کے دفعیہ کےلئے روانہ ھوا تو مغلوں کا یہ لشکر بغیر جنگ کئے واپس چلا گیا چنانچہ سلطان بھی واپس آگیا ۔

کہتے ھیں کہ سلطان ناصرالدین سال میں دو قران شریف لکھتا تھا اور ان کا ھدیہ ھی اپنے خاص گذارہ پر صرف کرتا تھا- ایک مرتبہ ایسا اتفاق ھوا کہ ایک امیر نے بادشاہ کا تحریر کردہ قرآن شریف زیادہ ھدیہ دے کر خریدا - بادشاہ کو جب

اس حقیقت کا علم ہوا تو یہ بات اسے گوارا نہ ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ اس کے بعد [۳۸] میرا نوشتہ [قرآن شریف] خفیہ طور پر عام نرخ پر ہدیہ کیا جائے۔ یہ بھی روایت ہے کہ بادشاہ اپنی بیگم کے سوا کہ جو اس کا کھانا پکاتی تھی دوسری کوئی بھی ملازمہ یا کنیز نہ رکھتا تھا۔ [چنانچہ] ایک دن بیگم نے بادشاہ سے کہا کہ "کھانا پکانے کی وجہ سے میرے ہاتھوں میں ہمیشہ درد رہا کرتا ہے۔ اگر آپ ایک ایسی کنیز خرید لیں کہ جو روٹی پکا دیا کرے تو اس میں کوئی ہرج نہ ہوگا"۔ سلطان نے جواب میں فرمایا کہ "بیت‌المال خدا کے بندوں کا حق ہے۔ مجھ اس میں سے کنیر خرید نے کا کوئی بھی اختیار نہیں ہے۔ صبر کر، تاکہ خدائے تعالیٰ تجھے عاقبت میں جزائے خیر دے"۔ بیت:

جہان خوابیست پیشِ چشمِ بیدار
بخوابے دل نہ بندد مردِ ہشیار

سنہ ۶۶۳ ہجری میں سلطان ناصرالدین بیمار ہوا اور ۱۱۔ جمادی‌الاول سنہ ۶۶۴ ھ میں اس دارفانی سے ملکِ جاودانی کو رحلت کر گیا۔ اسکے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی مدت حکومت انتیس سال تین ماہ اور کچھ دن تھی۔

سلطان غیاث‌الدین بلبن کا ذکر

یہ شمس‌الدین التمش کے چالیس زر خرید غلاموں میں سے ایک تھا اور سلطان ناصرالدین کے انتقال کے بعد سنہ ۶۶۲ ھ

میں (۱) دھلی میں تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ سلاطین عجم کے دستور کے طرز پر اس نے حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں اور جو بھی ممالک سلطان شمس الدین کے زیر تصرف تھے ان سب کو قبضہ میں لا کر اس میں عدل اور انصاف رائج کیا ۔ وہ شریعت کا بے حد خیال رکھتا تھا ۔ اس نے امور مملکت کے ایسے مستحکم ضابطے مقرر کئے کہ کسی کو ان کے خلاف کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ اس کی مملکت [۳۹] آباد اور راستے پُر امن اور محفوظ تھے ۔ سپاہ بڑی فراغت سے اپنا وقت گذارتی تھی ۔ سلطان ایک دانا ، پختہ کار اور با وقار بادشاہ تھا اور ہر کام فہمیدگی اور سنجیدگی کے ساتھ انجام دیتا تھا ۔ بیت

چہ نیکو متاعیست کار آگہی
مبادا ازیں نقد عالم تہی

سلطان نے اپنی بادشاہت کے ابتدائی عہد میں لاھور ، ملتان اور سندھ کے اطراف اپنے صالح فرزند سلطان محمد کے حوالہ کئے ۔ چونکہ سلطان محمد مشایخ اور بزرگوں سے ارادت و عقیدت رکھتا تھا اس لئے زیادہ وقت قطب العارفین شیخ بہاءالدین زکریا غوث اور شیخ فریدالدین گنج شکر کی صحبت میں گذارتا تھا ۔ وہ نہایت بہادر و سخی اور فضلاء کا دوست تھا ۔ امیر خسرو اور امیر حسن دھلوی ھمیشہ اس کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور انھیں وزراء کی فہرست میں تنخواھیں اور انعامات ملا کرتے تھے ۔ انکی نظم و نثر کو وہ بے حد پسند

---

(۱) صحیح سنہ ٦٦٢ ھجري .

کرتا تھا۔ [اسکے علاوہ] وہ اس قدر مہذب اور شایستہ تھا کہ اگر دربار حکومت میں اسے کبھی سارا دن اور رات تک بیٹھنا پڑتا تو وہ اپنا زانو تک نہ بدلتا تھا۔ "حقا" لفظ کے سوا وہ دوسری کوئی قسم نہ کھاتا تھا۔ مشایخ عظام اور علماء کرام سے اسے بیحد اعتقاد تھا۔ کہتے ھیں کہ جب شیخ عثمان مروندی (۱)، کہ جو بزرگان سندھ میں سے تھے، ملتان آئے تو سلطان آن کی تعظیم بجالایا اور نذر و ھدیہ پیش کر کے شیخ سے ملتان میں رہ جانے کی التجا کی۔ لیکن شیخ نے اسے قبول نہ کیا اور روانہ ھوگئے۔ روایت کرتے ھیں کہ شیخ عثمان اور شیخ بہاوالدین زکریا کے فرزند ارجمند شیخ صدرالدین ایک محفل میں موجود تھے وھاں بہترین اشعار سن کر وہ اور دوسرے درویش وجد میں آگئے اور سب رقص کرنے لگے اس موقع پر بادشاہ سینہ پر ھاتھ رکھے آن کے سامنے کھڑا رھا، اور زار و قطار روتا رھا۔

کہتے ھیں کہ سلطان شمس الدین کی ایک بیٹی سلطان محمد کے نکاح میں تھی۔ اتفاقاً حالت مستی میں بادشاہ کی زبان سے تین طلاقین نکل گئیں۔ اب چونکہ حلالہ [۴۰] کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لئے اس عورت کو شیخ صدرالدین ولد مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا کے عقد میں دیا گیا۔ زفاف کے بعد جب شیخ کو طلاق دینے کی زحمت دی گئی تو اس عورت نے کہا کہ اس فاسق کے گھر سے میں تیرے پاس پناہ چاھتی

---

(۱) سیوھن کے مشہور ولی قلندر شہباز .

ہوں - خدا نہ کرے کہ میں پھر اس کے ہاتھوں گرفتار ہوں۔ شیخ نے کہا کہ مجھے ایک عورت سے کمتر نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اسے طلاق نہ دی - اس پر سلطان بیتاب ہوکر انتقام لینے کے لئے آمادہ ہوا -

کہتے ہیں کہ [اس نے] شیخ سعدی کو بلانے کے لئے ملتان سے دوبار شیراز آدمی بھیجے اور ملتان میں شیخ کے لئے خانقاہ بنانے اور مواضعات خرید کر وقف کرنے کا ارادہ کیا - لیکن ضعف و پیری کی وجہ سے شیخ نہ آسکے - دوسری مرتبہ [شیخ نے] خود اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ایک کتاب، کہ جس میں اُن کے اشعار درج تھے، ارسال کی اور اپنے نہ آنے کی معذرت اور امیر خسرو کی سفارش اس کے ضمیمہ میں شامل کی - [غرض] علما و فضلا اکثر اس کی محفل میں حاضر رہا کرتے تھے۔

سلطان محمد ہر تین سال بعد باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دارالملک دھلی آیا کرتا تھا۔ اور وہاں سے ایک سال بعد اسے واپس آنے کی اجازت ملتی تھی - سنہ ۶۸۳ ھجری میں چنگیز خان نے تیمور اور قتلغ خان کو ایک لشکر جرار دے کر ہندوستان پر متعین کیا۔ جب یہ لشکر آبِ نیلاب سے گذر کر لاہور کی حدود میں داخل ہوا تو سلطان محمد و سلطان غیاث الدین بلبن بھی تیس ہزار سواروں کے ساتھ لاہور کے نواح میں آپہونچے - آخر دونوں لشکروں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکے اور سلطان محمد جام شہادت پی کر باغِ بہشت کو سدھار گیا - لیکن سردار کے فوت ہوجانے کے باوجود

هزیمت تیمور اور قتلغ کو ہوئی اور وہ شکست عظیم کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے حسب دستور سندھ و ملتان کی ولایت پر کیخسرو ولد سلطان محمد کو مقرر فرمایا۔ [۴۱] سلطان بلبن اپنے فرزند کی موت پر ہمیشہ غمگین رہا کرتا تھا۔ آخر کار سنہ ٦٨٥ ہجری میں اس نے بھی عالم آخرت کی منزل اختیار کی۔

سلطان جلال‌الدین خلجی کا ذکر

سلطان جلال‌الدین بن فیروز خلج، سلطان غیاث‌الدین بلبن کے ملازموں میں سے ایک تھا۔ تواریخ میں لکھتے ہیں کہ قبیلۂ خلج، چنگیز خان کے داماد خالج کی نسل سے ہے۔ وہ مردانگی اور بہادری میں بے نظیر اور فہم و فراست میں لاثانی تھا۔ [چنانچہ] رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے آخر کار وہ تخت شاہی پر قابض ہو گیا۔ سنہ ٦٨٨ ہجری میں (۱) دھلی میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ امیروں، سربراہوں اور سرداروں میں سے بعضوں نے خوشی اور رغبت سے اور بعضوں نے بہ جبر و اکراہ سلطان کی بیعت کی۔ سنہ ٦٩٣ ھ میں سلطان جلال‌الدین نے لاھور جا کر ملتان اور اُچ کا علاقہ اپنے منجھلے بیٹے ارکلی خان کے سپرد کیا اور نصرت خان کو سندھ کی حکومت پر مامور کر کے سندھ کی آمدنی اور مالگذاری ارکلی خان کو بطور تنخواہ عنایت کی۔ ارکلی خان نہایت خوش طبع اور بہادر شخص تھا۔ اپنے عہد حکومت میں دو بار ولایت سندھ میں پہنچ کر

---

(۱) صحیح ٦٨٩ ھے، جیسا کہ امیر خسرو نے "مفتاح الفتوح" میں تصریح کی ھے: "ز ھجرت ششصد و ھشتاد و نہ سال" (ع.م)

اس نے مفسدوں کو تادیب و تنبیہ کی اور حدود سندھ کا مناسب انتظام کیا۔ سنہ ٦٩٥ ھ میں سلطان جلال الدین نے اپنے بھتیجے اور داماد سلطان علاؤالدین کے ہاتھوں شربت شہادت نوش فرمایا۔

سلطان علاؤالدین کا ذکر

سنہ ٦٩٥ ھ کے اواخر میں پایۂ تخت دھلی میں تخت سلطنت پر بیٹھ کر اس نے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور اس قدر زر و جواہر اور ہاتھی گھوڑے [٣٢] لوگوں کو بخشے کہ لوگ اس انعام و اکرام کی وجہ سے اس کے مطیع و فرمانبردار ہوگئے۔ اس نے اپنے باپ جیسے (شفیق) چچا اور خسر کو قتل کر کے جو قبیح فعل انجام دیا تھا وہ لوگوں کی نظر میں معمولی ہوگیا۔

سنہ ٦٩٦ھ میں اس نے سندھ و ملتان کی مہم کو دیگر مہمات جہانبانی پر مقدم کیا۔ کیونکہ سلطان جلال الدین کا بیٹا ارکلی خان ملتان میں موجود تھا۔ اس نے اپنے بھائی الغ خان کو چالیس ہزار سواروں کے ساتھ فوراً روانہ کیا جس نے جا کر ملتان کو محصور کرلیا۔ تین ماہ کی مدت کے بعد اہل قلعہ پریشان ہوگئے اور اہل ملتان ارکلی خان سے منہ موڑ کر رات کے وقت قلعہ سے نکل کر الغ خان سے جا ملے۔ ارکلی خان نے مجبور و پریشان ہو کر، مخدوم شیخ رکن الدین کو درمیان میں لا کر، امان حاصل کی اور ملتان سے نکل گیا۔

سلطان علاؤالدین نے نصرت خان کو دس ہزار سوار دے کر ملتان، اچ، بکھر، سیوستان اور ٹھٹھہ کا حکمران مقرر کیا۔ ساتھ ھی حکم دیا کہ نصرت خان ملتان اور سندھ کی ساری حدود کا دورہ کرے۔ جہاں بھی کوئی سرکش اور مفسد دیکھے اس کا قلع قمع کر کے اطمینان حاصل کرے اور سندھ کے شہروں اور قلعوں پر معتبر آدمی مامور کر کے خود ملتان میں قیام کرے۔

سنہ ٦٩٧ ھ کی ابتدا میں صلدائی مغل سیستان سے سیوستان کی حدود میں آ پہونچا اور نواحی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد اس نے قلعۂ سیوستان کا محاصرہ کرلیا۔ چنانچہ کچھ ھی عرصہ کے اندر مقابلہ سے عاجز آ کر سیوستان کے لوگ بھاگنے لگے اور صلدائی مغل [٤٣] نے سیوستان پر قبضہ کر کے قلعہ کو اور بھی مضبوط کرلیا۔ یہ خبر سن کر نصرت خان، عظیم لشکر، کثیر سامان اور آتشبازی کے آلات، ملتان سے کشتیوں میں لدوا کر، سیوستان آ پہونچا۔ مغلوں نے باھر آ کر جنگ کی آگ بھڑکائی لیکن شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی اور بادشاھی لشکر بکھر واپس چلا گیا۔

اسی اثناء میں سلطان علاؤالدین کی جانب سے حکم پہونچا کہ "الغ خان کو گجرات کی تسخیر کے لئے مامور کیا جاتا ھے۔ لہٰذا وہ سندھ کا نصف لشکر لے کر جیسلمیر کی راہ سے گجرات کی طرف روانہ ھو"۔ چنانچہ الغ خان فوج لے کر جیسلمیر جا پہونچا اور اس قلعہ کو فتح کر کے بہت سے کافروں کو قتل کیا۔ اس کے بعد دوسو سوار جیسلمیر کے قلعہ میں چھوڑ کر، باقی فوج

کے ساتھ، گجرات کے لشکر سے جا ملا۔

سنہ ۷۰۰ھ میں سلطان علاؤالدین نے شمشیر سیاست سے باغیوں اور سرکشوں کی بنیادیں اکھاڑ پھینکیں۔ سلطان علاؤالدین کی سلطنت کے حدود مشرق، جنوب اور مغرب میں بنگال، دکن، گجرات اور سندھ تک ساحل سمندر سے ملے ہوئے تھے اور شمال میں آب نیلاب تک پھیلے ہوئے تھے۔ [جس میں] اس نے ہر طرف حاکم، دیوان، امین اور قاضی مقرر کر کے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ ہر طرف سے اسے ہفتہ وار تازہ خبریں پہونچتی رہتی تھیں۔ چونکہ اس کا کاروبار سلطنت درجۂ کمال تک پہونچ چکا تھا اور [بمنشاءِ] "اذا کمل الشئی فانتظر زواله" (جب کوئی شے کامل ہو تو اس کے زوال کا انتظار کر) آخرکار ہر خوش بختی کے پیچھے بد بختی اور ہر کمال کے تعاقب میں زوال ہے، اس لئے وہ بھی ۶ شوال سنہ ۷۱۷ھ کو رحلت کر گیا۔

سلطان غیاث الدین کا ذکر

اپنے دور حکومت کے آخر میں سلطان علاؤالدین نے چنگیزخانی مغلوں کے دفعیہ کے لئے غازی ملک کو دس ہزار سواروں کے ساتھ دیبالپور میں متعین فرمایا تھا اور [۴۴] ملتان، آچ اور سندھ کا علاقہ اسے بطور جاگیر عنایت کیا تھا۔ اس طرف سلطان علاؤالدین کے بیٹوں نے عیش و عشرت میں محویت اور لاپرواہی کے سبب امور سلطنت کی طرف توجہ نہ دی۔ جس کی وجہ سے

اُن کی بادشاہت میں بڑے فتنے پیدا ہوگئے اور "اذا طالت الغفلة زالة الدولة" (جب غفلت زیادہ ہوجاتی ہے تو حکومت بھی ختم ہوجاتی ہے) کے بموجب، سلطنت علائی خاندان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ کچھ لوگوں نے بیوفائی اور فریب سے، اس کے ہمیشہ نشہ میں مخمور رہنے والے فرزند، سلطان قطب الدین کا سر کاٹ کر، خسرو خان کو، کہ جس نے اس کام کی شہ دی تھی، تخت پر بٹھا دیا۔ خسرو خان نے کافروں اور کمینوں کو نوازا اور سلطان علاؤالدین اور قطب الدین کے خزانوں کے دروازے کھول کر نالائقوں کو سرفراز کیا۔ [جس کی وجہ سے] شہر دھلی پر غلبہ حاصل کر کے کافروں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کردیا۔

اسی اثناء میں، غازی ملک کا بیٹا، فخر ملک خفیہ طور پر دھلی سے نکل کر ملتان روانہ ہوگیا اور تھوڑے ھی عرصہ میں باپ کے پاس پہنچ کر اسے دھلی کے حالات سے آگاہ کیا۔ غازی ملک اور فخر ملک نہایت بہادر اور با رعب تھے۔ وہ اسلام کی اعانت کرنے اور کافروں اور ظالموں سے انتقام لینے کے لئے تلواریں بلند کر کے جہاد کے لئے مستعد ہوگئے۔ خدائے پاک سے فتح و نصرت کی دعا طلب کر کے انھوں نے سندھ و ملتان کے لشکر کو جمع کیا اور تین ہزار ایسے بہادر سواروں کے ساتھ، کہ جو متعدد بار میدان کارزار میں جنگ کر چکے تھے، دھلی کے نواح میں جا پہونچے۔ جب خسرو خان کو اسکی اطلاع ملی تو اس نے عظیم لشکر آراستہ کر کے [ان کے مقابلہ کے لئے] باھر روانہ کیا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوے اور "الحق یعلو" (حق بلند رہتا ہے) کا راز ظاہر ہوا۔ فخر ملک اور غازی ملک کو نصرت الٰہی اور لامتناہی غیبی تائید حاصل ہوئی۔ کافروں کا لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اکثر [آن میں سے] قتل ہوگئے۔ جو تھوڑے باقی بچے انہوں نے بڑی مصیبت سے خود کو قلعہ کے اندر پہونچایا۔ [۴۵] دوسرے دن خسرو خان خود لشکر ساتھ لے کر باہر نکلا اور صفیں آراستہ کیں۔ غازی ملک کے لشکر نے بھی دشمن سے انتقام لینے کی خاطر میان سے تلواریں نکال کر میدان کارزار گرم کیا۔ چنانچہ ایک ہی لمحہ میں انہوں نے کافروں کے لشکر کو تلواروں کا لقمہ بنا کر کشتوں کے پشتہ لگا دیئے۔ آخر کار ناامید ہو کر خسرو خان فرار ہوگیا، اور غازی ملک و فخر ملک میدان جنگ چھوڑ کر شہر کے نواح میں مقیم ہوئے۔ آدھی رات کے وقت دھلی کے گورنر اور قلعہ دار، سربراہوں اور امیروں کے ساتھ غازی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قلعہ کی کنجیاں اس کے سامنے پیش کردیں۔ [چنانچہ] صبح کے وقت وہ شاہانہ آن بان کے ساتھ [مضافات سے ڈیرے اٹھا کر] دھلی میں داخل ہوا اور [آتے ہی] محل ہزار ستون کے ایوان میں بیٹھ کر سلطان علاؤالدین اور اس کے فرزند سلطان قطب الدین کی عزاداری میں مشغول ہوگیا۔ تین دن تک وہ عزاداری کی رسمیں ادا کرتا رہا۔ اسی اثناء میں اس نے شہر دھلی میں منادی کرائی کہ سلطان علاؤالدین اور سلطان قطب الدین کے خاندان میں سے اگر کوئی آدمی باقی بچا

هو تو خود کو ظاهر کرے ۔ تا کہ میں اسے تخت پر بٹھا کر دل و جان سے اس کی بارگاہ کی خدمت اور ملازمت کرتا رهوں ۔ لیکن جب کافی تفتیش اور جستجو کے بعد بھی کوئی شخص ظاهر نہ هوا تو آخرکار امیروں ، سپاهیوں ، رئیسوں ، عالموں ، مشایخوں اور عوام نے متفقہ طور پر طے کیا کہ سلطنت اور حکومت کے لایق صرف غازی ملک ھے کہ جس نے فتنہ و فساد سے مُلک کو پاک کر کے اهل اسلام کو تقویت پہونچائی ھے ۔ چنانچہ سنہ ۷۲۰ھ میں غازی ملک کو سلطان غیاث‌الدین تغلق شاہ کا لقب دےکر سبھوں نے اس کی بیعت کی اور اسے دهلی کے تخت پر بٹھا کر اس کے نام کا خطبہ پڑھا ۔ اس کے بیٹے فخر ملک کو سلطان محمد شاہ کا لقب دیا گیا ۔

جن دنوں کہ سلطان غیاث‌الدین ملتان سے دهلی کی طرف روانہ هوا تھا ، انهیں دنوں سومرہ [قبائل] نے بغاوت کرکے ٹھٹھہ پر قبضہ کرلیا تھا ۔ چنانچہ سلطان غیاث‌الدین نے [۳۶] ملک تاج‌الدین کو ملتان میں ، خواجہ خطیر کو بکھر میں اور ملک علی شیر کو سیوستان پر مامور فرمایا ۔ سنہ ۷۲۳ھ کے اواخر میں سلطان غیاث‌الدین تغلق شاہ نے اپنے لائق فرزند سلطان محمد کو ولی عہد مقرر کرکے شہر کے اهم لوگوں سے اس کے نام بیعت نامہ لکھوایا ۔ اس کے بعد سنہ ۷۲۵ھ کے اوائل میں اس کی شمعِ حیات هوائے اجل کے سخت جھونکے سے گُل هوگئی ۔

سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ کا ذکر

سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نے موروثی تخت سلطنت پر

بیٹھتے ہی عدل و انصاف جاری کیا اور ملک کے طول و عرض میں اس کی نیکیوں او اچھائیوں کی شہرت پھیل گئی۔ سنہ ۷۲۷ھ میں اس نے کشلوخان کو ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس کے بعد دولت آباد کو جاکر اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ وہاں دو سال بمشکل رہا ہوگا کہ کشلوخان نے بکھر سے ملتان آکر اور ملتانیوں اور بلوچوں کو اپنے ساتھ ملاکر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ یہ خبر سنتے ہی سنہ ۷۲۸ھ میں سلطان محمد شاہ عجلت کے ساتھ ملتان پہونچا۔ کشلوخان سرکشی کے ساتھ اپنے مربی کے مقابلہ پر آیا۔ جنگ شروع ہوتے ہی مقدمہ کے جیوش نے کشلوخان پر حملہ کرکے اور اس کا سر کاٹ کے بادشاہ کے حضور میں پیش کردیا۔ اس کی فوج بادشاہ کے خوف سے منتشر ہوکر ادھر ادھر بھاگ گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ملتانیوں کے خون کا دریا بہادیا جائے۔ جب جلادوں نے ننگی تلواریں ہاتھ میں لے کر ملتانیوں کے قتل عام کا ارادہ کیا تو شیخ الاسلام شیخ رکن الدین، ملتانیوں کی سفارش کرنے کے لئے سلطان کے دربار میں سر برہنہ آ کھڑے ہوئے۔ آخرکار ایک ساعت کے بعد سلطان نے شیخ کی سفارش قبول [۴۷] کرکے ملتانیوں کا قصور معاف کیا اور ملتان، بکھر اور سیوستان میں معتمد امرا کو مامور کرکے اسی سال کے آخیر میں واپس چلا گیا۔

سنہ ۷۴۴ھ میں سلطان محمد شاہ کے دل میں خیال آیا کہ عباسی خلیفہ کی اجازت کے بغیر مملکت دھلی پر حکمرانی اور

سلطانی کرنا جائز نہیں ھے چنانچہ غائبانہ طور پر اس نے خلیفہ کی بیعت کی ۔ اس امر میں اس نے یہاں تک مبالغہ کیا کہ خلق کو اس وقت تک جمعہ سے روک دیا ، کہ جب تک ملک رفیع کو تحائف کے ساتھ مصر نہ بھیج دیا ۔ خلیفۂ مصر نے ملک رفیع اور اپنے آدمیوں کے ھاتھوں اس کے لئے پرچم اور خلعت بھیجا ۔ سلطان نے خوش ھوکر ان لوگوں کی بیحد تعظیم کی اور انھیں رقمیں انعام دے کر خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور اپنا نام اس کے بعد شامل کیا ۔

سنہ ۷۵۱ھ میں سلطان محمد شاہ دارالملک دھلی سے گجرات کی طرف روانہ ھوکر سرعت کے ساتھ کرنال پہنچ گیا ۔ وھاں سلطان کا "طغی" نامی ایک غلام باغی ھوکر کھنبھات بندر کی طرف بھاگ گیا تھا ۔ چنانچہ جب سلطان وھاں جا پہونچا تو وہ وھاں سے فرار ھوکر جاڑیجہ [قبائل کے] لوگوں سے جا ملا ۔ سلطان نے بھی "ناکنی" کا عزم کرکے ٹھٹھہ کی طرف کوچ کیا اور موضع تھری میں پانی کے کنارے منزل انداز ھوکر [بقیہ] لشکر کے آجانے کا انتظار کرنے لگا ۔ وھاں سلطان کو تپ کا عارضہ ھوگیا اور سفر کی پریشانی اس کے دل میں جاگزیں ھوگئی ۔ چنانچہ تھری سے کوچ کرکے وہ کنندل آگیا ۔ یہاں سلطان کو مرض سے صحت حاصل ھوئی اور اسی منزل میں دریا کی راہ سے اس کے اھل حرم بھی اس کی خدمت میں حاضر ھوگئے ۔ ان کی آمد پر سلطان نے خوش ھوکر لشکر کو کثیر انعام سے سرفراز کیا اور جمعیت عظیم کے ساتھ ٹھٹہ کی طرف متوجہ ھوا ۔ طغی

جو کہ ٹھٹھہ بھاگ آیا تھا وہ بے حد سرا سیمہ ہوا اور اسے کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔ جس دن سلطان ٹھٹھہ سے چودہ [۴۸] کوس کے فاصلہ پر پہونچا ، اتفاق سے وہ عاشورہ کا دن تھا ، چنانچہ سلطان نے وہاں پر قیام کرکے روزہ رکھا ۔ دوسرے دن سلطان کا وہی مرض پھر پلٹ آیا اور اس کے جسم پر حرارت نے سخت غلبہ کیا ۔ حکیموں اور طبیبوں نے کافی علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور آخرکار ۲۱ - محرم سنہ ۷۵۲ھ کو سلطان محمد شاہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا ۔

سلطان فیروز شاہ کا ذکر

جب سلطان محمد شاہ نے خود میں موت کی علامتیں دیکھیں تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی فیروز شاہ کو ، کہ جس کی پیشانی پر بزرگی کے نشانات واضح تھے اور شان و شوکت کا نور روشن تھا ، اپنا ولیعہد بنا کر ملک ، قبیلہ اور سپاہیوں کے بارے میں وصیت کی اور پھر اس تنگ جہاں سے آخرت کے کشادہ میدان کی طرف کوچ کر گیا ۔ امیروں ، وزیروں ، رئیسوں اور عام خلق نے اسی منزل پر [ولیعہد کی] بیعت کی اور مورخہ ۲۴ محرم الحرام سنہ ۷۵۲ھ کو تخت پر بیٹھکر سلطان فیروز شاہ نے دربار عام منعقد کیا اور لوگوں کو انواع و اقسام کی مہربانیوں اور احسانات سے سرفراز کیا ۔

سلطان کی موت کی خبر سنکر طغی نے سومرہ ، جاڑیجہ اور

. سمہ قبائل کے لوگوں کو اکٹھا کرکے لشکر ترتیب دیا اور پھر اسے ساتھہ لے کر شاھی فوج کی طرف چل دیا۔ فیروز شاہ نے یہ خبر سنی تو دو ہزار سپاھی مامور کردیئے، جنھوں نے راتوں رات دریا عبور کرکے طغی اور سومروں کے مقابل ھوکر گھمسان کی جنگ شروع کردی۔ چنانچہ طغی بھاگ گیا۔ سومروں نے دوسرے دن بھی جنگ کی لیکن اس جنگ میں بھی شکست کھائی اور آن کے کثیر آدمی قتل ھوگئے۔ مذکورہ سال کے یکم صفر کو سلطان فیروز شاہ ٹھٹھہ سے کوچ کرکے تخت گاہ دھلی کی طرف روانہ ھوا اور فیصلہ کیا کہ سپاھی روزانہ پانچ کوس سے زیادہ مسافت نہ کریں۔ سانکرہ جھیل پر [٤٩] ایک قلعہ تعمیر کراکے اس نے نصر کو ہزار سواروں کے ساتھہ وھاں مامور کیا اور ملک بہرام کو ان حدود کا فوجدار ھوکر رھنے کا حکم صادر کیا۔ پھر سیوستان پہونچکر وھاں کی حکومت پر ملک علی شیر اور ملک تاج کافوری کو متعین کیا اور اس کے بعد حضرت شہباز قلندر اور وھاں کے دوسرے مشائخین کے آستانہ کی زیارتیں کرکے مخدوموں اور حقداروں کے لئے وظیفے اور گذران کے ذریعے مقرر کئے۔ وھاں سے بکھر آکر اس نے بیس دن وھاں قیام کیا اور ملک رکن الدین کو اپنا نائب اور ملک عبدالعزیز برید کو بکھر کا دیوان مقرر کرکے آسّی چیدہ افراد کو قلعہ کی حفاظت پر مامور کیا۔ [ساتھہ ھی ساتھہ] ملک رکن الدین کو "اخلاص خانی" کا خطاب عطا کرکے اسے سندھ کے کاروبار انجام دینے کا بھی اختیار دیا۔ اس طرح

منزلیں طے کرتا وہ جس خط پر جا پہونچتا وہاں کے لوگوں کو
بخششوں اور نوازشوں سے اپنا ممنون بنالیتا۔ آخر کار ماہ رجب
سنہ ۷۵۲ھ میں تخت گاہ دھلی پہونچکر وہ کمال استقلال کے
ساتھ تخت پر بیٹھا اور شاہانہ جشن کا انتظام کر کے خلق کو
بخشش اور انعامات سے نوازا اور انھیں عدل و انصاف کی نوید
سنا کر ھر خاص و عام اور جملہ رعایا کو اس کے مطلوبہ مقاصد
سے سرفراز کیا۔ پھر ماہ صفر سنہ ۷۵۳ھ کی ۵ تاریخ کو وہ
اپنے ممالک محروسہ کی سیر کو نکلا۔ اس دوران میں بیشتر
زمینداروں نے حاضری کا شرف حاصل کر کے [اس سے] اپنی
اطاعت اور فرماں برداری کا اظہار کیا۔ سنہ ۷۵۹ھ میں وہ
کلانور اور اس کے اطراف کے پہاڑوں کے دامن میں شکار کھیلنے
کے لئے گیا اور واپس ہوتے وقت [اس نے] دریا سر سوتی کے
کنارے عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ پھر شیخ صدرالدین
بن شیخ بہاءالدین زکریا کو "شیخ الاسلام" کا خطاب عطا
کر کے [اس نے انھیں] وطن روانہ کیا۔ سنہ ۷٦۰ھ میں سلطان
فیروز شاہ، ملک بنگال کو اپنے قبضہ میں لایا اور ماہ رجب سنہ
۷۷۲ھ میں [۵۰] نگر کوٹ کی طرف روانہ ہوا۔ جب دامن
کوہ کے قریب پہونچا تو لوگ ایک طشت میں برف کا ایک
ٹکڑا رکھ کر سلطان کے سامنے لائے۔ سلطان نے فرمایا کہ جب
سلطان محمد شاہ یہاں آیا تھا تو اسے بھی برف پیش کی گئی
تھی اور اس نے فرمایا تھا کہ اس سے شربت تیار کیا جائے۔
لیکن جب شربت تیار کر کے اسے پیش کیا گیا تھا تو اس وقت

یہ بندہ حاضر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بھی نہ پیا اور فرمایا کہ فیروز شاہ کے ساتھ پیونگا۔ میرے حق میں [مرحوم نے ایسی] ایسی مہربانیاں کیں تھیں۔ چنانچہ میں بھی یہ شربت اس وقت تک نہ پیونگا کہ جب تک سوشتر بار نبات کا برف آمیز شربت تیار کرکے سلطان کی روح کی خاطر لوگوں میں تقسیم نہ کیا جائے - چنانچہ اس نے ایسا ھی کیا۔

القصہ، نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد سلطان نے ٹھٹھہ کا رخ کیا۔ اس کے ٹھٹھہ پہونچنے پر ٹھٹھہ کے والی جام خیرالدین نے قلعہ آب میں محصورہ ھوکر کچھہ عرصہ اپنے لشکر کا دفاع کیا۔ سلطان غلہ کی تنگی، گھاس کی کمی، پانی کے سیلاب اور مچھروں کی کثرت کی وجہ سے [محاصرہ اٹھاکر] گجرات چلاگیا اور برسات (۱) کا موسم وھاں گذارا۔ پھر نظام‌الملک کو موقوف کرکے گجرات کو ظفر خان کے حوالہ کیا اور ٹھٹھہ پر چڑھائی کی - ٹھٹھہ پہونچنے پر جام خیرالدین امان طلب کرکے خدمت میں حاضر ھوا۔ سلطان نے اس پر نظر کرم کرتے ھوئے حکم دیا کہ اس علاقہ کے دوسرے زمینداروں کے ساتھہ اسے بھی دھلی لے جایا جائے۔ جب [یہ لوگ] سیوستان کے نواح میں پہونچے تو جام خیرالدین نے فرار ھوجانے کا ارادہ کرکے طے کیا کہ کوچ کرتے وقت دریا کے کنارے پہونچکر کسی چھوٹی سی ڈونگی میں سوار ھوکر نکل جاؤں گا - لیکن

---

(۱) یہاں اصل متن میں "بشکال"، نسخہ م میں "برسکال"، ر اور س میں "برنگال" اورح میں "برشکال" ھے۔

اس کے پاسبانوں کو اس کی خبر ہوگئی اور انھوں نے جا کر سلطان کو آگاہ کیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ جام خیرالدین کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر اسے دھلی لے جایا جائے۔ یہ حکم دے کر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ دارالملک دھلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نے جام خیرالدین کے بیٹے جام جونہ کو خلعت دے کر اور ٹھٹھہ کی حکومت تفویض کر کے [وھاں سے] رخصت کر دیا۔

سلطان فیروز شاہ نے ۳۸ سال اور کچھ ماہ استقلال کے ساتھ بادشاھت کی [۵۱] اور مورخہ ۱۸ رمضان سنہ ۷۹۰ ھ کو وفات پائی۔ بیت:

فلک را سر انداختن شد سرشت
نشاید کشیدن سر از سر نوشت
کہ داند کہ این خاک انگیختہ
بخونِ چہ دلھاست آمیختہ
همه راه گر نیست بیننده کور
ادیم گو ز نست کیمخت گور

سلطان تغلق شاہ بن فتح خان بن سلطان فیروز کا ذکر

وہ ۱۸ رمضان سنہ ۷۹۰ھ کو سلطان فیروز شاہ کی وصیت اور امرا کی کوششوں سے، فیروز آباد کے محل میں، سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے لقب سے تخت سلطنت پر متمکن ھوا۔

اس پر سلطان فیروز شاہ کے حقیقی بیٹے، سلطان محمد شاہ، کہ جس سے ناراض ہو کر سلطان نے اسے ملک کے نواح میں متعین کردیا تھا، اور امرا کے درمیان سخت مخالفت ہوگئی ۔ [ایک طرف] سلطان محمد شاہ سلطنت کا دعویدار بنکر مقابلہ پر آیا اور [دوسری طرف] نامور امرا سلطان تغلق شاہ کے ساتھ ملکر اس کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ماہِ ذی الحجہ میں کوہِ سرمور کی طرف آیا ۔ چنانچہ سلطان تغلق شاہ نے ایک لاکھ سوار ساتھ لیکر اسکا تعاقب کیا۔ لیکن پھر مہم سر کئے بغیر ہی واپس آگیا اور شہر آکر عنفوان شباب میں ہونے کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا ۔ چنانچہ ملک و سلطنت کے امور تعطل میں پڑگئے اور کاروبار مملکت میں نقص و فتور پیدا ہوگیا - نا تجربہ کاری اور زائد دور اندیشی کے سبب اس نے اپنے حقیقی بھائیوں کو بھی قید کردیا تھا ۔ [ان حالات میں] اس کا بھتیجہ ابو بکر بن مظفر خان خوف و ہراس سے دامن بچاکر نکل گیا۔ وزیر ملک رکن الدین اور دوسرے امیروں نے اس کے ساتھ ملکر علمِ بغاوت بلند کیا اور ملک مبارک کبیر کو، فیروزآباد دہلی میں، تغلق شاہ کے دولت کدہ کے دروازہ پر قتل کردیا ۔ باغیوں کی قوت اور غلبہ کو دیکھ کر خود [تغلق شاہ] بھی خان جہان کے ساتھ دریائے جمنا کی سمت والے دروازہ سے نکل گیا۔ ملک رکن الدین نے [فوراً] ان کا تعاقب کیا [۵۴] اور دونوں کو قتل کر کے ان کے سر بھی اسی دروازہ پر لٹکا دئیے - یہ واقعہ ۲۱ ماہ صفر سنہ ۷۹۱ھ کو

پیش آیا۔ تغلق شاہ کی بادشاہت کی مدت ۵ ماہ اور تین دن تھی، والعلم عنداللہ۔

سلطان ابوبکر شاہ کا ذکر

اس واقعہ کے بعد نا سمجھ امیروں نے سلطان ابوبکر بن ظفر خان بن فیروز شاہ کو بادشاہت سونپ کر اسے سلطان ابوبکرشاہ کا لقب دیا اور منصب وزارت پر ملک رکن الدین کو مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد سلطان ابوبکر شاہ کو معلوم ہوا کہ بعض فیروز شاہی امیروں سے مل کر اور اسے درمیان سے نکال کر ملک رکن الدین خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ چنانچہ پیش دستی سے [کام لیتے ہوئے] سلطان ابوبکر شاہ نے ملک رکن الدین کو قتل کردیا۔ ملک رکن الدین کے بعد سلطان ابوبکر شاہ کو قوت حاصل ہوگئی اور اس نے غلبہ پیدا کرلیا۔

اسی اثناء میں یہ خبر ملی کہ میر "صدہ" سامانہ نے وہاں کے حاکم کو خنجر سے ذبح کر کے اور اس کا گھر تباہ کر کے اس کا سر سلطان [محمد شاہ] کے پاس نگر کوٹ بھیج دیا ہے۔ یہ اطلاع پا کر سلطان محمد شاہ نگر کوٹ سے سامانہ آیا اور ماہ ربیع الاول مین تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔ میر صدہ سامانہ اور وادیِ کوہ کے زمینداروں نے نئے سرے سے اس کی بیعت کی۔ دھلی کے بعض امرا و ملوک بھی ابوبکر شاہ سے رو گردانی کر کے محمد شاہ سے آ ملے اور بیس ہزار سوار اور بے شمار پیادے اس کے گرد جمع ہوگئے۔ پھر جب وہ سامانہ سے دھلی روانہ ہوا

تو دھلی تک پہونچتے پہونچتے اس کی جمعیت پچاس ھزار
سواروں تک پہنچ گئی - [آخر] بتاریخ ۲۲- ماہ ربیع الآخر
سنہ ۷۹۱ ھ ، سلطان محمد شاہ نے قصر جہاں نما [۵۳] میں نزول
کیا اور مورخہ دوم ماہ جمادالاول سنہ مذکور کو فیروز آباد کی
گلیوں میں سلطان ابوبکر شاہ کی فوجیں سلطان محمد شاہ کی
فوجوں سے جنگ کر رھی تھیں - اسی دن بہادر خان میواتی بھی
کثیر لشکر کے ساتھ شہر مین آ پہنچا [جس سے] سلطان ابوبکر
شاہ کو تقویت مل گئی اور دوسرے دن اس نے صفیں آراستہ
کر کے جنگ کی - نتیجتہً محمد شاہ شکست کھا کر دو ھزار
سواروں کے ساتھ دریائے جون [جمنا] سے گذر کر دو آبہ کو
چلا گیا - اسی سال ماہ شوال میں اس نے دوبارہ دھلی پر چڑھائی
کی اور جا کر ابوبکر شاہ سے جنگ کی لیکن اس مرتبہ بھی
سلطان محمد شاہ [کی قسمت] کا پانسہ نہ پلٹا اور اس کے
لشکر نے شکست کھائی - [بیت]

تا در نرسد وعدۂ ھر کار کہ ھست

سودے نکند یاریٔ ھر یار کہ ھست

سلطان ابوبکر شاہ تین کوس تک اس کا تعاقب کر کے
دھلی واپس لوٹ آیا - سلطان محمد شاہ نے جلیسر جا کر قیام کیا
اور فوج اکٹھی کرنی شروع کردی - اسی سال ماہ رمضان میں
اس نے لاھور ، ملتان اور دیگر قصبات کے لوگوں کو فرمان
بھیجے کہ جس شہر میں بھی فیروز شاھی ملازموں کو پاؤ
[بیدریغ] قتل کر ڈالو - اکثر مقامات پر جہاں یہ حکم عمل

میں آیا وہاں زبردست لوٹ مار اور قتل عام ہوا اور خلق میں عجیب تفرقہ پیدا ہوا ۔ بالآخر محمد شاہ کے بھڑکانے پر امرا نے سلطان ابوبکر کی مخالفت کی اور محمد شاہ کو پوشیدہ طور پر خطوط لکھے ۔ [چنانچہ] ابوبکر شاہ مجبور ہو کر میوات کی طرف چلا گیا ۔ اس کی مدت حکومت کل ڈیڑھ سال تھی ۔

سلطان محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ کا ذکر

وہ ۱۶ ۔ رمضان سنہ ۷۹۲ ھ کو تخت سلطنت پر متمکن ہوا ۔ [۵۴] تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے باپ کے ان غلاموں اور خانہ زادوں کو شہر بدر کر دیا کہ جنھوں نے اس کی مخالفت کی تھی ۔ اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے لوگوں کو قتل کرادیا اور منادی کرادی کہ ان میں سے جو بھی شہر میں رہے گا اس کا خون خود اسی کی گردن پر ہوگا ۔

[القصہ] سلطان محمد شاہ ، عظیم جمیعت کے ساتھ ، دھلی میں وارد ہوا اور ملک و خزانہ پر کامل متصرف ہوا ۔ [پھر جب] اسے اقتدار کلی حاصل ہو گیا تو اس کے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ [مجھے] ابوبکر شاہ [کی طرف] سے غافل نہ رہنا چاھئے ۔ چنانچہ امرا کی ایک جماعت کی معیت میں اس نے اپنے بیٹے ھمایوں خاں کو اس پر متعین کیا ۔ یہ لشکر جب آکر کوٹلی کے نواح میں پہونچا ، کہ جہاں ابوبکر شاہ اقامت پذیر تھا ، تو ماہ محرم سنہ ۷۹۳ ھ میں اس نے فیروزشاہ کے ایک خانہ زاد غلام بہادر نامی کے ساتھ مل کر ھمایوں خاں کی

فوج پر شبخون مارا اور ان کے مابین معرکۂ کارزار گرم ھوا۔ بالآخر ابوبکر شاہ کو شکست ھوئی اور وہ اپنی فوج سمیت کوٹلہ کے قلعہ میں جاکر پناہ گزین ھوگیا۔ یہ خبر پاتے ھی محمد شاہ منزلیں طے کرتا ھوا خود بھی وھاں آ پہونچا اور محاصرہ کو ان پر اور تنگ کردیا۔ ابوبکر شاہ نے عاجز آکر امان طلب کی اور حاضر ھوا۔ سلطان محمد شاہ نے اسے قید کر کے میوات کے قلعہ میں بھیج دیا جہاں وہ فوت ھوگیا۔

سلطان دھلی کو واپس ھوگیا اور پھر وھاں سے اس نے گجرات کی طرف فوج کشی کی۔ اس کے کچھ ھی عرصہ کے بعد وہ بنگال کی طرف متوجہ ھوا اور وھاں کے سرکشوں اور باغیوں کی گوشمالی کر کے محمد آباد کے قلعہ میں جا کر رھا کہ جو اسی کے عہد میں تعمیر ھوا تھا۔ [وھاں] کچھ عرصہ کے بعد وہ بیمار ھوگیا۔ اسی اثناء میں خبر پہونچی کہ بہادر ناھر نے دھلی کے بعض نواحی مواضعات پر حملے کر کے خلل پیدا کر دیا ھے۔ [یہ خبر پاکر] ضعف کے باوجود سلطان میوات کی طرف روانہ ھوگیا۔ کوٹلہ پہونچے پر بہادر ناھر نے سامنے ھو کر اس سے جنگ کی اور شکست کھا کر کوٹلہ میں قلعہ بند ھوگیا۔ لیکن چونکہ اس میں قوتِ استقامت نہ تھی اس لئے بعد میں وھاں سے فرار ھوگیا۔ سلطان نے اس عمارت کے اھتمام [۵۵] کے پیش نظر کہ جو اس نے محمد آباد میں تعمیر کرائی تھی، محمد آباد کا قصد کیا۔ لیکن اسی عرصہ میں اس کی بیماری بڑھ گئی اور ١٧- ربیع الاول سنہ ٧٩٦ھ کو وہ سفرِ

آخرت پر روانہ ہوگیا - اس کی مدت سلطنت ۶ سال اور سات ماہ تھی -

سلطان علاؤالدین شاہ بن محمد شاہ کا ذکر کہ پہلے جس کا نام همایوں تھا

سلطان محمد شاہ کے فوت ہونے کے بعد اس کا منجھلا بیٹا، کہ جسے ہمایوں کہتے تھے، تین دن تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد، مذکورہ سنہ کے ۱۰- ربیع الاول کو، امرا و شہزادگان کے اتفاق سے تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنے باپ کے ملازموں کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا - پھر بتاریخ پنجم ماہ جمادی الاول سنہ مذکور کو وہ [اچانک] بیمار ہوا اور انتقال کر گیا۔

تخت دولت چہ شد (۱) ار یار نشد اے خواجہ دهر
نہ توان خورد از این مائدہ جز قسمت خویش

محمد شاہ کے چھوٹے بیٹے سلطان ناصرالدین محمود شاہ کا ذکر

سلطان علاؤالدین کے انتقال کے بعد بیشتر امرا نے ارادہ کیا کہ وہ بغیر اجازت کے اپنی اپنی جاگیروں کو چلے جائیں لیکن سلطان محمد شاہ کے وزیر اعلیٰ خان جہان کو اسکی اطلاع مل گئی اور وہ تسلی دے کر انھیں شہر واپس

(۱) "بخت و دولت چہ شد" الخ (طبقات اکبری).

لے آیا - [اس کے بعد] ۲۰- جمادی الاول سنہ ۷۹۶ھ کو امرا، شہزادگان اور اکابرینِ شہر کی اتفاق رائے سے، سلطان ناصرالدین، قصر ھمایوں میں، محمود شاہ کے لقب سے، تختِ سلطنتِ پر رونق افروز ھوا - اس نے اپنے باپ اور بھائی کے وزرا، امرا اور ملازمین کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھتے ھوئے مقرب الملک کو مقرب خان کا لقب دے کر ولی عہد بنایا - خان جہاں کو "سلطان الشرق" کا خطاب دیا، اور [۵۲] قنوج سے لے کر بہار تک کا ملک اس کی تحویل میں دے کر لشکر عظیم کے ساتھ اسے رخصت کیا اور اس صوبہ کی عنان اختیار اس کے ھاتھوں میں دے کر اسے با اقتدار بنایا- اس نے اس خطہ پر مکمل غلبہ حاصل کرکے وھاں کے زمینداروں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا اور جو قلعے کہ ویران ھوگئے تھے انھیں نئے سرے سے تعمیر کرایا- بنگال کے بادشاہ اور اطراف و جوانب کے حکام جو تحفے اور نذرانے سلطان فیروز شاہ کو بھیجا کرتے تھے وہ اب سلطان محمود شاہ کے پاس بھیجنے لگے-

اسی سال سلطان محمود شاہ نے سارنگ خان کو دیبالپور، ملتان اور سندھ کے بندوبست پر مامور کیا - [اس نے] شیخا کھوکھر کی بغاوت کو دفع کرنے کے لئے، کہ جنھوں نے لاھور میں اودھم مچا رکھا تھا، رائے خلجی خان بھٹی، رائے داؤد، کمال مہین اور ملتان کے لشکر کو روانہ کیا - وہ ماہ ذوالقعد ۷۹۶ھ میں کوچ کرکے جب لاھور کے قریب پہونچے تو شیخا کھوکھر نے زبردست جمعیت کے ساتھ لاھور سے بارہ کوس کے

فاصلہ پر ان کا مقابلہ کیا اور خوفناک جنگ کی۔ لیکن سارنگ خان کو فتح نصیب ہوئی اور شیخا کھوکھر نے شکست کھا کر کوہ جمو کی راہ لی۔ دوسرے دن سارنگ خان قلعۂ لاہور پر قابض ہوا اور اپنے بھائی ملک کھندو کو "عادل خان" کا خطاب دے کر وہاں مامور کیا اور خود دیبالپور چلا گیا۔

سنہ مذکور کے ماہ شعبان میں سلطان محمود شاہ خود بھی، مقرب خان کو معتمد افراد کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ میں چھوڑ کر، بیانہ اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ گوالیار کے نزدیک پہونچنے پر ملک علاؤالدین دھار وال، مبارک خان ولد ملک راجو اور ملو برادر سارنگ خان [وغیرہ] سلطان کے ساتھ دغا کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ سعادت خان نے [اس سازش سے] باخبر ہونے پر ملک علاؤالدین [۵۷] اور مبارک خان کو قابو میں کر کے قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے خائف ہو کر ملو سلطان کے پاس حاضر ہوا لیکن دلی کدورت سے آگاہ ہو کر کسی ترکیب سے لشکر سے نکل گیا اور شہر میں پہونچ کر علم بغاوت بلند کیا۔ سلطان نے سعادت خان کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا اور روزانہ جنگ کرتا رہا۔ یہ سلسلہ تین ماہ تک جاری رہا۔ [آخر] مقرب خان کے کچھ خیر خواہ فریب دے کر سلطان کو سعادت خان سے جدا کر کے شہر میں لے گئے۔ سعادت خان نے جب دیکھا کہ کوئی بس نہیں چلتا، دھلی کا قلعہ فتح ہونا مشکل ہے اور بارش سر پر آگئی ہے تو وہ شہر کا محاصرہ چھوڑ کر فیروز آباد چلا گیا اور بعض خاص لوگوں کی

رائے پر نصرت شاہ بن فیروز خان بن سلطان فیروز شاہ کو، جو کہ میوات میں تھا، اسی سال ماہ ربیع الاول میں، فیروز آباد میں تخت سلطنت پر بٹھا کر اسے ناصرالدین نصرت شاہ کا لقب دیا۔ امرا نے جب دیکھا کہ نصرت شاہ صرف کھلونا ہے تو انھوں نے مکر و حیلہ سے کام لیکر نصرت شاہ کو سعادت خان سے جدا کردیا اور لشکر اکٹھا کر کے بے خبری میں جا کر سعادت خان پر جو کہ امیرالامرا تھا ٹوٹ پڑے۔ وہ تاب نہ لا کر دھلی چلا گیا اور جا کر مقرب خان سے ملگیا۔ مقرب خان نے اس پر قابو پا کر اسے قتل کرادیا۔ نصرت شاھی امراء، جیسے کہ محمد مظفر شہاب الدین ناھر، فضل اللہ خان بلخی اور خانہ زادان، فیروز شاھی نے لاچار ھوکر دوبارہ نصرت شاہ کی بیعت کی اور متعدد ولایتون پر قبضہ جمایا۔ ادھر سلطان ناصرالدین محمود شاہ امرا اور لشکر کے نفاق اور نمکحرامی سے بے حد متفکر ھوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے کوئی بھی راہ سجھائی نہ دیتی تھی۔ اسی طرح طرفین کے مابین جنگ ھوتی رھی۔

سنہ ۷۹۸ھ میں لاھور اور دیبالپور کے حاکم سارنگ خان کی، جو کہ سلطان محمود شاہ کی جانب سے مامور تھا، ملتان کے حاکم خضر خان سے ان بن ھو گئی۔ [۵۸] ملک بھٹی کے بعض ملازم جا کر سارنگ خان سے ملگئے، جس کی وجہ سے سارنگ خان نے قوت حاصل کر کے جا کر ملتان پر قبضہ کرلیا اور پھر وھاں سے ماہ رمضان سنہ ۷۹۹ھ میں لشکر فراھم کر کے

دھلی کا قصد کیا۔ دھلی کے امرا بھی لشکر اکٹھا کر کے اس کے دفعیہ اور استیصال کی طرف متوجہ ھوئے۔ ۱۵ محرم سنہ ۸۰۰ھ کو ان کے درمیان جنگ ھوئی، جس میں سارنگ خان کو شکست ھوئی اور وہ ملتان واپس چلا یا گیا۔

چونکہ دونوں شاھزادے ایک دوسرے سے جنگ کرتے رھتے تھے اور کاروبار مملکت میں بدنظمی پیدا ھو چکی تھی اس لئے [اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ھوئے] ماہ ربیع الاول سنہ ۸۰۰ھ میں امیر تیمور صاحبقران کے پوتے مرزا پیر محمد نے پنجاب کے دریاؤں کو عبور کر کے قلعہ اُچ کا محاصرہ کرلیا۔ ملک علی جو کہ سارنگ خان کی جانب سے اُچ کا حاکم تھا وہ قلعہ بند ھوکر ایک ماہ تک جنگ کرتا رھا۔ سارنگ خان نے [اسی اثناء میں] ملک تاج الدین کی معیت میں چار ھزار سوار ملک علی کی مدد کے لئے بھیجے۔ مرزا پیر محمد کو اس کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر ملک تاج الدین کے مقابل ھوا اور اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد پیچھے سے پلٹا کھا کر اس نے جا کر قلعہ ملتان کا محاصرہ کرلیا۔ سارنگ خان چھ ماہ تک جنگ کرتا رھا۔ طرفین میں ھر روز جنگ ھوا کرتی تھی۔ آخر کار [سارنگ خان نے] امان طلب کر کے مرزا کی ملازمت کا شرف حاصل کیا۔

ملتان کو فتح کرنے کے بعد مرزا پیر محمد کچھ دنوں کے لئے وھیں ٹھیر گیا۔ اس طرف دھلی کے بادشاھوں کے امرا نے میرزا پیر محمد کے غلبہ کی خبر سن کر سال مذکورہ کے ماہ

شوال میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر اکٹھے ہوکر آپس میں عہد و اقرار کیا ۔ ان امرا نے بادشاہوں پر حاوی ہوکر انھیں صرف کھلونا بناکر آپس میں اتفاق کیا تھا ۔ دوسری طرف سندھ کے لوگ صاحبقران کی آمد تک ہندوستان کے بادشاہوں کے مطیع و فرمانبردار رہے ۔ اپنے پوتے میرزا پیر محمد کی آمد کے بعد، ماہ صفر سنہ ۸۰۱ھ میں، جب [امیر تیمور صاحبقران] خود بھی طلنبہ پر حملہ آور ہوکر [۵۹] ملتان میں منزل انداز ہوا اور جن لوگوں کو میرزا پیر محمد نے قید کیا تھا انھیں سزائیں دیں تو اس کے بعد سندھ کے حاکم دھلی کے بادشاہوں کی اطاعت ترک کرکے خود مختار حکمراں بن گئے۔ جیسا کہ ذیل میں درج ہے ۔

سومروں اور سموں کی حکومت کا بیان

سومروں کا ذکر

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ جب غازی سلطان محمود نے غزنی سے ملتان پہونچ کر قلعہ ملتان فتح کرنے کا قصد کیا اور آخر اس پر قابض ہوگیا تو اس نے اپنے آدمی سندھ بھی روانہ کئے تھے، جنھوں نے آکر ملک سندھ پر اپنا تسلط جمالیا تھا ۔ پھر جب غازی سلطان محمود کے بعد اس کی سلطنت اس کی اولاد کو منتقل ہوئی اور حکومت اور بادشاہت کا سلسلہ عبدالرشید بن سلطان مسعود تک آ پہونچا تو اس کے شب و روز عیش و عشرت میں مشغول رہنے اور کاروبار مملکت سے غافل رہنے کی

وجہ سے دور دراز کی سرحدوں کے لوگوں نے اس سے سرکشی اختیار کی اور اس کے دائرۂ اطاعت سے آزاد ہو گئے۔

الغرض اسی زمانہ میں تھری کے گرد و نواح کے سومرہ قبائل نے سومرہ نامی ایک شخص کو مسند حکومت پر بٹھادیا۔ اس نے کافی عرصہ تک اس قوم کا سردار رہ کر ملک کے نواح کو فسادیوں سے پاک کیا اور صاد نامی ایک زمیندار سے، کہ جو اس علاقہ میں اپنی خود مختاری کے نعرے بلند کر رہا تھا، صلح کا رشتہ جوڑ کر اس کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لایا۔ اس کے بطن سے اسکا ایک بیٹا بھونگر نامی تولد ہوا جس نے باپ کی وفات کے بعد موروثی مسند حکومت پر بیٹھ کر آگے قدم بڑھایا لیکن اس نے آخر کار بستر علالت پر اپنی جان قابض الارواح کے سپرد کی۔ اس کے بعد دودا نامی اس کا بیٹا سہمات مملکت کا کفیل ہوا۔ [۲۰] اس نے چند سال استقلال سے گذ رے اور نصرپور تک کا ملک اپنے قبضہ میں کیا۔ پھر وہ بھی اوائل جوانی میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا سنگھار نامی ایک کمسن بیٹا [تخت کا] وارث ہوا۔ لیکن چونکہ وہ کمسن تھا اس لئے کچھ مدت تک تاری نامی اس کی بہن حکومت کرتی رہی اور رعایا اس کی مطیع و فرمانبردار رہی۔ اس کے بعد جب سنگھار بالغ ہو گیا تو تخت سلطنت پر بیٹھ کر ملک و مال کا کاروبار اس نے اپنے ہاتھوں میں سنبھالا اور جو لوگ کہ بغاوت، سرکشی اور نافرمانی کر رہے تھے انھیں تنبیہ و تادیب کر کے ملک "کچھ" پر حملہ آور ہوا اور ناکنی تک کے ملک پر اپنا قبضہ

جمالیا۔ آخر کچھ عرصہ بعد اس نے بھی آخرت کا سفر اختیار کیا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ چنانچہ ھموں نامی اس کی بیوی قلعہ واھکہ میں حکومت کرنے لگی اور اپنے بھائیوں کو محمد طور اور تھری کی حکومت پر مامور کیا۔ کچھ عرصہ بعد دودا کے بھائیوں نے، جو کہ مضافات میں کہیں چھپے ہوئے تھے، ظاھر ھوکر ھموں کے بھائیوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ اسی اثنا میں دودا کی اولاد میں سے ایک شخص پھتو نے خروج کیا، جس کے گرد زبردست فوج جمع ھوگئی۔ اس نے حکومت کی دعویدار ساری جماعتوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور خود تخت حکومت پر آ بیٹھا۔ کچھ مدت حکومت کرنے کے بعد آخر اس کی زندگی کے دن بھی پورے ھوگئے۔ اس کے بعد خیرا نامی ایک شخص ملکی معاملات کی طرف متوجہ ھوا۔ وہ پسندیدہ اخلاق کا حامل تھا۔ لیکن چند ھی سالوں بعد اس کا آفتابِ حیات بھی افقِ ممات میں غروب ھوگیا۔ اس کے بعد ارمیل نامی ایک شخص مسند حکومت پر بیٹھا لیکن وہ ظالم اور مردم آزار تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے اسے موقوف اور قتل کردینے کا ارادہ کیا۔

[اس وقت تک] سمہ قوم کے لوگ "کچھ" کی طرف سے آکر سندھ کے گرد و نواح میں آباد ھو چکے تھے اور سندھ کے لوگوں سے ان کی دوستی اور تعلقات کے سلسلے استوار ھوچکے تھے۔ [۲۱] اسی زمانے میں سمہ قوم میں انڑ نامی ایک شخص تھا، جس کی پیشانی سے آثار ھدایت ھویدا تھے۔ چنانچہ ملک

کے جملہ مقتدر افراد خفیہ طور پر علی الصبح اس کے گھر میں
جمع ہوئے ۔ پھر آپس میں مشورے کرنے کے بعد متفق ہو کر
انھوں نے ارمیل کو قتل کردیا اور اس کا سر شہر کے دروازہ
پر لٹکادیا ۔ اس کے بعد سب نے مل جل کر انڑ کو تخت
حکومت پر بٹھادیا ۔

جام انڑ بن بانبھنیہ (۱) کا ذکر

امرا کے اتفاق کے بموجب وہ مستقل حاکم ہوا اور اس کے
گرد کثیر خلق جمع ہوگئی ۔ پھر وہ کثیر لشکر ساتھ لے کر
سیوستان (سیوھن) کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا اور سیوستان
کے نواح میں پہونچ کر، ملک رتن کے مقابلہ پر، جو کہ ترکی
شہنشاہ کا گورنر تھا ، میدان جنگ آراستہ کیا ۔ ملک رتن
بھی فوج کو تیار کرکے قلعہ سے باھر نکلا اور میدان جنگی میں
آکر آتش کارزار بھڑکائی ۔ جام انڑ اس جنگ میں شکست
کھاکر بھاگ گیا لیکن دوسری مرتبہ بھائیوں کی مدد سے

---

(۱) تاریخ معصومی کے قلمی نسخوں اور دوسری کتب تواریخ میں
یہ نام بانیہ ، پانیہ ، بابنیہ، بانبینہ ، بانھبینہ، وغیرہ مختلف صورتوں
میں لکھا ہوا ھے ۔ در اصل یہ خالص سندھی نام " ٻانڀڻيو "
(= بانْبھنیّہ) ھے، جو کہ اب تک سندھ کے سمہ قبائل میں مروج
ھے اور مذکورہ دور کے بعد بھی مختلف سمہ سرداروں کا نام
، بانبھنیہ، دیا گیا ھے چنانچہ متن میں ہر جگہہ اس نام کو
، بانبھنیہ ، کی صورت مس لکھا گیا ھے ۔ (ن ۔ ب)

لشکر جمع کر کے وہ پھر جنگ کے لئے آیا۔ اس مرتبہ ملک رتن گھوڑے کو دوڑاتا ہوا [اچانک] گھوڑے کی پیٹھ سے سر کے بل زمین پر گر پڑا اور [اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے] جام انڑ، اس کے سر کو تن سے جدا کر کے، سیوستان کے قلعہ پر متصرف ہو گیا۔ [اس موقع پر] ملک فیروز اور علی شاہ ترک نے، جو کہ بکھر کے قریب رہتے تھے، اسے خط لکھا کہ " ایسی دلیری [ظاہر کرنا تیرے لئے] مناسب نہ تھی۔ بہر حال اب شاہی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں مرد بن کر ڈٹنا "۔ چنانچہ وہ ان باتوں سے متاثر ہو کر تھری کی طرف چلا گیا اور اسی دن بیمار ہو کر جہانِ آخرت کو کوچ کر گیا۔ اس کی مدتِ حکومت ۳ سال اور چھ ماہ تھی۔

بعضوں کا یہ خیال ہے کہ جام انڑ سیوستان فتح کر کے واپس ہوا اور ایک رات محفل عیش و عشرت جما کر شراب نوشی میں مشغول تھا کہ اسے باغیوں کے ایک گروہ کے پہونچنے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اس نے کاہی بن تماچی کو، جو کہ اس کا وکیل تھا، باغیوں کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ وہ مستی کی حالت میں یلغار کرتا ہوا اس گروہ تک جا پہونچا اور جنگ کے دوران میں گرفتار ہو گیا۔ [۲۲] ان لوگوں نے اسے قید کرلیا لیکن جام انڑ اس کے حال سے لاپرواہ رہتے ہوئے عیش و عشرت کی محفل میں مشغول رہا۔ کاہی بن تماچی دل میں کینہ رکھتے ہوئے، کسی ترکیب سے دشمن کے پنجہ سے آزاد ہو کر اور جام انڑ سے

منہ موڑ کر بکھر کے قلعہ میں جا پہونچا اور علی شاہ ترک سے ملاقات کی چنانچہ علی شاہ ترک نے ملک فیروز کے مشورہ پر لشکر جمع کر کے بہرام پور کے قلعہ میں جام انڑ کو قتل کردیا اور ملک فیروز کو قلعہ کی حکومت سونپ کر خود واپس ہوگیا۔ اس کے بعد جام انڑ کے آدمیوں نے تین دن بعد فریب دے کر کسی ترکیب سے کاھی بن تماچی اور ملک فیروز کو بھی قتل کر ڈالا۔

جام جونہ بن بانبھنیہ

جب جام انڑ فوت ہوگیا توسمہ قوم کے ایک شخص جام جونہ نے جام کا لقب اختیار کیا اور دل میں سارا سندھ فتح کرنے کا ارادہ کر کے اپنے بھائیوں اور عزیزوں پر مہربانیاں کیں اور انھیں [اپنے علاقوں میں] حاکم مقرر کیا۔ یہ لوگ ٹلٹی کی راہ سے دریا عبور کر کے قتل و غارت اور بکھر کے مضافات اور مواضعات کو برباد کرنے میں مشغول ہوگئے۔ سمہ قبائل اور بکھر کے حکمرانوں کے درمیان دو تین بار سخت معرکے ہوئے۔ ترکوں میں چونکہ مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے وہ قلعہ خالی کر کے آچ چلے گئے۔ جام جونہ اس لشکر کے بھاگ جانے کی خبر سن کر منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا بکھر کی طرف روانہ ہوگیا اور جب تک سلطان علاؤالدین نے اپنے بھائی الغ خان کو ملتان کی طرف مامور نہ کیا، تب تک کتنے ہی سال وہ سندھ میں خود مختار [حکمراں کے حیثیت سے حکومت کرتا] رہا۔ الغ خان نے جام جونہ کو دفع کرنے کے لئے ملک تاج کافوری

اور تاتار خان کو سندھ کی طرف بھیجا۔ لیکن اس لشکر کے آنے سے پہلے ھی اس پر موت نے شبخون مارا اور وہ خناق کے مرض میں مبتلا ھو کر فوت ھو گیا ۔ اس کی مدتِ حکومت ۱۳ سال تھی۔ سلطان علاؤالدین کا لشکر بکھر کے گرد و نواح میں پھونچکر اور بکھر کا قلعہ فتح کرکے سیوستان کی طرف روانہ ھو گیا ۔ [۲۳] ۔

جام تماچی بن جام انڑ (اور اس کا بیٹا خیرالدین)

اعیانِ مملکت کی اتفاق رائے سے وہ موروثی تخت سلطنت پر متمکن ھوا۔ سلطان علاؤالدین کا لشکر، جنگ کرنے کے بعد ، جام تماچی بن انڑ کو ، مع اھل و عیال، گرفتار کر کے دھلی لے گیا جہاں اس کے گھر کئی بیٹے پیدا ھوئے۔ [اس مدت میں] سموں کی جماعت تھری کے نواح میں وقت گذارتی رھی اور جام انڑ کے عمال کاروبار مملکت سنبھالتے اور معاملات کا انتظام و بندوبست کرتے رھے ۔ ایک مدت گذرنے کے بعد ملک خیرالدین ولد جام تماچی ، جو کہ صغر سنی میں باپ کے ساتھ دھلی گیا تھا ، باپ کے فوت ھونے کے بعد، سندھ واپس آیا اور اپنے ملک پر متصرف ھو کر تخت نشین ھوا ۔

کچھ عرصہ بعد (۱) سلطان محمد شاہ گجرات کی راہ سے سندھ میں وارد ھوا ۔ چونکہ جام خیرالدین کو پہلے ھی قید و بند کی تکالیف کا تجربہ ھوچکا تھا ، اس لئے وہ سلطان محمد شاہ

---

(۱) یعنی ماہ محرم ۷۵۲ھ میں ۔

کے طلب کرنے کے باوجود حاضر ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوا ۔ اسی اثناء میں ٹھٹھہ کے قریب سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نے سفر آخرت اختیار کیا ۔

کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے بعد (۱) وصیت اور وراثت کے مطابق سلطان فیروز شاہ تخت نشین ہوا اور دہلی جانے کا قصد کرتے ہوئے کئی منزلوں تک اس نے جام خیرالدین کا تعاقب کیا، لیکن پھر سیوستان کے موضع سن کے نواح سے واپس لوٹ گیا ۔ سلطان فیروز شاہ کے دل میں [اس ناکامی کا] دکھ [بدستور] رہا ۔ اس کے چلے جانے کے بعد جام خیرالدین نے عدل و انصاف کو عام کیا اور رعایا نیز عوام کی بہتری کے لئے ہر طرح کوششیں کرتا رہا ۔

جام نیک انجام کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے خواص اور ملازموں کے ساتھ سیر و تماشہ کے لئے باہر نکلا ۔ [اثناء راہ میں] ایک گڑھے کے اندر اچانک اس کی نظر انسانی ڈھانچوں پر پڑی ۔ فوراً باگ موڑ کر وہ کچھ دیر ان پرانی ہڈیوں کی طرف دیکھتا رہا ۔ اس کے بعد [۲۴] اس نے اپنے ملازموں سے پلٹ کر پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ ہڈیاں مجھ سے کیا کہہ رہی ہیں ؟ وہ گردن جھکا کر خاموش ہوگئے ۔ جام نے فرمایا کہ یہ کچھ مظلوم لوگ ہیں اور انصاف طلب کر رہے ہیں ۔ پھر وہ ان لاشوں کے حالات کی تحقیقات میں مصروف ہوگیا ۔ اس نے ایک

---

(۱) یعنی ۲۱- محرم ۷۵۲ھ کے بعد .

پیر مرد کو، کہ جس کا تعلق اس سر زمین سے تھا ، طلب کیا
اور اس سے ان ھڈیوں کے بارے میں دریافت کیا ۔ پیر مرد نے
بیان کیا کہ آج سے سات سال قبل گجرات سے ایک قافلہ یہاں
پھونچا تھا جسے فلاں گروہ نے قتل کر کے لوٹ لیا تھا ۔ ان کے
مال کا کافی حصہ اب تک موجود ھے ۔ اس حال سے با خبر
ھو کر جام نے اس مال کو فراھم کرنے کا حکم دیا ، چنانچہ اس
کا کافی حصہ برآمد ھوگیا ۔ اس کے بعد اس نے گجرات
کے حاکم کے پاس آدمی بھیجے کہ مقتولوں کے ورثاء میں سے
جو لوگ موجود ھوں یہ مال ان کو پھونچا دیا جائے ۔ اس کے
علاوہ اس نے قاتلوں سے قصاص بھی لیا ۔ کچھ مدت کے بعد
وہ اس دار فانی سے کوچ کر کے جہان آخرت کو سدھار گیا ۔

جام بانبھنیہ (۱) کا ذکر

باپ کے فوت ھونے کے بعد امرا و اعیان مملکت کے اتفاق
سے وہ موروثی تخت سلطنت پر متمکن ھوا ۔ اس عرصہ میں (۲)
فیروز شاہ بھی ھندوستان اور گجرات کے معاملات سے مطمئن

(۱) اصل میں " بابنیہ " ۔ اس سے پیشتر ص ۸۵ کے حاشیہ میں وضاحت
کی گئے ھے کہ یہ خالص سندھی نام ھے جس کو فارسی تاریخوں
میں صحیح طور پر ضبط نہیں کیا گیا ۔ مثلا طبقات اکبری
(۳X۵۱۳) کے مطبوعہ ایڈیشن میں "بان ھتیہ" لکھا ھوا ھے ۔
یہاں متن میں اِس نام کو ھر جگہہ " بانبھنیہ " کی صورت میں
لکھا گیا ھے ۔ (ن ۔ ب)

(۲) یعنی نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد ۷۷۲ھ میں (دیکھو ، ص ۶۹)

ھو کر ملک سندھ کو فتح کرنے کے لئے پلٹا ۔ اس طرف جام بانبھنیہ بھی میدان جنگ آراستہ کرکے اس کے مقابلہ کےلئے تیار ھو گیا ۔ سلطان فیروز شاہ تین ماہ تک اس نواح میں ٹھیرا رھا ۔ آخر جب دریا میں باڑھ آئی اور مچھروں کے کثرت ھو گئی تو برسات کی ابتدا میں سلطان پٹن (گجرات) کی طرف چلا گیا اور برسات کے بعد پھر بے شمار لشکر ساتھ لے کر واپس لوٹ آیا ۔ [اس مرتبہ] سخت معرکے ھوئے [جس کے نتیجہ میں] آخر جام بانبھنیہ گرفتار ھوا اور پورا سندھ فیروز شاھی غلاموں کے تصرف میں آیا ۔ سلطان، جام کو اپنے ساتھ دھلی لے گیا جہاں وہ کچھ مدت تک سلطان فیروز شاہ [۲۵] کی ملازمت میں رھا اور پسندیدہ خدمات بجالایا ۔ آخر سلطان فیروز شاہ نے شاھانہ لطف و عنایات سے کام لیتے ھوئے اسے چتر بادشاھت عطا کیا اور وہ سندھ واپس آکر خود مختاری کے ساتھ حکومت کرنے لگا ۔ آخر پندرہ سال تک حکومت اور بادشاھت کرنے کے بعد وہ جہانِ آخرت کو سدھار گیا ۔

جام تماچی کا ذکر

بھائی کے وفات پاجانے کے بعد وہ تختِ حکومت پر بیٹھا اور ملک و حکومت کے کاروبار میں مشغول ھوا ۔ وہ آرام پسند تھا، جس کی وجہ سے زیادہ تر وقت عیش و عشرت میں گذارتا تھا ۔ آخر تیرہ سال بادشاھت اور حکومت کرنے کے بعد طاعون کے مرض مبتلا ھو کر انتقال کر گیا ۔

جام صلاح الدین کا ذکر

جام تماچی کے فوت ہونے کے بعد وہ کاروبار مملکت کی طرف متوجہ ہوا - پہلے اس نے سرحدی معاملات کی طرف توجہ دی ، جو کہ کچھ رذیلوں کی سرکشی کی وجہ سے زیر و زبر ہوگئے تھے ، چنانچہ اس گروہ کے بندوبست اور گوشمالی کے لئے اس نے ایک فوج بھیجی اور اس گروہ کی سر زنش کے بعد "کچھ" کی طرف متوجہ ہوا- کچھ کے لوگوں سے اس کے سخت معرکے ہوئے لیکن ساری جنگوں میں فتح کا سہرا صلاح الدین ہی کے سر بندھا اور وہ فتوحات اور غنیمتیں حاصل کر کے واپس لوٹ آیا- وہ رعایا اور فوج کی اچھی طرح خبر گیری کرتا تھا - گیارہ سال اور کچھ ماہ کے بعد آخر وہ بھی جہان فانی سے ملک جاودانی کو انتقال کر گیا -

جام نظام الدین بن جام صلاح الدین کا ذکر

باپ کے انتقال کے بعد وہ امرا کی اتفاق رائے سے تخت نشین ہوا اور اس کے چچا جو کہ ملکی مصلحت کے پیش نظر قید میں تھے، انھیں اس نے آزاد کردیا - ان کے نام ملک سکندر (۱) کرن بہاؤالدین اور آمر تھے - اس نے ان سب کو ملک کے مضافات میں بھیج دیا اور ملکی امور کو منشیوں کے سپرد کر کے خود شب و روز عیش عشرت میں [۲۲] مشغول رہنے لگا- امور

(۱) اصل نسخہ میں "سنکدر" ہے جو غالباً ناتبوں کا سہو ہے - صحیح نام سکندر ہی زیادہ قرین قیاس ہے .

سلطنت سے وہ قطعی بے خبر رہا کرتا تھا ، یہاں تک کہ اس کے چچا متفق ہو کر اور لشکر اکٹھا کر کے شہر میں آ داخل ہوئے اور جام نظام الدین کو گرفتار کرنے کی سوچنے لگے - اپنے چچاؤں کے اس شر سے واقف ہو کر وہ بعض سپاہیوں کے مشورہ سے آدھی رات کو شہر سے نکل کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ صبح کے وقت جب وہ لوگ جام نظام الدین کے فرار کی خبر پا کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے تو اسی اثناء میں شہر کے مقتدر لوگوں نے، یہ فساد اور بد انتظامی دیکھ کر، جام علی شیر کو، جو کہ گوشہ نشین ہو چکا تھا، تلاش کر کے تخت حکومت پر بٹھا دیا - جام نظام الدین راستہ ہی میں دنیائے باقی کو سدھار گیا اور اس کے چچا نا امید ہو کر واپس چلے گئے اور جنگل میں جا کر وقت گذارنے لگے -

جام علی شیر بن تماچی کا ذکر

اکابرین و اعیانِ مملکت کے اتفاق سے وہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور خلق پر انصاف اور احسان کے دروازے کھول دیئے - وہ بڑا دانا اور شجاع تھا - اس نے حکومت کے کاروبار کی طرف متوجہ ہو کر ولایت سندھ کا ضروری اور مناسب بندوبست کیا - اس کے زمانہ حکومت میں اس ملک کے لوگ امن و امان کے ساتھ آرام سے وقت گذارتے رہے - اس طرح کچھ عرصہ گذار کر اس نے بھی عیش و عشرت کی راہ اختیار کی - زیادہ تر وہ چاندنی راتوں میں سیر کیا کرتا تھا - تماچی کے

بیٹے، سکندر ، کرن اور فتح خان ، جو کہ جنگلوں میں سرگرداں تھے ، علی شیر کی لاپرواھی اور سیر [و تفریح] سے با خبر ہو کر راتوں کو سفر کرتے اور دن کو جنگلوں میں قیام کرتے آخر شہر کے قریب آ پہونچے - پھر شہر کی ایک جماعت کو ھمنوا بنا کر چاند کی تیرہ تاریخ اور جمعہ کی شب کو، جب کہ علی شیر حسب دستور اپنے چند مصاجین کے ساتھ ایک بجرہ میں بیٹھکر دریا کی سیر کر رہا تھا اور نصف شب گذرنے کے بعد اپنے دولت کدہ کو واپس جانے کا قصد کر رہا تھا ، اچانک یہ [۲۷] لوگ تلواریں سونت کر اس پر ٹوٹ پڑے - جو لوگ اس کے ساتھ تھے انھوں نے اس کی حفاظت کی بے حد کوشش کی لیکن ناکام رہے اور آن واحد میں جام علی شیر کو شربت شہادت پلا کر وہ لوگ دوڑتے ہوئے اس کی حویلی میں جا پہونچے - شور و غوغا ہونے پر لوگ خبردار ہو کر اکٹھے ہو گئے، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ معاملہ قابو سے باھر ہو چکا ھے تو مجبور ہو کر انھوں نے ان کی حکومت تسلیم کرلی - علی شیر کی مدتِ حکومت سات سال تھی -

جام کرن کا ذکر

جام علی شیر کی شہادت کے بعد بھائیوں کی اتفاق رائے سے وہ تخت حکومت پر متمکن ہوا - وہ شہر کے شریف اور سربرآوردہ لوگوں سے ناراض تھا اور اس کا دل ان لوگوں سے سخت بیزار تھا - اس نے چاھا کہ تخت نشین ہوتے ھی وہ بعضوں

کو قتل ، بعضوں کو قید اور بعضوں کو تنبیہ کرے۔ چنانچہ اسی دن یا دوسرے دن اس نے محفل شاھی آراستہ کر کے دربار عام کیا اور عوام و خواص کو بلا کر ان کی دلجوئی کی باتیں کرتا رھا۔ لیکن جب دستر خوان بچھایا گیا اور وہ کھانا کھا کر طہارت خانہ کی طرف چلا تو اسی عرصہ میں فدائیوں کی جماعت نے، جو کہ انھی لوگوں کی ترغیب و تحریص پر آ کر حاضر ھوئی تھی، اسے طہارت خانہ کے دروازہ ھی پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ کرن کے قتل کا باعث فتح خان بن سکندر تھا۔ چنانچہ سپاھیوں اور رعایا کی اتفاق رائے سے وھی تخت نشین ھوا۔

جام فتح خان بن سکندر کا ذکر

تخت نشین ھوتے ھی وہ مملکت کے قواعد اور سلطنت کے ضوابط کو مستحکم کر کے معاملات حکومت میں بڑی دانشمندی اور ھوشیاری دکھانے لگا۔ اسی زمانہ میں امیر تیمور صاحبقران گورگان کا پوتا میرزا پیر محمد ملتان کے نواح میں آ پہونچا اور ملتان کے درمیان کے شہروں پر قبضہ کر کے کچھ عرصہ کے لئے وھیں ٹھیر گیا۔ وھاں [۶۸] اس کی فوج کے بیشتر گھوڑے مر گئے جس کی وجہ سے مرزا کا لشکر پریشان اور پیادہ ھوگیا۔ جب یہ حال صاحبقران کے گوش گذار کیا گیا تو اس نے خاص طویلہ سے تین ھزار گھوڑے مرزا کے پاس بھجوادیئے۔ اس عنایت سے مرزا نے طاقتور ھو کر بھٹی واھن کے لوگوں پر حملہ کیا، جو کہ سرکشی اور شوخی ظاھر کیا کرتے

تھے، اور ان کے گھر بار کو تہس نہس کر کے بکھر کی طرف آدمی روانہ کئے اور وہاں کے سرکردہ لوگوں کو طلب کیا۔ دھلی کے بادشاہوں کے گماشتے مقابلہ کی تاب نہ لاکر جیسلمیر کی راہ سے فرار ہوگئے اور شہر بکھر کی باشندوں میں سے ایک ممتاز شخص ابوالغیث جو کہ سید، بزرگ، زاھد، متقی اور پرھیزگار تھا، وہ مرزا [پیر] محمد سے ملاقات کے لئے روانہ ہوا اور سیدالمرسلین کی روح کی طرف متوجہ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے سفارش کی استدعا کی۔

روایت ھے کہ حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ و سلم، مرزا پیر محمد کے خواب میں آئے اور آسے سیدابوالغیث کو دکھا کر فرمایا کہ یہ شخص میرا فرزند ھے۔ اس کے اعزاز و اکرام کا خیال رکھنا اور اس کے نقصان سے اپنے ھاتھ بند رکھنا۔ میرزا پیر محمد خواب سے بیدار ھوکر اس عزیز کی ملاقات کا انتظار کرنے لگا کہ جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ آخر کار گیارہ دن کے بعد سید ابوالغیث حاضر ھوئے۔ میرزا پیر محمد [اس وقت] اپنے دربار میں بیٹھا تھا اور اس کے دائیں بائیں امرا کا مجمع تھا۔ جب اس کی نظر ابوالغیث پر پڑی تو انھیں پہچان کر اس نے بے اختیار ان کا استقبال کیا اور سید ابوالغیث کو بڑی تعظیم کے ساتھ بغلگیر کئے ھوئے لا کر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ [یہ حال دیکھ کر] امراء، سید ابوالغیث کے حالات معلوم کرنے کے شایق ھوئے۔ مرزا نے ان سے اپنے خواب کا قصہ بیان کیا اور اسی دن گھوڑا اور تحائف دے کر

انھیں واپس جانے کی اجازت بخشی اور اروڑ کا پرگنہ سید ابوالغیث کو بطور انعام عنایت کیا۔ صاحبقران کے آنے کے بعد جب مرزا پیر محمد دھلی فتح کرنے کی طرف متوجہ ھوا [۲۹] اور زمانہ کی گردش کی وجہ سے جب خانہ بدوش بادشاہ تخت دھلی پر متمکن ھوے تو ملتان کا ملک لا نگاھوں کے قبضہ میں آگیا اور ولایت سندھ پر سندھی بادشاھوں کا تسلط ھوگیا۔

القصہ جام فتح خان ایک سخی اور بہادر مرد تھا۔ اس کی سخاوت اور مروت دور دور تک مشہور تھی۔ اس کی حکومت پندرہ سال اور کچھ مہینے رھی۔ پھر جب اس کی زندگی کی مدت ختم ھوئی تو وہ بھی اس سرائے فانی سے منزل دائمی کی طرف کوچ کرگیا۔

جام تغلق بن سکندر کا ذکر

جام فتح خان جب بستر علالت میں داخل ھوا اور موت کی نشانیاں ظاھر ھوگئیں تو اس نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بھائی تغلق کو مسندِ حکومت پر بٹھاکر سلطنت کی کی باگ ڈور اس کے حوالہ کی اور اسے جام تغلق کا لقب عطا کیا۔ اس نے تخت نشین ھوتے ھی بھائیوں کو سیوستان اور بکھر کے قلعوں کا حاکم مقرر کیا اور خود زیادہ تر وقت سیر و شکار میں گذارنے لگا ۔ جب بلوچوں نے بکھر کے قرب و جوار میں فتنہ و فساد برپا کیا تو جام، عظیم لشکر کے ساتھ آیا اور بلوچ سرداروں کو سخت تنبیہہ کرکے واپس لوٹ گیا۔ اس

نے ہر پرگنہ میں تھانے قایم کئے تھے۔ ۲۸ سال حکومت کرنے کے بعد وہ طبعی موت سے فوت ہوا۔

جام سکندر کا ذکر

اس کے بعد اس کا بیٹا اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ کمسن تھا اس لئے بکھر اور سیوستان کے حکمران اپنے اپنے علاقہ میں خود مختیار ہوگئے اور اس کی اطاعت سے منحرف ہوکر ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے۔ جام سکندر ٹھٹھہ سے نکل کر [۷۰] بکھر کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن وہ ابھی نصرپور تک ہی پہونچا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں مبارک خان نامی ایک شخص نے، جو کہ جام تغلق کی زندگی میں دربانی کے عہدہ پر مامور تھا، اچانک بغاوت کردی اور خود کو جام مبارک کا لقب دے کر تخت حکومت پر قابض ہوگیا۔ لیکن چونکہ لوگ اس سے متفق نہ تھے اس لئے اس کی حکومت تین دن سے زیادہ قایم نہ رہ سکی اور ٹھٹھہ شہر کے سرکردہ لوگوں نے اسے دفع کرکے جام سکندر کو واپس بلانے کے لئے آدمی روانہ کئے۔ جب یہ خبر اسے ملی تو دوسرے [مخالف] حکمرانوں سے صلح کرکے وہ ٹھٹھہ واپس آیا اور ڈیڑھ سال [حکومت کرنے کے] بعد اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرگیا۔

جام رائے ڈنہ کا ذکر

---

۶ جمادی الاول ۸۵۸ھ کو جام رائے ڈنہ نے بغاوت کی۔ یہ جام رائے ڈنہ، جام تغلق کے زمانہ میں سرحدِ "کچھہ" کے گرد و نواح میں رہا کرتا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے اس کے بڑے اچھے تعلقات استوار ہوگئے تھے اور تجربہ کار لوگوں کی ایک کثیر جماعت اس کی رفیق ہوگئی تھی، جس کی وہ ہمیشہ دلدھی کرتا رہتا اورھمیشہ [انھیں] موزوں انعامات و اکرامات سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ ان لوگوں نے بھی اس کی پیشانی پر ھدایت اور بزرگی کے نشانات دیکھہ کر صداقت کے سانھہ خود کو اس کےحوالہ کردیا تھا۔ جب اسے سکندر کے فوت ھونے کی خبر ملی تو وہ کثیر لشکر ساتھہ لے کر ٹھٹھہ آیا اور لوگوں کو جمع کرکے ظاھر کیا کہ میں ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا ھوں بلکہ میری آمد کی غرض یہ ھے کہ میں ملک و مال کی حفاظت کروں۔ میں خود کو بادشاھت کے لائق نہیں سمجھتا، تم جسے بھی اس قابل سمجھو اسے تخت پر بٹھاؤ، میں وہ پہلا شخص ھوں گا کہ اس کی بیعت کروں گا۔ لیکن چونکہ وھاں دوسرا ایسا کوئی موزوں آدمی نہ تھا کہ جو اس امر کے لائق ھوتا، اس لئے سبھوں نے ملکر اسے تخت حکومت پر بٹھادیا۔ اس نے ڈیڑہ سال کی مدت میں پوری ولایت سندھ کو، [۷۱] ساحل سمندر سے لے کر ماتھیلہ اور اباوڑی کی سرحد گاجریلی اور کندھی تک، اپنے قبضہ میں کرلیا۔

جام رائے ڈنہ کو حکومت کرتے ابھی ساڑھے آٹھ سال گذرے تھے کہ اس کے ایک معتمد خاص، جام سنجر، کے سر میں بادشاہت کا سودا سمایا اور اس نے اس کے خاص محرمان راز کو اپنے ساتھ ملا کر، اس وقت جب کہ وہ خلوت میں شراب پی رہا تھا، شیشے میں زہر ملوادیا۔ چنانچہ اس میں سے ایک ہی گھونٹ شراب پینے کی وجہ سے وہ تین دن کے بعد فوت ہوگیا۔

جام سنجر کا ذکر

وہ اس قدر حسین جوان تھا کہ ایک بڑی جماعت اس کے خد و خال پر عاشق تھی اور بغیر تنخواہ کے سارا وقت اس کی خدمت میں صرف کیا کرتی تھی۔ روایت بیان کرتے ہیں کہ تخت حکومت پر بیٹھنے سے پہلے ایک صاحب کمال درویش کی جام سنجر پر خاص توجہ تھی۔ ایک رات اس عزیز کی خدمت میں پہونچکر سنجر نے کمال عجز و نیاز کے ساتھ عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ [ایک بار] ٹھٹھہ کا بادشاہ بنوں، خواہ اس کی مدت آٹھ ہی دن کی ہو۔ اس پر درویش نے فرمایا کہ تو بادشاہ ہوگا اور آٹھ سال حکومت کرے گا۔

جب جام سنجر آخرت کے سفر کو سدھارا تو ملک کے سرکردہ لوگوں نے متفقہ طور پر جام سنجر کو تخت حکومت پر بٹھایا اور امور سلطنت کی باگ ڈور اس کے حوالہ کی۔ چونکہ وہ ایک درویش کی دعا سے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا

اس لئے جملہ اطراف کے لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی اور فرمانبرداری کا حق ادا کیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں ملک سندھ میں ایسی رونق پیدا ہوئی کہ جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ سپاھیوں [۷۲] اور رعایا سبھوں نے بڑے آرام اور فراغت کے ساتھ وقت گذارا۔ جام سنجر، علماء، صالحین اور درویشوں کی بڑی رعایت اور دلجوئی کرتا تھا۔ جمعہ کے دن فقیروں اور مسکینوں کو بے حد خیرات دیا کرتا تھا اور حقداروں کے لئے اس نے وظیفے اور تنخواھیں مقرر کردی تھیں۔

کہتے ھیں کہ سنجر سے پہلے کے حاکم اپنے عمال کو [مشاھرہ] بہت کم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حکومت، جام سنجر کے حوالہ ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ قاضی معروف نامی ایک شخص، جسے کہ سابقہ حکمرانوں نے بکھر کی قضا پر مامور کیا تھا، کم تنخواہ ملنے کی وجہ سے مدعی اور مدعاعلیہ سے کچھ رقم وصول کیا کرتا ھے۔ یہ اطلاع پاکر، کہ قاضی سختی اور دباؤ سے کام لے کر اھل مقدمہ سے رقمیں وصول کیا کرتا ھے، جام سنجر نے اس قاضی کو حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ قاضی حاضر ھوا۔ جام نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ھے کہ تو مدعی اور مدعاعلیہ سے زبردستی کچھ وصول کیا کرتا ھے، قاضی نے جواب دیا کہ ھاں! بلکہ میں تو گواھوں سے بھی کچھ وصول کرنا چاھتا ھوں، لیکن اس سے پیشتر کہ میں ان سے کچھ اینٹھوں وہ رفوچکر ھوجاتے ھیں۔ یہ سن کر جام بے اختیار ھنس پڑا۔

قاضی نے عرض کیا حضور ! سارا دن میں دارالقضا میں بیٹھ کر وقت گذارتا هوں اور میرے بال بچے دو پهر اور رات کے کھانے سے بھی محروم رهتے هیں - جام نے قاضی کو کثیر انعام دے کر اور اس کی معقول تخواہ مقرر کرکے حکم جاری کیا کہ ساری مملکت میں عہدیداروں کی مناسب تنخواهیں مقرر کی جائیں تاکہ وہ اپنا سارا وقت آرام و فراغت سے گذاریں - جب اس کی حکومت کی مدت آٹھ سال کی هوچکی تو وہ اس دکھ بھری دنیا سے رحلت کر گیا -

جام نظام الدین عرف جام نندہ کا ذکر

وہ، سنجر کے فوت هوجانے کے بعد ۲۵- ربیع الاول سنہ ۸۶۶ھ تخت کو [۴۳] سلطنت پر بیٹھا - اس کی تخت نشینی پر سارے لوگ ، عالم ، صالح ، رعایا اور سپاهی متفق تھے - اس نے خودمختار حاکم هوکر سر بلندی کا جھنڈا بلند کیا -

روایت کرتے هیں کہ جام نظام الدین ، علم کی بڑی چاہ رکھتا تھا اور ابتدا میں مدرسوں اور خانقاهوں میں رها کرتا تھا - وہ نہایت حلیم ، خلیق اور پسندیدہ صفات اور حسین عادات کا حامل تھا- ساتھ هی ساتھ وہ کمال درجے کا زاهد اور عابد بھی تھا - اس کی فضیلت اور حقیقت اس سے بہت زیادہ هے کہ جس میں سے کچھ قلمبند کی جاسکے -

تخت نشین هوتے هی وہ لشکر کثیر کے ساتھ بکھر آیا اور ایک سال وهاں رہ کر اور لٹیروں کی بیخ کنی کرکے قلعہ

بکھر میں اس نے ہر چیز کا زبردست ذخیرہ فراہم کیا ۔ اس کے بعد دلشاد نامی اپنے ایک خانہ زاد غلام کو، جو کہ مدرسوں میں بھی اس کی خدمت کیا کرتا تھا، اس نے بکھر کے قلعہ پر مامور کیا اور سندھ کے مضافات اور سرحدوں کا اِس طرح بندوبست کیا کہ لوگ بڑے اطمینان کے ساتھ راستوں پر سفر کرنے لگے ۔ وہاں سے مطمئن ہو کر وہ ایک سال بعد ٹھٹھہ واپس آیا اور آ کر ۴۸ سال تک خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا ۔ اس کے عہد حکومت میں علماء، صالحین اور فقراء نے بڑے آرام سے وقت گذارا اور رعایا اور سپاہی بھی آسودہ اور خوشحال رہے ۔

جام نظام الدین ہر ہفتہ اپنے طویلہ میں جایا کرتا تھا اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتا تھا کہ "اے خوش نصیبو! جہاد کے علاوہ میں تم پر سواری نہیں کرنا چاہتا ۔ چاروں سرحدوں پر مسلمان حکمراں ہیں [۴۴] دعا کرو کہ شرعی سبب کے بغیر نہ میں کہیں جاؤں اور نہ کوئی ادھر آئے، مبادا مسلمانوں کا خون بیگناہ بہایا جائے اور میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک شرمندہ ہوں ۔"

اس کے عہد حکومت میں سنتِ نبوی کی پیروی اس قدر عام ہوچکی تھی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ مساجد میں با جماعت نماز ادا کرنے کا رواج اسقدر پھیل چکا تھا کہ کوئی بھی چھوٹا یا بڑا تنہا مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا پسند نہ کرتا تھا ۔ اگر کسی وقت کسی سے جماعت

چھوٹ جاتی تھی تو وہ نہایت پشیمان ہوکر دو تین دن تک استغفار پڑھا کرتا تھا۔

جام نظام الدین کی حکومت کے آخری ایام میں شاہ بیگ [ارغون] کے لشکر نے قندھار سے آکر اکڑی، چانڈوکی اور سیدیچہ کے مواضع میں لوٹ مار کی۔ جام نے ایک زبردست لشکر مغلوں کا فساد ختم کرنے کے لئے روانہ کیا، جس نے مشہور قریہ "جلوکـیر" کے قریب پیشقدمی کرکے [ان سے] سخت جنگ کی۔ اس جنگ میں شاہ بیگ کا بھائی قتل ہوگیا اور باقی شکست کھاکر قندھار بھاگ گئے اور جب تک جام نظام الدین حیات رہا اس وقت تک سندھ کا رخ نہ کیا۔

جام نظام الدین اپنا زیادہ تر وقت اپنے عہد کے علما کے ساتھ علمی بحث و مباحثہ اور گفتگو میں صرف کیا کرتا تھا۔ مولانا جلال الدین محمد دوّانی نے شیراز سے سندھ آنے کا ارادہ کرکے اپنے دو شاگردوں، میر شمس الدین اور میر معین کو ٹھٹھہ بھیج دیا اور وہاں کی اقامت اختیار کرنے کی اجازت چاہی۔ [اس پر] جام نظام الدین نے معقول حویلیوں کو مخصوص کرکے گذارہ کا اسباب تیار کرایا اور مذکورہ افراد کے ذریعے اخراجات سفر کے لئے نقدی بھی ارسال کی۔ لیکن قاصدوں کے پہونچنے سے پیشتر ہی مولانا آخرت کا سفر اختیار کرگئے۔ چونکہ میر شمس الدین اور میر معین الدین کو جام نظام الدین کی صحبت پسند آئی تھی، اس لئے واپس آکر انھوں نے ٹھٹھہ کی سکونت اختیار کرلی۔ [۷۵]

جام فیروز کا ذکر

جب جام نظام الدین نے آخرت کا سفر اختیار کیا تواس کا بیٹا جام فیروز کم سن تھاجس کی وجہ سے جام سنجر کے نواسہ جام صلاح الدین نے، جوکہ جام کے عزیزوں میں سے تھا، تخت حکومت پر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن یہ بات دریا خان اور سارنگ خان نے، جو کہ جام کے معتمد غلام اور نہایت با رعب اور با اثر تھے، قبول نہ کی بلکہ اس کے بجائے، ٹھٹھہ کے شرفا اور ممتاز افراد کی رائے سے، انھوں نے جام فیروز کو تخت پر بٹھادیا۔ اس پر جام صلاح الدین، جس نے کہ تکرار اور مخاصمت پیدا کی تھی، مایوس ہو کر گجرات چلا گیا اور جا کر سلطان مظفر گجراتی کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ چونکہ سلطان مظفر کی اھلیہ جام صلاح الدین کی چچا زاد بہن تھی، اس لئے سلطان مظفر اس کی پاسداری کرتا رہا۔

جام فیروزچونکہ عالم شباب میں تخت پر بیٹھا تھا اس لئے وہ عیش و نشاط کی طرف راغب ہوگیا۔ اس کا زیادہ تر وقت حرم سرا کے اندر ھی گذرتا۔ گاھے گاھے جب وہ باھر آتا تو بھانڈ اور ہیجڑے اس کے گرد ھوا کرتے اور وہ ان سے مذاق اور رازداری کیا کرتا۔ اس کے دور میں سمہ اور خاصخیلی قوم کے لوگ اھالیان۔ شہر پر بڑا ظلم کیا کرتے تھے اور جب دریا خان انھیں منع کرتا تھا تو وہ اس کی سخت توھین کرتے تھے۔ چنانچہ دریا خان رخصت لے کر اپنی جاگیر کاھان میں

جا کر رهنے لگا۔

اسی زمانہ میں مخدوم عبدالعزیز ابهری محدث، ان کے فرزند مولانا اثیرالدین ابهری اور مولانا محمد، جو کہ سب کے سب متبحر عالم تهے، کاهان میں قیام فرما هو کر چند سال اشاعتِ علم میں منهمک رهے۔ ان کے هرات سے هجرت کرنے کا سبب شاہ اسمٰعیل کی سنہ ۹۱۸ھ کی بغاوت تهی۔ مولانا مذکور جملہ علومِ عقلی و نقلی میں جامع تهے اور [۴۷] هر علم میں انهوں نے بهترین تصانیف چهوڑی هیں، جن میں ان کی لکهی هوئی مشکواة (شریف) بهی شامل هے کہ جسے وہ مکمل نہ کرسکے۔ اس کا مسودہ مولف کے کتب خانہ میں موجود هے۔ اس کے علاوہ انهوں نے بیشتر مستعمل اور رائج کتابوں پر حاشئے بهی تحریر کئے۔ ان کا مزار کاهان کے قبرستان میں موجود هے اور وهاں کے باشندوں کی زیارت گاہ هے۔

قصہ مختصر، جب جام فیروز عیش و عشرت میں مشغول هو گیا اور نظمِ مملکت کی بنیادیں گرنے لگیں تو انقلاب پسند لوگوں نے جام صلاح الدین کے پاس آدمی بهیج کر اسے خبر دی کہ جام فیروز زیادہ تر سست اور غافل رها کرتا هے اور دریا خان، جو کہ اس کی حکومت کے لئے پشتہ تها وہ بهی عذر پیش کر کے کاهان میں جا کر گوشہ نشین هو گیا هے۔ اس طرح اب وقت آگیا هے لهٰذا جلدهی خود کو یهاں پهونچایئے۔ جام صلاح الدین نے ٹهٹهہ کے یہ خطوط سلطان مظفر کی خدمت میں پیش کئے جس پر سلطان مظفر نے عظیم لشکر جام صلاح الدین کے همراہ کر کے اسے ٹهٹهہ روانہ

کیا۔ وہ مسلسل منزلیں طے کرتا ہوا دور دراز سفر ختم کر کے ٹھٹھہ آ پہونچا اور اس کا دریا عبور کرنے لگا۔ جام فیروز کے حامی پریشان ہو کر اسے دوسری راہ سے نکال لے گئے ۔ جام صلاح الدین شہر ٹھٹھہ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور جام فیروز کے حامیوں کو گرفتار کر کے ان پر کثیر جرمانے عاید کئے اور مال وصول کرنے لگا ۔ اس طرف جام فیروز کی ماں اسے کاھان میں دریا خان کے پاس لے گئی اور عاجزی کے ساتھ گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کی۔ دریا خان اپنے سابقہ حقوق کے پیش نظر لشکر فراہم کرنے لگا ۔ جب بکھر اور سیوستان کی فوجیں جام فیروز کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئیں اور بلوچ نیز عام لوگوں نے بھی توجہ کی تو دریا خان لشکر لے کر جام صلاح الدین کو دفع کرنے کے لئے روانہ ہوا ۔ [۷۷]

جام صلاح الدین نے پیشقدمی کر کے جنگ شروع کرنی چاھی لیکن حاجی نے، جو کہ اس کا خاص وزیر تھا، مشورہ دیا کہ جام صلاح الدین خود شہر میں قیام کرے اور جنگجو ھاتھی اور فوج اس کی تحویل میں دے کر جنگ کرنے کے لئے بھیج دے۔ چنانچہ جام صلاح الدین خود تو شہر میں ٹھیر گیا اور وزیر حاجی کو جنگ پر روانہ کردیا ۔ اس پر دونوں لشکروں کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ھوا اور دونوں طرف کے بہادر جنگ میں قتل ہونے لگے۔ آخر کار دریا خان کا لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگا ۔ وزیر حاجی نے، سواری کی حالت میں، جام صلاح الدین کے پاس عریضہ بھیجا کہ مطمئن رهئے فتح آپ ھی کی ھے البتہ چونکہ ناوقت ھوچکا

ھے اس لئے ان کا مزید تعاقب نہیں کیا جا رہا ۔

اس خط کا قاصد عریضہ سمیت دریا خان کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا چنانچہ انھوں نے عریضہ کا مضمون بدل کر حاجی وزیر کی جانب سے دوسرا عریضہ تحریر کیا کہ "آپ کا لشکر شکست کھا گیا ھے اور دشمن کا لشکر غلبہ پا رھا ھے لہٰذا آپ بمع اھل و عیال ٹھٹھہ سے فوراً باھر نکل جائیں دیر (بالکل) نہ کریں۔ ھم آپس میں موضع چاچکان میں ملیں گے۔" یہ عریضہ ملتے ھی جام صلاح الدین رمضان شریف کی ۹ تاریخ کو بغیر افطار کئے دریا پار کر گیا اور اسے شکست ھوئی۔ اس کی حکومت کل آٹھ ماہ رھی۔ جب حاجی وزیر نے ملاقات ھونے پر جام صلاح الدین کو ملامت کی اور فرار ھونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے حاجی کا عریضہ اسے نکال کر دکھایا۔ حاجی نے کہا کہ یہ میرا لکھا ھوا نہیں ھے۔ آخر کار دریا خان کے مکر سے واقف ھوکر وہ سخت متاسف ھوئے لیکن معاملہ دسترس سے باھر ھو چکا تھا۔ ندامت بے فائدہ تھی مگر وہ افسوس کرتے رھے۔ اس طرف دریا خان نے چند منزلوں تک ان کا تعاقب کیا اور پھر واپس آکر جام فیروز کو ٹھٹھہ میں لاکر عیدالفطر کے روز عید گاہ میں نماز ادا کی۔ جام فیروز نے چند سال استقلال سے گذارے [۷۸] حتیٰ کہ ۹۲۶ھ میں شاہ بیگ ارغون تسخیرِ سندھ کی طرف متوجہ ھوا۔ شاہ بیگ کی لڑائیوں کے واقعات اپنے مقام پر مذکور ھوں گے۔

چونکہ سومرہ اور سمہ حکمرانوں کے حالات کے متعلق کوئی بھی تحریری نسخہ ایسا نظر نہیں آیا کہ جس میں ان کے مفصل حالات مرقوم ہوں اس لئے اجمالی طور پر جو بیان کہ تحریری شکل میں ملا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اگر کسی عزیز کو اس سے زائد واقفیت ہو تو وہ اس میں شامل کردے۔
[۷۹]

حصہ سوم

ارغون حکمرانوں کی فرمانروائی ، ان کے عہد حکومت اور ان کی لڑائیوں کے واقعات کا بیان

میر ذوالنون ارغون کے مختصر حالات کا ذکر

امیر ذوالنون بن میر حسن بصری ، جوکہ قوم کے بیشتر بہادروں سے بہادری اور دلیری میں ممتاز تھا ، سلطان ابو سعید مرزا کے عہد میں اس کے ملازموں کے فہرست میں شامل تھا اور جنگ و مبارزت کے دن مردانگی کے جوہر دکھایا کرتا تھا ۔

[رفتہ رفتہ] اس پر مرزا ابو سعید کی نظر عنایت اور مہربانی ہونے لگی اور وہ طرح طرح کے انعام و اکرام حاصل کرکے بھائیوں اور عزیزوں سے مرتبہ میں بلند ہو گیا اور اس کے ہم پلہ اس پر رشک کرنے لگے ۔

قرا باغ کے واقعہ کے بعد امیر ذوالنون اپنے باپ کی خدمت میں ہرات چلا گیا ۔ کچھ دن وہ سلطان یادگار مرزا کی خدمت میں بھی رہا اور اس کے بعد سمر قند چلا گیا جہاں اس پر سلطان احمد مرزا کی نظر التفات ہوئی اور وہ دو تین سال اس ملک میں مقیم رہا ۔ اس کے بعد تر خان اور ارغون امرا کے تنازع کی وجہ سے وہ دوسری بار خراسان آیا اور وہاں پہونچکر وہ سلطان حسین مرزا کا منظور نظر ہو گیا اور غور اور داور

کے ممالک کی حکمرانی اس کے حوالہ ہوئی۔ ان دنوں ان ممالک پر ہزارہ اور تکدری قبائل کا بہت زیادہ غلبہ ہو گیا تھا۔

امیر ذوالنون سنہ ۸۸۴ھ میں قلیل لشکر کے ساتھ اس طرف روانہ ہوا اور تین چار سال کی مدت میں، اس جماعت سے متعدد بار جنگ کر کے اور بخت شاہی کی برکت سے ساری لڑائیوں میں فتحمند ہو کر، اس ملک کو اپنے قبضۂ و اقتدار میں لایا۔ ہزارہ، تکدری اور دیگر قبائل نے بار بار اس حقیقت [۸۰] کا مشاہدہ کر کے اس کی اطاعت قبول کی اور پھر کبھی اس کی مخالفت نہ کی۔ میر ذوالنون کے حسن خدمت نے قبولیت کا شرف حاصل کیا اور فتح مند خاقان، سلطان حسین مرزا نے قندھار، فراہ اور غور کے ممالک کا سارا کاروبار اس کے حوالہ کر دیا۔

میر ذوالنون نے اس ملک میں استقلال حاصل کر کے شال، مستونگ اور ان کے نواح پر بھی قبضہ کر لیا۔ واللہ اعلم۔

میر ذوالنون ارغون کا بدیع الزماں مرزا کے ساتھ خلوص اور یگانگت کا سلوک رکھنا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، فتح مند خاقان نے میر ذوالنون کی تربیت کر کے اور اسے نشان و علم سے سرفراز کر کے قندھار گرم سیر اور داور کی ولایت عطا کی۔ تین چار سال بعد میر ذوالنون نے خاصہ لشکر فراہم کر کے ہزاری، تکدری، قبچاق اور قندھاری مغلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ خبر جب

فتحمند خاقان کے گوش گذار ہوئی تو اس نے فوراً میر ذوالنون کے حاضر ہونے کا حکم جاری کیا اس پر اس نے بغیر کسی خدشہ اور توقف کے تخت کے سامنے حاضر ہوکر بیش قیمت نذرانے گذارے اور شاہزادوں نیز شاہی امرا اور وزرا کو بھی ان کے مرتبہ کے مطابق تحفے تحائف پیش کئے۔ اس برتاؤ سے سب لوگ میر ذوالنون کے معترف، مخلص اور خیر خواہ ہوگئے مگر اس کے باوجود شاہ والا جاہ کو اطمینان حاصل نہ ہوا۔ میر ذوالنون نہایت دانا شخص تھا وہ اپنی فراست سے معاملہ کی نوعیت کو سمجھ گیا۔ چنانچہ اس نے خود کو میرزا بدیع الزمان سے وابستہ کیا اور خلوت اور جلوت میں اس کی خدمت میں حاضر ہوکر ہر روز کوئی نیا نذرانہ پیش کیا کرتا۔ آخر ایک رات اس نے مرزا سے عرض کیا کہ میں [۸۱] معاملہ کے رخ سے ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بادشاہ مجھے رخصت نہ دے گا اس لئے [میں سوچتا ہوں کہ] اپنے آدمیوں کو اجازت دے دوں تاکہ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ مرزا نے اس کی مصلحت کی تعریف کی اور میر ذوالنون کچھ تھوڑے آدمیوں کے ساتھ تقریباً ایک سال شاہی لشکر میں رہا۔ ایک رات فتح مند خاقان کی محفل میں ادھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ بات کرتے کرتے [بادشاہ نے] فرمایا کہ ذوالنون کی بابت خیر خواہوں کی کیا رائے ہے؟۔ اہل مجلس ابھی جواب دینے پر غور ہی کر رہے تھے کہ میرزا بدیع الزمان نے عرض کیا کہ قندھار کی حکومت کوئی بھی امیر قبول نہیں کرتا۔ جسے

بھی قندھار کی حکمرانی کے لئے بھیجا جاتا ھے وہ دو تین سال
کے عرصہ میں وبائی مرض کا شکار ہو کر فوت ھوجاتا ھے۔ چنانچہ
اگر میر ذوالنون کو وھاں بھیجا جائے تو دو مصلحتوں سے خالی
نہ ہوگا یعنی یا تو وہ فرمانبردار ہو کر رھے گا یا نہ رھے گا اور اس
صورت میں بھی دونوں حالتیں بہتر ھوں گی یعنی وہ یا تو وبائی مرض
میں گرفتار ہوگا یا نہ ھوگا ، لیکن [سرکشي کرنے پر] اگر وہ
مرض کے شکنجے سے بچ بھی گیا تو ھماری گرفت سے ھرگز نہ بچ سکے گا۔
بادشاہ نے یہ سخن پسند کر کے فرمایا کہ بہتر ھے یہ معاملہ تمھارے
اختیار میں ھے ۔ میرزا بدیع الزماں نے میر ذوالنون کا ذمہ خود
پر لیا اور فتح مند خاقان نے قیمتی خلعت اور زین و لگام سمیت
گھوڑا اور لشکر کا دوسرا سامان جیسے کہ نقارہ اور علم وغیرہ
میر ذوالنون کے حوالہ کرنے اور دفتر شاھی سے مہر شاھی کے
ساتھ اس کی تقرری کا فرمان جاری کرنے کا حکم عنایت فرمایا ۔
میر ذوالنون نے بھی ایک عہدنامہ لکھ کر مرزا کے حوالہ کیا
کہ جب بھی مرزا کو کوئی حادثہ پیش آیا تو وہ دل و جان
سے مدد کرے گا اور جس وقت بھی حاضر ہونے کا حکم ملے گا بلا
تاخیر حاضر ہوگا ۔ میرزا کی مہربانیوں کو خیال میں رکھتے
ہوئے میر ذوالنون نے ایک تیز رفتار قاصد قندھار بھیج کر اپنے
فرزند رشید شاہ بیگ کو طلب کیا ۔ [اس کے ساتھ] عبدالرحمان
ارغون ، زینک ترخان ، جعفر ارغون اور سلطان محمود بکھری کے
والد میر فاضل بھی دو سو سواروں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے
خراسان آ پہونچے ۔ شاہ بیگ کے آجانے کی وجہ سے فتح مند خاقان

مرزا بدیع الزمان [۸۲] اور دفتر حکومت سے تعلق رکھنے والے جملہ افراد کی پوری طرح تشفی ہوگئی۔

میر ذوالنون کے قندھار روانہ ہونے کا ذکر

جب میر ذوالنون نے کافی عرصہ فتح مند خاقان کی خدمت میں گذارا تب کامگار شہزادوں، نامور بہادروں اور عزت مآب وزیروں نے میر ذوالنون کی مشکل حل کرنے کی طرف توجہ کی اور حضور میں عرض گذار ہوئے کہ قندھار کی سرحدوں میں خلل پیدا ہوگیا ہے، اگر فرمان عالی صادر ہو تو میر ذوالنون کاروبار کی طرف متوجہ ہوکر بندوبست کرے۔ حکم ہوا کہ میر ذوالنون اپنا فرزند اور اپنے امرا حاضری میں چھوڑکر خود قندھار جائے۔ یہ حکم ملتے ہی میر ذوالنون موقع کو غنیمت جان کر اپنے بیٹے امراءٔ اور آدمیوں کو ساتھ لے کر یلغاریں کرتا ہوا قندھار روانہ ہوگیا اور باقی کافی ملازم، سامان اور ہتھیاروں سمیت، گھر میں چھوڑ گیا۔ دو تین دن بعد خاقان بلند مکان نے فرمایا کہ امیر ذوالنون نوروز تک ٹھیرے اور نوروز کا جشن گذار کر قندھار جائے۔ [یہ حکم لے کر] ایک سردار اس کے مکان پر گیا اور سامان و اسباب اسی حال میں موجود دیکھ کر [اس کا] حال معلوم کیا اور [واپس] جا کر میر ذوالنون کے روانہ ہوجانے کی کیفیت حضور میں پیش کی۔ خاقان کی زبان سے نکلا کہ امیر ذوالنون ایسا گیا ہے کہ پھر ہمیں نہ دیکھے گا۔ سارے شہزادوں اور امرا نے پناہ مانگ کر عرض کیا کہ وہ واپس آجائے گا اس کے

گھوڑوں کا اصطبل، اونٹ، گھر کا فرش اور دوسرا سارا اسباب اس کی اقامت گاہ میں جوں کا توں موجود ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہی تو اس کی عقل اور دانائی کا کمال ہے کہ وہ ہمیں بازی لے گیا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا۔ [چنانچہ خاقان نے] دلدھی کا فرمان لکھکر امیر (۱) علی کے ھاتھ، جو کہ دربار کا معتمد علیہ تھا، میر ذوالنون کے پاس روانہ کیا۔ امیر علی نے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ جا کر وہ فرمان میر ذوالنون کو، جب کہ وہ فراہ سے روانہ ہو رہا تھا، پہونچایا۔ میر ذوالنون نے توجہ کرکے بے حد تعظیم کے ساتھ وہ فرمان لیا اور [۸۳] اس کے مضمون سے آگاہ ہوکر بے حد خوشی ظاہر کی اور امیر علی سے معذرت کے طور پر کہا کہ اب جبکہ گھر سے صرف دو منزلوں کے فاصلہ پر آ پہونچے ہیں تو فرزندوں سے ملاقات کرکے اور گھر کے کاروبار سے واقف ہوکر ہی آپ کے ساتھ واپس چلیں گے۔ اس کے بعد قندھار پہونچ کر اور وہاں منزل انداز ہوکر وہ امیر علی کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ میرذوالنون نے اپنے بیٹوں، شاہ بیگ، محمد مقیم اور اپنے بھائی میر سلطان علی کے سامنے اپنے خیمہ میں بلا کر اس سے ملاقات کی اور نشیب و فراز کی گفتگو کے بعد اس سے کہا کہ "ہمیں یقین ہے کہ بادشاہ دوبارہ ہمیں اجازت نہ دے گا بلکہ [پہلے دی

---

(۱) یہاں اصل متن میں لفظ ساربان ہے جس کے دو معنی ہیں ایک امیر اور دوسرے اونٹ ھکانے والا۔ یہاں سیاق و سباق کے پیش نظر اول الذکر معنی ہی کو ترجیح دینا مناسب ہے۔ (مترجم)

ہوئی اجازت پر وہ] پشیمان ہوا ہے۔ تو سچ بتا [کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے]"۔

چونکہ اس نے بے حد مہربانیاں اور سلوک دیکھا تھا اس لئے اس نے بھی [میر ذوالنون کی] حسب منشا گفتگو کی۔ اس کے بعد [میر ذوالنون نے] اسے گھوڑا، خلعت اور کثیر سونا دے کر رخصت کیا۔ امیر علی نے واپس آ کر فتح مند خاقان کی خدمت میں حقیقت حال عرض کر کے میر ذوالنون کا عریضہ خلوت میں پیش کیا۔ [بہرحال] جب کہ معاملہ ھاتھ سے نکل چکا تھا تو پشیمانی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مرزا بدیع الزمان کے قندھار جانے کا ذکر

جب مرزا بدیع الزمان، انحراف مزاج کی وجہ سے، فتح مند خاقان سے رنجیدہ اور بھائیوں سے مایوس ہو کر گرم سیر اور قندھار کے ممالک کی طرف روانہ ہوا تو اس ملک میں پہونچتے ہی میر ذوالنون اور اس کے فرزندوں، شاہ بیگ اور محمد مقیم، نے بلا تاخیر اس کا استقبال کر کے نیاز و نثار کے فرائض ادا کئے اور امکانی طور پر اس کے دل مبارک کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس عالی مقام بادشاہ کے کاروبار کے انتظام پر پوری توجہ کی۔ اسی زمانہ میں مرزا بدیع الزمان، میر ذوالنون کی دختر نیک اختر کا رشتہ طلب کر کے اسے اپنے نکاح میں لایا اور کافی مدت تک عیش و عشرت اور خوشی و آرام کے ساتھ دن گذارتا رہا۔ [۸۴] اسی تعلق کی وجہ سے میر ذوالنون

اور اس کی اولاد کے اخلاص کی بنیادیں اس کے ساتھ بے حد مضبوط ہو گئیں اور اسی وجہ سے مرزا کا استاد شیخ علی طغائی ناراض ہو گیا اور آخر کار قید ہوا۔ یہ واقعہ اسطرح ہے کہ ایک دن، جب کہ میر ذوالنون داور کے کسی مزار کی زیارت میں مشغول تھا، ایک فدائی نے فریادی کی صورت میں آکر اس پر خنجر سے حملہ کردیا۔ اس پر اس کے ملازموں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ [بعد میں] معلوم ہوا کہ یہ حرکت شیخ علی طغائی کے اشارہ پر ہوئی تھی۔ چنانچہ میر ذوالنون اور اس کی اولاد نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن امیر شیخ علی مرزا بدیع الزمان کے خیمہ میں بھاگ گیا۔ ارغونوں نے دو تین ہزار سواروں کے ساتھ شاہی خیمہ کو چاروں طرف سے گھیرلیا اور اس کے حضور میں آدمی بھیج کر امیر شیخ علی کو طلب کیا۔ بدیع الزمان مرزا نے فرمایا کہ تم جاؤ میں شیخ علی کو بھیجتا ہوں۔ انہوں نے مرزا کا پیغام قبول نہ کیا البتہ سخت قسمیں کھا کر تاکیدی وعدے کئے کہ وہ شیخ علی کو قتل نہ کریں گے۔ اقرار لینے کے بعد مرزا بدیع الزمان نے شیخ علی کو میر ذوالنون کے حوالہ کیا اور وہ دوبارہ اس سے راضی ہو کر خدمت کے لئے کمر بستہ ہو گیا۔ امیر شیخ علی کو کچھ عرصہ گرم سیر کے ایک قلعہ میں قید رکھ کر بالا آخر اجازت دے دی گئی کہ جس طرف اس کا دل چاہے ادھر چلا جائے۔ اس پر وہ فتح مند خاقان کے دربار مین حاضر ہو کر بڑے امرا کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ جن دنوں مرزا بدیع الزمان داور کے خطہ میں

وقت گذار رہا تھا انھی دنوں مرزا بدیع الزمان کے بیٹے مرزا محمد مومن کا دردناک حادثہ مشہور ہوا۔

مرزا محمد مومن ابن بدیع الزمان مرزا کے گرفتار ہونے اور تقدیر کے تھپیڑے سے اس نونہال کی جڑیں اُکھڑنے کا بیان

مرزا محمد مومن آفتاب طلعت شاہزادہ تھا۔ عین عنفوان شباب میں [۸۵] اس کی زندگی کا پودا اجل کی سخت ہوا کے جھونکے سے اکھڑ گیا۔ اس کا مختصر حال اس طرح ہے کہ جب اس کے والد بزرگوار، اس کے دادا یعنی فتحمند خاقان، سلطان حسین مرزا سے رنجیدہ ہوکر قندھار کی طرف چلے گئے اس وقت وہ استر آباد میں سکونت پذیر تھا۔ باپ نے قندھار جاتے ہوئے اپنے پیارے فرزند کے پاس پیغام بھیجا کہ تجھے میری رفاقت کرنی ہی مناسب ہے۔ تجھے میری طرف باگ موڑنی چاہئے۔ شہزادہ نے باپ کو پیغام بھیجا کہ شاہی خاندان سے منہ موڑ کر اپنے ملازموں کے پاس پناہ لینا آپ کے لئے موزوں نظر نہیں آتا۔ اس پر بدیع الزمان نے فرزند کی رائے پر آفریں کی اور جو معتمد لوگ اس کے ساتھ تھے ان میں سے بعضوں کو [اس کے پاس] بھیج کر تاکید کی کہ چونکہ تیرے چچا انتقام کے لئے مستعد ہیں اس لئے ان کی باتوں پر دھوکہ نہ کھانا اور اگر تیرا دادا بزرگوار تجھے بلائے تو سردار۔ جہاں کے حکم کی اطاعت کرکے خود کو اس کی خدمت میں پہونچانا۔ البتہ اگر

اس کے حکم کے خلاف کوئی اور آدمی تیری طرف آئے تو اس سے جنگ کرنا۔

غرض جب مظفر حسین مرزا استر آباد کے نواح میں آکر منزل انداز ہوا تو مرزا محمد مومن یہ خبر سن کر چچا کی فرمانبرداری قبول کرتے ہوئے اس کے استقبال کرنے اور ملک و مال اس کے حوالہ کرکے کسی طرف نکل جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں اسے میرزا بدیع الزمان کا فرمان پہونچا کہ کسی بھی صورت میں عنان اختیار اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا اور لشکر فراہم کرکے میدان جنگ آراستہ کرنا۔ چنانچہ مرزا محمد مومن لشکر تیار کرکے استر آباد سے باہر نکلا اور میدان جنگ کی طرف باگ موڑی۔ مرزا مظفر حسین بھی بے انداز سپاہ کے ساتھ میدان میں آیا اور دونوں جانب سے نعروں نقاروں اور شہنائیوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آن واحد میں تیروں اور تفنگوں کا مینھ برسنے لگا۔ قصہ کوتاہ، جنگجو جوانوں اور بہادروں نے باہم ٹکرا کر جنگ کے الاؤ کو بھڑکایا اور [۸۲] روز قیامت کے مناظر نظر آنے لگے۔ مرزا محمد مومن نے [ہم نبرذ] بہادروں کی ایک فوج کو فرش موت پر لٹادیا لیکن شومئی قسمت سے اسی اثناء میں اس کے گھوڑے کا تنگ ٹوٹ گیا اور وہ پشت زین سے زمین پر آ گرا۔ اس کے گرتے ہی ایک سپاہی نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن یہ خبر سنتے ہی مرزا مظفر حسین خود اس مقام پر آ پہونچا اور بھتیجے کو سینے سے چمٹا کر تسلی دیتا ہوا فوراً استر آباد میں لے آیا اور پھر اسے چاندی کی زنجیروں میں گرفتار کر دیا۔ اس کے کچھ

عرصہ بعد اسے اپنے ماموں امیر محمد برندق برلاس کے ہاتھوں
ہرات بھیج دیا۔ اس نے اسے ماہ صفر سنہ ۹۰۳ ھجری میں وہاں
پہونچا کر قلعہ میں قید کردیا اورخود فتح مند خاقان کی خدمت
میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا اور دریائے مرغاب کے کنارے پر
شرف قدم بوسی حاصل کر کے [فتحمندخاقان کو] حقیقت حال سے باخبر
کیا۔ [اس طرف] مرزا مظفر حسین کی والدہ خدیجہ بیگی بیگم
نے شہزادہ محمد مومن مرزا کی زندگی کو اپنے بیٹے مظفر حسین
مرزا کے لئے موت کا پیغام تصور کر کے اس شاہی گلشن اقبال
کے نونہال کو ظلم کی آندھی سے اکھیڑ پھینکنے کی پوری
کوشش کی اور خواجہ نظام الملک کو، جو کہ ان دنوں ملک
و مال کا مختار تھا، اپنے ساتھ ملاکر ایک رات جب کہ
فتح مند خاقان شراب کے نشہ میں مخمور تھا، اس شہزادے کے
قتل کا حکم اس سے حاصل کرلیا اور یار علی بخشی اور
عبدالواحد اسپ سوار کو اپنے دو معتمد آدمیوں کے ساتھ اس
کام پر مامور کر کے بسرعت تمام روانہ کیا۔ دوسرے دن جب
فتح مند خاقان اپنے گذشتہ شب کے حکمنامہ سے آگاہ ہوا تو
اس نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد کو فرمان دے کر ان کے
پیچھے روانہ کیا کہ زنہار اس قرۃالعین کو ایذا نہ پہونچانا۔
لیکن وہ بدکار جماعت خدیجہ بیگم کے مبالغہ اور تاکید کی
وجہ سے تیزی کے ساتھ سفر طے کر کے اس مقام پر جا پہونچی
کہ جہاں مرزا محمد مومن قید تھا۔ کیفیت حال سے باخبر ہو کر
شہزادہ جست لگا کر اٹھا اور ان کے سامنے سے فرار ہونے
لگا لیکن ان بد بخت اور نا عاقبت اندیشوں نے [۸۷]

ایسے جوان کو، کہ جس کا خاندان میں کوئی ھمسر نہ تھا، قتل کردیا اور اسی شب لشکر کی طرف واپس لوٹے - ابھی انھوں نے تھوڑاھی فاصلہ طے کیا تھا کہ انھیں وہ آدمی ملا کہ جو معافی کا پروانہ لئے آرہا تھا۔ لیکن جب کہ تقدیر اپنا کام کرچکی تھی تو سوائے افسوس اور پشیمانی کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ صبح سویرے امیر جنید نے، جو کہ شہر میں موجود تھا، شہر کے باشندوں اور سر کردہ افراد کے مشورہ سے اس کی لاش کی تجھیز و تکفین کا بندوبست کیا اور اسے ھرات کے مدرسہ شریف میں دفن کیا - جب مرزا بدیع الزمان کو اپنے فرزند رشید کی شہادت کی خبر ملی تو پریشانی اور بے صبری کے عالم میں انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر کے اس نے لشکر فراھم کرنے کا حکم دیا -

سلطان حسین مرزا کا قندھار کی طرف روانہ ھونا اور اس کا راستہ ھی سے واپس لوٹ جانا

یہ خبر جب نیک بخت بادشاہ کے گوش گزار ھوئی، کہ مرزا بدیع الزمان میر ذوالنون ارغون سے ملکر زبردست لشکر فراھم کر رھا ھے اور مرزا محمد مومن کا انتقام لینے کے لئے مقابلہ اور جنگ کی تیاری کر رھا ھے، تو فتح مند خاقان خود گرم سیر اور قندھار کی طرف روانہ ھوا - مرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون نے خاقان کی روانگی سے با خبر ھوکر فراہ، داور اور قندھار کے زمینداروں اور کسانوں کو حکم دیا جس پر انھوں نے کھانے پینے کی ھر وہ چیز جو کہ میسر ھوسکی لا کر قلعہ

میں جمع کردی ۔ پھر اس ملک کی ساری آمدنی انھوں نے
کار آمد لوگوں کو تقسیم کی ۔ امیر ذوالنون نے پشنگ کے قلعہ
کو اس قدر مستحکم کیا کہ اگر ایک چیونٹی بھی اس پر چڑھنے
کی کوشش کرے تو اسے راستہ نہ ملے چنانچہ وہ اس میں قلعہ بند
ہو گیا ۔ مرزا بدیع الزمان نے کسی دوسرے قلعہ کو مضبوط بنایا ۔
شاہ بیگ قندھار میں اور محمد مقیم داور کے قلعہ میں ڈٹ گئے ۔
طے یہ ہوا کہ اگر فتح مند خاقان پشنگ کی طرف بڑھے تو
بدیع الزمان مرزا جنگ کے [۸۸] ارادہ سے لشکر کے عقب پر حملہ
آور ہو اور اگر وہ پہلے بدیع الزمان کو دفع کرنے میں مشغول ہو
تو میر ذوالنون لشکر کو پیچھے سے گھیر لے ۔ قصہ کوتاہ
فتح مند خاقان ولایت فراہ سے گذر کر خطۂ داور میں آیا لیکن
یہاں رسد نہ ملنے کی وجہ سے شاہی لشکر میں قحط پھیل گیا
اور اس پریشانی کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریب
تھا کہ شاہی لشکر متفرق اور منتشر ہو کر میر ذوالنون کے
پاس چلا جاتا ۔ لیکن اسی اثناء میں بادشاہ کو خبر ملی کہ بیست
کے قلعہ میں ، کہ جس کی نگرانی عبدالرحمان ارغون کے ذمہ ہے ،
اناج کا بڑا ذخیرہ ہے اور وہ آسانی کے ساتھ ہاتھ آ سکتا ہے ۔
چنانچہ وہاں جا کر اس نے قلعہ کے باہر اپنی فتح کا جھنڈا
نصب کیا ۔ عبدالرحمان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا جس کی
وجہ سے ، کسی آدمی کے اسلحہ جنگ استعمال کرنے سے پہلے ہی ،
اس نے شکست تسلیم کی اور سلطان کی خدمت میں حاضر
ہو کر قلعہ اس کے حوالہ کر دیا ۔ در حقیقت اگر عبدالرحمان بیگ

دو تین دن ثابت قدم رہتے ہوئے قلعہ داری کی رسمیں بجالاتا
تو فتح مند خاقان کا لشکر بے حد پریشان ہوجاتا، کیونکہ اس
قلعہ کے فتح ہوجانے کے باوجود لشکر میں [غلہ کی] وہی قلت
رہی اور فتح مند خاقان نے واپسی ہی میں بہتری تصور کرتے
ہوئے اسی منزل سے پایہ تخت ہرات کو کوچ کیا۔

مرزا بدیع الزمان کا شاہ بیگ ارغون کے ساتھ النگ نشین مین سلطان حسین مرزا کے مبارک لشکر کی طرف کوچ کرنا

اس حال کی کیفیت یوں ہے کہ بہار کی ابتدا میں سلطان
حسین مرزا کچھ عرصہ کے لئے عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔
سپاہی منتشر ہوکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور باقی کچھ
تھوڑے امرا سلطان حسین کے لشکر میں باقی بچے - یہ خبر جب
بدیع الزمان مرزا اور شاہ بیگ ارغون بن ذوالنون کو پہونچی،
جو کہ گرم سیر میں مقیم تھے، [۸۹] تو موقع کو غنیمت جان کر
انھوں نے فیصلہ کیا کہ تین چار ہزار سواروں کے ساتھ خاقان
کے لشکر کی طرف یلغار کرکے اچانک لشکر گاہ نصرت پناہ
پر چھاپہ مارا جائے۔ یہ ارادہ کرکے وہ صبا رفتار گھوڑوں پر
سوار ہوئے اور گھڑی بھر بھی سفر میں آرام کئے بغیر چلتے رہے
اور پانچویں چھٹے دن وہ سبز وار کے نواح میں جا پہونچے۔
فریدوں حسین مرزا کو اس کی خبر مل گئی - چنانچہ اس نے قلعہ
کو مستحکم کرکے دو تین تیز رفتار آدمی، یکے بعد دیگرے،

بارگاہِ معلّیٰ کی طرف روانہ کرکے والد بزرگوار کی خدمت میں اس حادثہ کی حقیقت پیش کی۔ النگ نشین میں اس خبر کے پہونچنے پر سپاہ کے کم ہونے کی وجہ سے خاقان عالیجاہ کی بارگاہ کے مقربین فکر مند ہوگئے۔ سلطان نے فوراً کچھ مقربینِ خاص کو تخت گاہ ہرات کے طرف روانہ کرکے حکم فرمایا کہ قلعہ کو مضبوط کرکے امیر علی شیر قلعہ کی حفاظت کرے اور حکم پہونچتے ہی لشکر کو چھاؤنی کی طرف روانہ کرے۔ سلطان حسین مرزا نے فوراً خندق کھدوا کر قراول دستہ کو آگے بھیج دیا۔ جو لوگ [مخبری کرنے] آگے نکل گئے تھے انھوں نے [حملہ آور] لشکر کو دیکھ کر یہ خبر دی کہ وہ کسی بھی جگہ توقف نہیں کرتے اور مثل باد و باراں کے [مسلسل] چلے آتے ہیں۔ فی الواقع اگر مرزا بدیع الزمان اور شاہ بیگ اسی طرح یلغار کرتے ہوئے اسی شب چھاؤنی میں آ پہونچتے تو پیشدستی کرکے سلطانی فوج کو زیر و زبر کرکے رکھ دیتے اور اپنی مرضی کے مطابق اس مہم کا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن سلطان مرزا کا بخت اوج پر تھا اس لئے انھیں اس کی توفیق نہ ہوئی اور انھوں نے وہ رات اسفراین کے نواح میں سو کر گذاری۔ علی الصباح جس وقت کہ لشکر فتح اثر، گروہ در گروہ ستاروں کی طرح جمع ہو کر، لشکر گاہِ معلّیٰ کی طرف آرہا تھا، اسی وقت مرزا بدیع الزمان اور شاہ بیگ، [بادشاہ کے] لشکر کے تھوڑے ہونے کے وہم میں جو کہ ہرگز کم نہ تھا، کیمپ کے قریب آ پہونچے۔ ان کے پہونچتے ہی دونوں جانب سے نقاروں، شہنائیوں اور نعروں کی آوازیں بلند

ہوئیں۔ مرزا بدیع الزمان اور شاہ بیگ نے وفادار سپاہیوں کو
لے کر حیرت انگیز جنگ کی۔ آخر بادشاہ بذات خود تختِ
رواں پر بیٹھ کر میدان میں آیا۔ [۹۰] بس پھر جس طرح کہ
سورج کے طلوع ہونے پر ستارے روپوش ہوجاتے ہیں اسی طرح
دشمن کے سپاہی بھی اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ بدیع الزمان
غور کی طرف چلا گیا اور شاہ بیگ داور کی طرف۔ فتح مند
خاقان کامیاب اور خوش و خرم ہرات کی جانب روانہ ہوا اور
بادشاہ حقیقی کا حمد و شکر بجا لانے میں مشغول ہوگیا۔ یہ
واقعہ شعبان سنہ ۹۰۳ھ میں ظہور پذیر ہوا۔

شاہِ والا جاہ سلطان حسین مرزا کے بدیع الزمان سے صلح کرنے کا ذکر

جس وقت مرزا بدیع الزمان نے شاہ بیگ کے ساتھ قندھار
سے النگ نشین کی طرف یلغار کی تھی اس وقت میر ذوالنون
ملک غور میں تھا۔ چنانچہ مرزا بدیع الزمان شاہی لشکر گاہ
سے ناکامیاب ہوکر میر ذوالنون کی چھاؤنی کی طرف واپس
چلا گیا۔ اس نے شہزادہ کا استقبال کرکے اس کی ذات مبارک
صفات کی سلامتی پر شکرانہ ادا کیا اور اس نقصان کی تلافی
کی غرض سے قندھار، داور اور غور کی فوجوں کو اکٹھا کرنے کے لئے
چاروں طرف تیز رفتار آدمی روانہ کئے۔ مختصر سی مدت میں
ارغون، ہزارہ، تکدری اور قبچاق وغیرہ قبائل کا کثیر لشکر
مرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون کے جھنڈے نیچے اکٹھا ہو کر

جنگ اور مقابلہ کے لئے مستعد ہوگیا۔ یہ خبر جب خاقان۔
فریدوں جاہ کو ملی تو اس نے دوسری بار مرزا کی گوشمالی
کرنے کے لئے النگ نشین سے ہرات کی طرف کوچ کیا۔ انھی
دنوں مرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون کی جانب سے شیخ
جلال الدین ابو سعید پورانی اور مولانا محمود سرخ، شاہی چھاؤنی
میں آئے اور آکر صلح و آشتی کی بات چیت شروع کی۔
فتح مند خاقان، صلح کی طرف مائل ہو کر [آخر کار]، شہزادہ
کی دلدھی کے لئے آمادہ ہوا۔ [۹۱]

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ اس واقعہ سے کچھ
دنوں پہلے سعادت مند خاقان نے جناب شیخ الاسلام سیف الملّت
والدّین احمد تفتازانی، شیخ جلال الدین ابو سعید پورانی اور
سید غیاث الدین محمد صدر کو گرم سیر کی طرف بھیجا تھا
تا کہ وہ مرزا بدیع الزمان کو نصیحت کرکے راہِ مخالفت سے
راہِ موافقت کی طرف لوٹائیں ۔ وہ جب فراہ کی حدود میں
پہونچے تو انھوں نے سنا کہ مرزا بدیع الزمان پدر بزرگوار پر
فوج لے جا کر حملہ آور ہوا ہے۔ چنانچہ [اس کی واپسی پر] شیخ
جلال الدین ابو سعید پورانی اور سید غیاث الدین محمد، جا کر
مرزا اور میر ذوالنون سے ملے ۔ شیخ ابو سعید نے شہزادہ سے
صلح کے متعلق گفتگو کی جس نے جواب دیا کہ اگر حضرت
خاقان از راہ کرم ہمیں اپنے ملک کا اتنا حصہ عنایت فرمائیں،
کہ جس سے اس جماعت کا، جو کہ ہماری ملازمت میں ہے،
سہولت سے گذر ہوسکے، تو ہم خود ھی اطاعت اور فرمانبرداری

کی راہ اختیار کر کے خدمت کرتے رہیں گے لیکن دوسری صورت میں یہ ممکن نہ ہو گا۔ [یہ سنکر] شیخ اور سید [مذکور] اجازت حاصل کر کے دربار حشمت مدار میں پہونچے اور مرزا بدیع الزمان کی گفتگو عرض کی۔ پھر صلح پختہ کرنے کے لئے دوسری مرتبہ امیر شیخ طغائی کے ساتھ، کہ جو ان دنوں دربار اعلیٰ میں ملازم تھا، بدیع الزمان کی چھاؤنی میں گئے اور وہاں سے پھر بادشاہ کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا کہ مرزا بدیع الزمان کو طمع ہے۔ اگر سابقہ دستور کے مطابق ملک سیستان اور قرب و جوار کی حکومت اس کے حوالہ کردی جائے تو پھر وہ مخالفت نہ کرے گا۔ اعلیٰحضرت نے یہ التماس قبول کی اور النگ نشین سے ہرات کی جانب کوچ کر گئے۔ جب دوسری مرتبہ یہ یقین ہو گیا کہ بادشاہ، میر ذوالنون اور بدیع الزمان سے جنگ کرنے کے لئے مستعد ہوچکا ہے تو امیر علی شیر نے تخت گاہ ہرات سے شاہی لشکر گاہ میں پہونچ کر خاقان کی ملازمت کا شرف حاصل کیا اور حضور بادشاہ سلامت کو بدیع الزمان کے راضی کرنے کی ترغیب دے کر۔ [92] ”الصلح خیر“ کا کلمہ گوش گذار کیا، جس پر سیستان اور فراہ کی حکمرانی کا فرمان بدیع الزمان کے نام جاری ہوا۔ یہ مسرت انگیز فرمان امیر شیخ علی طغائی نے مرزا کو پہونچایا اور مرزا بدیع الزمان غور سے سیستان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ ماہ صفر سنہ ۹۰۲ھ میں ظہور پذیر ہوا۔

مرزا بدیع الزمان کا تخت گاہِ ہرات پر فوج کشی کرنا

جب فتح مند خاقان نے اپنے مرکبِ بے نظیر کی باگ استر آباد کی طرف پھرائی تو اس وقت مرزا بدیع الزمان، سیستان سے اور میر ذوالنون ارغون داور کی سر زمین سے غور کے ییلاق (۱) میں آئے اور وہاں ولایت خراسان کی تسخیر کے ارادہ سے ہزارہ تکدری اور قبچاق [قبائل] کے لشکر جمع کئے اور پھر باہمی صلاح و مشورہ کے بعد بے اندازجمعیت ساتھ لے کر ولایت ہرات کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں خاقانی امرا اور وزرا کی جو چراگاہیں ملیں ان پر قبضہ کرتے ہوئے وہ سیدھے ہرات کی طرف بڑھتے رہے۔ ان خبروں کے مشہور ہونے پر امیر نظام الدین علی شیر اور دوسرے امرا، جو کہ اس با رونق شہر میں موجود تھے، سخت پریشان ہوئے اور انھوں نے شہر کے قلعہ کو مضبوط کرکے اور قرب و جوار کے لوگوں کو اس میں جمع کرکے قلعہ بند ہوجانے کا فیصلہ کیا۔ جب مرزا بدیع الزمان موضع ادسیہ میں پہونچا تو میر ذوالنون ارغون وہاں سے فوج کے مقدمہ کے طور پر آگے بڑھا۔ قرب و جوار کے کچھ لوگوں نے، کہ جو اب تک اپنے باغوں میں ٹھہرے ہوئے تھے، جب میر ذوالنون کو زبردست لشکر کے ساتھ دیکھا تو بڑی گرمجوشی سے پیش آئے اور اپنی حیثیت کے مطابق تحفے اور نذرانے پیش کرکے کہنے لگے کہ آپ کا اس طرح پیشقدمی کرنا مناسب نظر نہیں آتا کیونکہ

---

(۱) گرمیوں میں جا کر رہنے کے لئے سرد مقام۔

محمد معصوم مرزا "جچکتو" کی جانب، محمد ولی بیگ "اند خود" کی جانب اور سید عبداللہ ، میرزا داماد ، عبدالباقی مرزا ، امیر بابا علی اور خواجہ افضل کے فرزند چند ہزار مسلح سواروں کے ساتھ، محمد معصوم کی معیت میں، [۹۳] باغات کے آس پاس منزل انداز ہو کر [آپ کا] انتظار کررہے ھیں۔ [اس حال سے با خبر ہو کر] میر ذوالنون نے میرزا بدیع الزمان کی خدمت میں قاصد بھیج کر اسے صورت حال سے آگاہ کیا جس پر میرزا بدیع الزمان، "لکلخانہ" کے گرد و نواح میں، میر ذوالنون سے جا ملا۔ عین اس وقت جب کہ میر ذوالنون کے خیمہ میں شہزادہ تشریف فرما ہوا، جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ باغات کے قرب و جوار سے زبردست لشکر نمودار ہوا ہے۔ [یہ خبر سنتے ہی] میر ذوالنون ارغونی لشکر ساتھ لے کر جنگ کے لئے روانہ ہو گیا۔ النگ نشین کے قریب دونوں طرف کے جنگی سورما تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور [سواروں کی جولانی سے] میدان جنگ کی گرد، تیزی سے گردش کرتی ہوئی آسمان تک جا پہونچی۔ اسی اثناء میں مرزا بدیع الزمان کا علم بھی چاند کی طرح میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ یہ رنگ دیکھ کر اہل ہرات کا دل ٹوٹ گیا اور ان کے ہاتھوں نے عمل سے جواب دیدیا۔ چنانچہ پہلے میرزا سید عبداللہ اور امیر بابا علی نے فرار اختیار کیا اور اس کے بعد محمد معصوم اورمرزا ولی بیگ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرزا (بدیع الزمان) نے شہر میں داخل ہونا مناسب خیال نہ کرتے ہوئے فتح مند خاقان کی چھاؤنی کا رخ

کیا۔ ہزیمت خوردہ لوگ قلعہ میں جا کر دروازے بند کر کے بیٹھ رہے اور فصیلوں و برجوں پر معتمد افراد کو تعینات کر دیا۔ میرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون کامیاب و فتحمند ہو کر النگ نشین میں منزل انداز ہوئے۔ پھر کچھ دنوں بعد وہاں سے "پل مالان" کی طرف روانہ ہوئے۔ انھیں توقع تھی کہ اہل ہرات بغیر جنگ کئے شہر ان کے حوالہ کردیں گے۔ اس طرف امیر علی شیر صلح اور تسلی کے ساتھ وقت گذارتا رہا اور اپنے لشکر کو جنگ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس طرح جب چالیس دن گذر گئے اور فتح مند خاقان کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو امیر نظام الدین علی شیر نے میرزا بدیع الزمان سے خط و کتابت کر کے اسے باپ سے جنگ کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے سے باز رکھا اور عرض کی کہ ہرات سے کوچ کر کے کسی دوسری طرف چلے جائیے تاکہ آپ کے اور [۹۴] فتح مند خاقان کے درمیان کوئی تصادم نہ ہو۔ مبادا دوسری مرتبہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے۔ اس عرض کو قبول کرنے میں مصلحت جان کر شہزادہ "پل مالان" سے "پل سالار" کی طرف اور پھر وہاں سے دریائے مرغاب کی طرف چلا گیا۔

حکومت بلخ کے مرزا بدیع الزمان کے حوالہ ہونے اور میر ذوالنون اور اس کے فرزند رشید شاہ بیگ کے واپس چلے جانے کا ذکر

جب مرزا بدیع الزمان شہر ہرات کے سامنے سے ڈیرے

اٹھا کر دریائے مرغاب کے کنارے کی طرف چلا گیا تو "بادغیس" اور "ججکتو" کا سارا لشکر آ کر اس کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا ہو گیا اور شاہ بیگ بھی قندھار سے آ کر خدمت میں حاضر ہو گیا جس کی وجہ سے لشکر گاہ میں عظیم لشکر جمع ہو گیا۔ [اس موقع پر] پرندہ بیگ بخشی نے، جو کہ فتح مند خاقان کی طرف سے قلعہ مرو کا حاکم تھا، قلعہ ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ شاہ بیگ نے قلعہ فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ہزارہ اور تکدی لشکر نیز ساری سپاہ نے، عام حملہ کی صورت میں، تیر و کمان ہاتھ میں لے کر، بہادری اور ہمت کے ساتھ، اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے قدم بڑھائے۔ امیر پرندہ بخشی صبح سے دوپہر تک دفاع کرتا رہا لیکن آخر کار مقابلہ سے عاجز آ گیا۔ شاہ بیگ نے "مرو" کا قلعہ فتح کر کے امیر پرندہ کے گلے میں رسی باندھ کر اسے مرزا بدیع الزمان کے پاس بھیج دیا جس نے اس کا قصور معاف کر کے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اس طرف شہر ہرات میں فتح مند خاقان اپنے بیٹے کے کثیر لشکر اور مکمل تیاریوں کی خبریں سنکر سخت پریشان ہوا کیونکہ اسی وقت اس کا لشکر استر آباد کی مہم سے واپس ہوا تھا، ان کے گھوڑے بیحد دبلے اور ضعیف ہو گئے تھے اور کچھ دن آرام کئے بغیر وہ مزید سفر کر کے بدیع الزمان اور میر ذوالنون پر حملہ آور نہ ہو سکتے تھے۔ لاچار ہو کر فتح مند خاقان نے شاہی دربار [۹۵] کے مقربین سے صلاح و مشورہ کر کے صلح کا ارادہ کیا اور مولانا فصیح الدین

استر آبادی کو یہ مشکل حل کرنے کے لئے دریائے مرغاب کے ساحل کی طرف روانہ کیا۔ مولانا صاحب نے مرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون کی خدمت میں حاضر ہو کر پیغام پہونچایا اور شہزادہ کو باپ کی مہربانی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سعادت مند خود بھی باپ کے حقوق کے پیش نظر صلح وصفائی کی طرف مائل ہو گیا۔ [آخر کار] لوگوں کی بار بار آمدورفت کے بعد فیصلہ ہوا کہ بلخ اور اس کے اردگرد کی حکمرانی مرزا بدیع الزمان سے متعلق رہے گی اور اس ولایت میں شہزادہ محترم کا نام خاقان کے مبارک نام کے ساتھ خطبہ میں جاری ہوگا۔ چنانچہ راہ میں خواجہ شہاب الدین عبداللہ مروارید نے شہزادہ اور میر ذوالنون سے ملاقات کر کے بلخ کی حکومت کا فرمان پہونچایا۔ بدیع الزمان نے، بلخ میں تشریف فرما ہو کر، سیستان کی حکومت میر ذوالنون کے بھائی امیر سلطان علی ارغون کو عنایت کی اور میر ذوالنون اور شاہ بیگ [اپنی] حکمرانی کا پرچم لہراتے ہوئے قندھار آئے۔

ابن حسین مرزا کا سیستان کی طرف روانہ ہونا اور امیر سلطان علی ارغون سے جنگ کرنا

سنہ ۹۰۸ھ میں "جاجم بردی" اور "لاش" کے قلعہ کے فوجدار خدا قلی نے، فتحمند خاقان کی خیر خواہی میں، سیستان کے حاکم امیر سلطان علی ارغون سے بغاوت کر کے، بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کا عریضہ روانہ کیا کہ اگر شہزادوں میں سے کوئی اس ملک میں تشریف لائے تو سیستان بہ آسانی فتح

ہوجائے گا۔ اس پر خاقان عالیشان نے ابن حسین مرزا کو دو سو سواروں کے ساتھ ولایت سیستان کی تسخیر کے لئے مامور کیا۔ ابن حسین مرزا اس ملک کی طرف روانہ ہوا [۹۲] اور سیستان کی حدود پر حلمہ کرکے "اوق" نامی ایک جگہ پر جا کر منزل انداز ہوا - یہ خبر سنتے ہی میر ذوالنون، اپنے فرزندِ ارشد شاہ بیگ کے ساتھ، مرزا ابن حسین کے لشکر گاہ کا عازم ہوا اور سرعت کے ساتھ سفر طے کرتے ہوئے علی الصباح، جب کہ ابھی تک مرزا ابن حسین خواب راحت میں محو تھا اور اس کے سپاھی منتشر تھے، اوق کے قریب جا پہونچا - مرزا یہ خبر پا کر تقریباً تیس ہزار لشکر ساتھ لے کر، جو کہ اس وقت اس کی ڈیوڑھی پر موجود تھا، میر ذوالنون کے مقابلہ پر آیا - دوسری طرف سے میر فاضل کوکلتاش اپنے چچا عاقل اتکہ کے ساتھ، کہ جو ارغونی لشکر کے مقدمہ میں تھا، ابن حسین مرزا کے مقابلہ میں، جنگ کے لئے، صفیں آراستہ کر کے سامنے آیا۔ دونوں طرف کے بہادروں نے تیر، کمانیں، تلواریں اور نیزے استعمال کرنا شروع کر دیئے - عین اسی عالم میں ایک جانب سے میر ذوالنون، ترخانوں اور ارغونوں کے زبردست لشکر کے ساتھ، دوسری طرف سے شاہ بیگ یکہ، تکدری اور ہزارہ قبائل کی جمعیتوں کے ساتھ اور پشت کی طرف سے باقر ارغون، ملک علی ابن سلطان علی ارغون اور سلطان بیگ سیستان کے لشکر کے ساتھ، آناً فاناً میدان جنگ میں آ پہونچے اور ابن حسین مرزا کو [چاروں طرف سے] گھیر لیا۔ مرزا نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن میر فاضل بیگ کوکلتاش

کے ھاتھوں ، نیزے کا زخم کھاکر ، مجروح ھوگیا اور
ھرات کی طرف بھاگ کھڑا ھوا۔ میر ذوالنون نے مرزا کے تعاقب
سے لوگوں کو منع کیا اور کسی کو بھی شاھی لشکر کے
پیچھے نہ جانے دیا۔ فتح کے بعد میر ذوالنون سیستان گیا اور
وھاں اپنے بھائی میر سلطان علي سے ملاقات کرکے قندھار واپس
چلا گیا۔

مرزا محمد مقیم ابن میر ذوالنون کے کابل فتح کرنے اور وھاں کے بعض حادثوں کا ذکر

چونکہ بقا اور دوام صرف مالکِ "کُنْ فَیَکُوْن" کے لئے
مخصوص ھے اور [۹۷] اس دنیائے دوں سے انتقال کرنا زمین پر
بسنے والوں کے وجود کے لئے لازمی ھے ، چنانچہ سنہ ۹۰۷ ھ میں
مرزا الغ بیگ ابن سعید مرزا ولایت کابل میں رحلت کر گیا
اور اس کا بیٹا مرزا عبدالرزاق اس ملک کا حکمراں ھوکر اپنے
باپ کی جگہ تختِ شاھی پر متمکن ھوا۔ لیکن شہزادے
کی کمسنی کی وجہ سے امرا اور وزرا میں اختلاف پیدا ھوگیا
اور شیرم زکہ نے کل کاروبار مملکت کی باگ اپنے ھاتھوں میں
سنبھال لی۔ [اس پر] امیر یوسف۔ محمد قاسم بیگ، امیر یونس علی
اور بعض دوسرے شاھی امرا و وزرا شہر کے باھر جا کر موقع
کا انتظار کرنے لگے۔ عیدالاضحیٰ کی صبح کو، جبکہ شیرم زکہ
بادشاہ کے دیوان خانہ میں بیٹھا ھوا آش پی رھا تھا ،
اچانک پورے تین سو آدمی کابل میں داخل ھوکر اس پر چڑھ

آئے اور تلواریں میان سے نکال کر فوراً اس کی زندگی کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ [اس حادثہ سے] اہلِ کابل میں سخت پریشانی پھیل گئی۔

یہ خبر گرم سیر میں میر ذوالنون کے چھوٹے بیٹے مرزا محمد مقیم کے گوش گذار ہوئی اور اس نے سنہ ۹۰۸ھ کے اواخر میں ہزارہ اور تکدرہ کا لشکر جمع کرکے تسخیرِ کابل کے ارادہ سے اس طرف کوچ کیا۔ مرزا عبدالرزاق نے مقابلہ کرنے کی بجائے فرار ہونا پسند کیا اور محمد مقیم اس ملک کا حاکم بن کر مرزا الغ بیگ کی بیٹی کو اپنی نکاح میں لایا۔ مرزا بدیع الزمان اور میر ذوالنون، جو کہ دریائے آمویہ کے کنارے منزل انداز تھے، یہ خبر پا کر بے حد خوش ہوئے۔ لیکن میر ذوالنون دل میں سخت فکر مند ہوا اور اس نے بیٹے کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ تیری یہ جسارت مناسب نہ تھی اب تجھے چاہئے کہ کابل کے امرا کو اپنے قریب نہ آنے دے اور خود سے لاپرواہ نہ رہے۔ اس پر مرزا محمد مقیم نے کابل کے قدیم عمال کو رخصت دے کر کابل کی نگرانی اور حکومت اپنے آدمیوں کے سپرد کردی۔ [۹۸]

سنہ ۹۱۰ھ کے اوائل میں حضرت ظہیرالسلطنت والخلافت محمد بابر بادشاہ نے سمرقند سے واپس ہونے کے بعد "اند خود" [کے مقام سے] کابل کی راہ لی اور سرعت کے ساتھ سفر طے کرکے اور اس شہر کے نواح میں پہونچ کر اسے اپنے آمد کی برکت سے سرفراز کیا۔ امیر محمد مقیم ابن میر ذوالنون ارغون مقابلہ

کی تاب نہ لا کر شہر میں قلعہ بند ہو گیا ۔ محاصرہ کے تھوڑے دنوں بعد اس کے خیر خواہ نیز قوم کے سبھی لوگ فاتح بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا خیال کرنے لگے اور شہر کے عام باشندے بھی خلافت پناہ شہنشاہ کی خیر خواہی کا دم بھرنے لگے۔ آخر محمد مقیم کا پیمانۂ صبر و تحمل چھلک گیا اور اس نے بابر بادشاہ کی بارگاہ عالی مین درخواست بھیج کر معافي اور امان طلب کی تاکہ حاضر خدمت ہوکر قلعہ کی کنجی حوالہ کرسکے۔ شہنشاہ بابر نے محمد مقیم کی درخواست قبول کرتے ہوئے قسم کھائی کہ جب محمد مقیم شہر کا دروازہ کھولے گا تو اس کے ساتھ شایانِ شان سلوک کیا جائے گا ۔ چنانچہ محمد مقیم شاہانہ مہربانیوں کا امید وار ہوکر کابل سے باہر نکلا اور قدم بوسی کا شرف حاصل کرکے اعلیٰ تحائف پیش کئے ۔ حضرت بادشاہ نے وعدہ کے مطابق نوازشِ شاہانہ اور الطافِ خسروانہ سے سرفراز کرکے اسے وطن واپس جانے کی اجازت عطا فرمائی ۔

قادرِ بے مثال کی تقدیر کے مطابق امیر ذوالنون کی شہادت کا ذکر

جب سنہ ۹۱۳ھ کے محرم کا چاند نظر آیا تو محمد خان شیبانی ازبک چیونٹیوں کی طرح لا تعداد افواج ساتھ لے کر اور دریائے کزک کو عبور کرکے خراسان پر حملہ آور ہوا ۔ محمد خان کي آمد سے فتح مند خاقان کے سعادت مند بیٹے بیحد

خائف ہوئے - بدیع الزمان مرزا نے ایک تیز رفتار قاصد میر ذوالنون کے پاس بھیج کر اسے واقعہ سے باخبر کیا - میر ذوالنون نے اپنے بیٹوں اور مقربین سے مشورہ کیا - ہر ایک کی رائے نرالی تھی - میرَ ذوالنون نے فرمایا کہ [۹۹] [ہر چند جا کر] واپس آنا محال ہے ، کیونکہ از بک کا لشکر شوکت و عظمت اور انتہائی قوت و طاقت کا حامل اور فتح مند خاقان کے خاندان کا نصیب خرابی اور زوال پر مائل ہے [لیکن اس کے باوجود] ہم پر جانا واجب ہے اور اس وقت سستی کرنا مروت اور انسانیت سے بعید ہے -

القصہ ، میر ذوالنون ، ارغونوں کے لشکر کی ایک جماعت ساتھ لے ، کر شہزادہ بدیع الزمان مرزا کی چھاؤنی کی طرف روانہ ہوا - ابھی اس نے دو تین منزلوں کی مسافت طے کی ہوگی کہ خبر ملی کہ اس کی بیٹی چوچک بیگم پایۂ تخت ھرات میں اس مصیبت بھری دنیا سے آخرت کی جانب رحلت کر گئی ہے - یہ خبر سنکر ہر چند کہ اسے بے حد دکھ ہوا لیکن اس نے زبان سے خدائے حمید و مجید کا شکر ادا کیا - ایسی مصیبت کے اچانک نازل ہوجانے پر اس کے دل کو اسی طرح سے تسلی حاصل ہوسکتی تھی - اس کے بعد اس نے ایک تیز رفتار قاصد شاہ بیگ کے پاس بھیج کر ھدایت کی کہ " وہ مستورات میں سے بعضوں کو اپنے ساتھ [ھرات] لے جائے اور تسلی و تشفی سے [وھاں کے لوگوں کا] ماتمی لباس تبدیل کراکے جلد قندھار واپس آجائے اور اس کے بعد محمد مقیم داور کے علاقہ میں ، امیر سلطان علی سیستان میں اور امیر جعفر ارغون ، عبدالعلی زینک ترخان ، عاقل اتکہ اور فاضل کوکلتاش قندھار میں رہتے ہوئے

احتیاط اور بیداری سے کام لیں اور کبھی غافل اور بے خبر نہ ہوں"۔

[یہ احکامات دے کر] میر ذوالنون وہاں سے تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور کچھ ہی عرصہ میں شہزادہ بدیع الزمان مرزا کی چھاؤنی میں پہونچ کردست بوسی کا شرف حاصل کیا اور عزت و اکرام اور تعظیم و احترام سے سرفراز ہوا۔شاہزادہ نے میر ذوالنون اور دوسرے امیروں سے مشورہ کیا ۔ معلوم ہوا کہ تقدیر کا تیر تدبیر کی ڈھال سے نہ روکا جاسکے گا ۔ چونکہ [۱۰۰] خود مالک مطلق کا بھی یہی منشا تھا کہ ملک خراسان محمد شیبانی ازبک کے لشکر کے قبضہ مین جائے اور فتح مند خاقان کی اولاد کی بادشاهت [کی مدت] پوری ہو اس لئے بے انتہا لشکر کے جمع ہوجانے اور صحیح مصلحت [اختیار کرنے] سے بھی کوئی فائدہ نہ پہونچا ۔ اسی دن ازبک اور ماوراء النہر کی فوجیں دریائے آمویہ عبور کر آئیں جس کی وجہ سے خراسان کے بادشاہ اور امیر حیرت اور فکر میں ڈوب گئے اور دوبارہ مشورے کرنے لگے ۔ میر ذوالنون نے ، اپنی طبعی شجاعت کی وجہ سے ، جنگ کرنے کو بہتر قرار دیا اور امیر محمد برندق برلاس کی رائے ہوئی کہ ہرات کے شہر میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ رہا جائے ۔ ان دونوں رایوں میں سے کوئی ایک طے بھی نہ ہونے پائی تھی کہ محمد خان شیبانی کا قیامت خیز لشکر ، جس میں کہ آسمانی بلاؤں سے بھی زیادہ سپاهی تھے، قریب آ پہونچا ۔ چنانچہ خاقانی لشکر بھی میمنہ اور میسرہ آراستہ کرکے میدان جنگ میں آ ڈٹا

اور شہزادوں نے بھی صفیں آراستہ کر کے اپنی فوجیں بڑھائیں ۔ دونوں طرف سے بہادروں کی للکاروں ، دارو گیر ، نقاروں اور شہنائیوں کا شور آسمان تک پہونچنے لگا ۔ میر ذوالنون نے جنگجو شیروں کی ایک جماعت ساتھ لے کر ، بجلی کی طرح تڑپتی ہوئی تلواروں سے، کتنے ہی پہلوان فنا کے گھاٹ اتار دیئے اور دشمنوں کے لشکر پر بار بار حملے کرتا رہا ۔ لیکن چونکہ ازبک لشکر خراسانیوں سے کئی گنا [زیادہ تھا] اور دریا کی موجوں کی طرح ان کی فوجیں ایک دوسرے کے پیچھے مدد کے لئے چلی آرہی تھیں اس وجہ سے شاہزادوں کی فوجیں مقابلہ سے عاجز آکر پسپا ہونے لگیں اور ان کے گروہ پریشانی اور بے سر و سامانی کے عالم میں خراسان کے اطراف و کناف کی طرف بھاگنے لگے ۔ میر ذوالنون کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب بڑھ بڑھ کر حملے کرتا ہوا اور تلوار و خنجر کے زخموں سے بہادروں کا خون بہا کر میدان کی زمین خون سے گلنار کرتا ہوا انتہائی شجاعت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتا رہا ۔ آخر کار ازبکوں نے چاروں طرف سے اسے نرغے میں لے لیا اور [۱۰۱] اور میدانِ جنگ کے اس شہسوار کو متعدد زخم لگا کر گھوڑے سے گرادیا ۔ اس کے بعد وہ اسے گرفتار کر کے محمد خان کے پاس لے جانا چاہتے تھے لیکن میر ذوالنون نے ہار نہ مانی اور قتل ہوجانے تک بدستور جنگ کرتا رہا ۔

شاہ بیگ اور محمد مقیم ارغون کے حالات کا ذکر

میر ذوالنون کے فوت ہوجانے کے بعد شاہ بیگ اور محمد مقیم دونوں بھائی قندھار میں اکٹھے ہوئے اور تعزیت کی رسمیں بجا لائے۔ تعزیت سے فارغ ہونے کے بعد اسی مجلس میں محمد مقیم نیز دیگر ارغون، ترخان اور یکہ امرا اور سپاہ نے شاہ بیگ کی سرداری تسلیم کی۔ اسی دن عصر کی نماز کے بعد شاہ بیگ نے حکم دیا کہ نقاروں کی نوبت حسب سابق بجائی جاتی رہے۔ میر ذوالنون کے عہد میں جو لوگ جن عہدوں پر مامور تھے انھیں اس نے بحال رکھا، جس کی وجہ سے سب لوگ دل و جان سے شاہ بیگ کی خدمت کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ شاہ بیگ نے عین عنفوان شباب میں علم و ادب کے زیور سے آراستہ ہوکر جملہ علوم کا بخرہ حاصل کیا تھا چنانچہ ہمیشہ وہ علما و طلبہ کی صحبت میں وقت گذارا کرتا تھا۔

محمد خان شیبانی جب ولایت خراسان کی تسخیر کے بعد فراہ کے گرد و نواح میں پہونچا اور قندھار کو تسخیر کرنے کا خیال رکھ کر جب اس نے اس طرف گھوڑے کی باگ پھیری تو اس کے "گرم سیر" کی حدود میں پہونچنے پر شاہ بیگ اور محمد مقیم نے اس کے پاس ایلچی بھیج کر اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا اور خطبہ و سکہ محمد خان کے نام اور لقب سے مزین کرنے کے بعد اس کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کا وعدہ کیا۔ اس پر محمد خان ان سے

راضی ھو کر خراسان کی طرف واپس چلا گیا اور تین گھوڑے، قیمتی خلعتیں اور خیمہ خواجہ عبدالھادی اور تیمور تاش کے ھاتھوں روانہ کیا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر شاہ بیگ نے مطلب نکالا کہ ممکن ھے یہ لوگ کسی دوسری غرض سے آ رھے ھوں۔ یعنی ایک تو عہدنامہ کی بنیادیں مضبوط کرنے [۱۰۲] اور دوسرے ھماری حالت اور لشکر کی تعداد معلوم کرنے۔ چنانچہ فوراً چاروں طرف آدمی بھیج کر اور اپنے سپاھی بلا کر وہ زبردست لشکر کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے باھر نکلا اور قندھار کے باھر تین روز تک قیام کر کے اور ایلچیوں کو خوش کر کے باھر ھی باھر واپس روانہ کیا۔

سنہ ۹۱۳ھ میں ظہیرالسلطنت و الخلافت محمد بابر بادشاہ نے، کابل اور غزنی سے فتحیاب لشکر ساتھ لے کر، قندھار اور داور کی ولایت فتح کرنے کا قصد کیا۔ شاہ بیگ اور محمد مقیم نے جنگ کی نیت سے آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا لیکن شہنشاہ بابر کو فتح ھوئی اور شاہ بیگ و محمد مقیم شکست کھا کر بھاگ گئے اور قندھار اور داور کی حکومت بادشاہ کے زیر تصرف آ گئی۔ فاتح بادشاہ نے میر ذوالنون کے خزانوں کو، جو کہ کافی مدت سے جمع ھو رھے تھے، لشکر کے امیروں اور سرداروں میں تقسیم کر کے قندھار کی عنان حکومت اپنے بھائی سلطان ناصرالدین کے حوالہ کی اور خود کابل چلا گیا۔ ساتھ ھی ساتھ محمد مقیم کی بیٹی ماہ بیگم کو بھی قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے کچھ ھی مہینوں بعد شاہ بیگ اور

محمد مقیم ایک جری لشکر ساتھ لے کر قندھار واپس ہوئے اور ملک، سلطان ناصرالدین سے، چھین لیا۔ مرزا کابل بھاگ گیا اور شاہ بیگ اور محمد مقیم ولایت کے کاروبار کو استوار کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اسی زمانہ میں قاصد اجل محمد مقیم کے پاس آ پہونچا اور وہ اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کو رحلت کر گیا ۔ اس طرف حضرت ظہیرالسلطنت و الخلافت نے شرعی دستور کے مطابق ماہ بیگم کا نکاح محمد قاسم کوکہ سے کردیا جس سے تھوڑے عرصہ بعد ایک بیٹی تولد ہوئی جس کا نام ناھید بیگم رکھا گیا ۔ قاسم کوکہ بعد میں اوزبکوں کی جنگ میں قتل ہوگیا۔ [۱۰۳]

شاہ بیگ کے ولایت سیوی پر چڑھائی کرنے اور سلطان پیرولی برلاس کی اولاد کے بھاگ جانے کا ذکر

امیر شاہ بیگ جب قندھار سے آکر شمال میں منزل انداز ہوا تو میر فاضل کوکلتاش اور عبدالعلی ترخان اس کے استقبال کو آئے اور شال کے مضافات کے لوگوں کو بھی خدمت میں حاضر کیا۔ شاہ بیگ نے رعایا کے سربراھوں کو تسلی اور دلاسے دے کر اپنی عنایتوں کا امیدوار بنایا لیکن [پھر بھی] لوگ لشکر کے خوف سے لرز رہے تھے اور انھیں اندازہ نہ ھوتا تھا کہ یہ فوجیں کہاں جا رہی ھیں۔ بالآخر پتہ چلا کہ یہ سب سیوی جا رہے ھیں۔ جب یہ خبر سلطان پیرولی کی اولاد کو پہونچی، جوکہ

سیوی پر حکمران تھی، تو اس نے تحائف کے ساتھ کچھ معتبر آدمی شاہ بیگ کے پاس بھیج کر اپنی صداقت اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ شاہ بیگ نے ان قاصدوں کو واپس جانے کی اجازت دی اور کچھ دن شال میں قیام کر کے اپنے امیروں سے مشورہ کیا۔ سبھوں نے یہی رائے دی کہ یہ ولایت فتح کرنی چاہئے کیونکہ سنہ ۹۱۰ھ میں خاقان عالیشان شاہ اسماعیل نے خراسان کی ولایت اپنے قبضہ میں کی ہے اور حضرت بابر بادشاہ کابل میں تشریف فرما ہیں۔ دونوں جانب جنگ کے محاذ کھل چکے ہیں اس لئے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے تاکہ اگر کسی دن قندھار سے جدا ہوں تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکیں۔ چنانچہ شال سے خیمہ اٹھا کر اور کچھ سپاہی آگے روانہ کر کے شاہ بیگ ان کے پیچھے منزلیں طے کرتا ہوا سیوی کے قریب جا پہونچا اور وہ قلعہ فتح کرلیا۔ جو لوگ کہ قلعہ میں تھے ان میں سے کچھ آکر حاضر ہوئے اور کچھ فتح پور جا پہونچے کہ جو ان کا مسکن اور مرکز تھا۔ شاہ بیگ نے فرید ارغون، میر فاضل کوکلتاش، زینک ترخان اور عاقل اتکہ کو سیوی سے قندھار بھیج دیا اور خود فتحپور کا رخ کیا۔ [۱۰۴]

فتح پور، سیوی سے پچاس کوس کے فاصلہ پر سندھ کی طرف واقع ایک قلعہ تھا۔ اب فتح پور ویران ہے لیکن اس کا قلعہ، عمارتیں اور محلات اب تک موجود ہیں۔ سلطان پیرولی کی اولاد، دولت شاہی، برغدائی، کوریائی اور نورگائی قبائل میں سے تقریباً ایک ہزار سوار اور بلوچوں نیز دیگر قبائل میں سے تقریباً دو ہزار سوار جمع کر کے، مقابلہ اور جنگ کے لئے آئی۔

آخر کار شاہ بیگ کی فتح ہوئی اور ان میں سے کچھ قتل ہو گئے اور کچھ سندھ کی طرف بھاگ گئے۔ شاہ بیگ وہاں سے سیوی واپس ہوا اور کچھ دنوں وہاں قیام کرکے عمارات اور باغات کی بنیادیں رکھیں اور قلعہ کی مرمت کے بعد کار آمد افراد کو وہاں مامور کرکے قندھار واپس ہو گیا۔

ماہ بیگم کے کابل سے لانے کا ذکر

شاہ بیگ سیوی سے قندھار واپس ہوا اور سیر کرتا ہوا سر زمین "داور" اور "گرم سیر" تک آیا۔ ابھی وہ پہلی منزل پر بھی مشکل سے پہونچا تھا اور لوگوں کو تسلی دے کر ان پر نوازشیں کر رہا تھا کہ ماہ بیگم کی والدہ بی بی ظریف خاتون سیاہ چادر گلے میں ڈالے ڈیوڑھی پر آ بیٹھی اور شاہ بیگ کے باہر نکلتے ہی اس کے دامن سے چمٹ کر عرض کرنے لگی کہ کسی بھی طرح ماہ بیگم کو، جو کہ تیرے بھائی کی یادگار ہے، واپس لا۔ اس واقعہ سے شاہ بیگ کے دل پر بھائی کی جدائی کا داغ تازہ ہو گیا اور ماہ بیگم کو واپس لانے کی فکر میں اہل خلوت سے مشورے کرنے لگا۔ شاہ بیگ کے حرم میں سے عصمت پناہ فاطمہ سلطان بیگم اور خان زادی بیگم کی رائے یہ ہوئی کہ پہلے، محمد مقیم کے حرم سرا کی کنیز، دولت کتہ کو کابل بھیجا جائے تا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ماہ بیگم سے رابطہ پیدا کرکے اور موقع طے کرکے اطلاع بھیجے۔ اس کے

بعد محرمانِ خاص کی ایک جماعت خفیہ طور پر جا کر بیگم کو کابل سے نکال کر ہزارہ کی راہ سے قندھار لے آئے۔ [۱۰۵] شاہ بیگ کو یہ رائے پسند آئی اور [اس نے] بی بی دولت کتہ کا نکاح دولت خان سے کر کے اسے اس کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد دولت کتہ کو کابل پہونچادیا گیا جہاں وہ غیروں کی طرح گاھے گاھے ماہ بیگم کے گھر آتی جاتی رھی۔ آخر [ایک دن موقع پا کر] اس نے دل کا راز ظاھر کیا۔ ماہ بیگم چونکہ کمسنی کے زمانہ ھی سے شہنشاہ بابر کی قید میں رھی تھی اس لئے بادشاہ کے خوف اور خدشہ کی وجہ سے وہ انکار کرنے لگی۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ مبادا قندھار پہونچنے پر اس کے اقربا اپنے ناموس کی خاطر اسے قبر کی آرام گاہ میں نہ داخل کردیں۔ لیکن دولت کتہ بڑی بڑی قسموں سے اس کے دل کے شبہات دور کرتی رھی۔ آخر کار اس نے خفیہ طور پر وھاں سے نکل جانے پر آمادگی ظاھر کردی۔

یہ خبر ملنے پر شاہ بیگ بے حد خوش ہوا اور میر محمود ساربان کے باپ میر کی ساربان، میر فاضل کے چچا میر عاقل اتکہ، ابو مسلم کوکلتاش، عبدالصمد ترخان، دولت خان، اور کچھ دیگر اشخاص کو اس مشکل مہم پر مامور کر کے روانہ کیا۔ یہ جماعت ہزارہ کے لوگوں کے پاس پہونچ کر اور ان کی ایک مزید جماعت ساتھ لے کر کابل جا پہونچی۔ وھاں شہر کے باھر منزل انداز ھو کر انھوں نے دو تین دن گھوڑوں کو تازہ دم کیا اور پھر انھیں الٹے نعل لگا کر تیار ھو گئے۔ اس طرف ماہ بیگم حمام میں جا کر عصر کی نماز کے وقت، جب کہ دن کا شور اور ھنگامہ شباب پر تھا، دولت کتہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ھو کر، ان لوگوں کے پاس پہنچ گئی۔

ماہ بیگم کی بیٹی ناہید بیگم، کہ جس کی عمر اس وقت ڈیڑھ سال تھی، ان کے ساتھ نہ آسکی تھی لیکن یہ لوگ ماہ بیگم کے آجانے کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً سوار ہوئے اور ایک رات دن مسلسل چلتے رہنے کے بعد دوسرے دن منزل پر پہونچ کر کچھ آرام کیا ۔ اس کے بعد پھر رسد اور خوراک لے کر ایک دن اور رات کا سفر طے کرکے خطرات کی منزلوں سے نکل آئے اور دو تین دن ہزارہ قوم کے لوگوں کے پاس آرام کرکے قندھار پہونچ گئے۔ [۱۰۲] شاہ بیگ بھتیجی کے استقبال کے لئے باھر نکلا اور ہر طرح سے تسلیاں اور دلاسے دیتا ہوا گھر لے گیا اور جن لوگوں نے اس کی رفاقت کی تھی ان میں سے ہر ایک کو قیمتی خلعت اور گھوڑے سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد ماہ بیگم کو عاقل اتکہ کے سپرد کیا۔ پھر چونکہ ایک سال بعد قاسم کوکہ ایک جنگ میں قتل ہوگیا اس لئے اس نے [ماہ بیگم کو] نکاح کرکے مرزا حسین شاہ کے حوالہ کیا۔

شاہ بیگ کے کچھ حالات اور واقعات کا ذکر

جب خاقان ذیجاہ شاہ اسمٰعیل نے، ماہ شعبان سنہ ۹۱۷ھ کے وسط میں ولایت خراسان پر قبضہ کرکے، عظمت و شوکت حاصل کی اور محمد خان شیبانی اور ازبکوں کی شکست اور قتل کے بعد تعجب خیز غلبہ و دبدبہ پیدا کیا تو دور و نزدیک کے سارے لوگ اس کی حشمت و عظمت سے کانوں پر ھاتھ دھرنے لگے ۔ اسی اثناء میں [اس کی جانب سے] درمش خان نے فراہ اور سیستان کے قریب و جوار میں پہونچ کر علم حکومت بلند کیا ۔ شاہ بیگ متفکر ھوا اور اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ ہم آگ اور پانی جیسی دو خود مختار سلطنتوں کے درمیان

پھنس چکے ھیں یعنی ھمارے ایک طرف شہنشاہ بابر ھے اور دوسری طرف شاہ اسمٰعیل [ایسی صورت میں ھمیں کیا کرنا چاھئے؟] اس پرسبھوں نے مشورہ دیا کہ درمش خان کی معرفت شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ھونا چاھئے اور شہنشاہ ظہیرالدین بابر سے بھی صلح کی بنیادیں استوار کرنی چاھئیں ۔ القصہ، قاضی ابوالحسن اور مولانا یارعلی کو کابل کی جانب روانہ کر کے اور تحفے اور نذرانے بھیج کر [اس نے] خلافت پناہ کے تخت سے عجز و صداقت کا اظہار کیا اور خود درمش خان کی معرفت نواب ذیشان [شاہ اسمٰعیل] کی خدمت میں حاضر ھوکر انواع و اقسام کی مہربانیوں سے سرفراز ھوا [شاہ اسمعیل] نے شاہ بیگ کو سجدہ معاف کر کے حکم دیا کہ چغتی دستور کے مطابق [تعظیم میں وہ صرف] دوزانو ھوا کرے۔ [۱۰۷]

شاہ بیگ کچھ عرصہ اس کی خدمت میں رھا ۔ پھر فیصلہ ھوا کہ نوروز کے دن شاہ بیگ کو با مراد قندھار واپس جانے کی اجازت دی جائے گی ۔ اسی اثناء میں نواب ذلیشان نے درمش خان کو قلعۂ اختیاردین کی جانب بھیج دیا ۔ یہ موقع پا کر بعض حاسدوں نے شاہ بیگ کے متعلق اس کا خیال بدل ڈالا اور نوروز کے موقع کے قریب آنے پر کسی محفل میں نواب ذایشان نے ناراض ھوکر شاہ بیگ کو قلعۂ ظفر مین قید کردیا ۔ جو جماعت کہ اس کے ساتھ تھی اس میں سے کچھ لوگ مایوس ھوکر قندھار چلے گئے اور کچھ گرد و نواح میں [آوارہ] پھرنے لگے ۔ پھر جب نواب ذلیشان عراق کی طرف چلا گیا تو شاہ بیگ کے غلام مہتر سنبل نے قلعۂ ظفر میں پھونچ

کر، جس برج میں کہ شاہ بیگ قید تھا اس کے سامنے، حلوائی کی دوکان کھول لی اور حلوہ کے وسیلے سے جیلروں سے واقفیت پیدا کر کے وہ اپنے مقصود اور مطلب سے واقف ہوا۔ گاہے گاہے اندر جا کر مہتر سنبل اشاروں سے صورت حال معلوم کرتا رہا۔ دوسری طرف بارہ تجربہ کار لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے شاہ بیگ کو [قید سے چھڑا کر] قندھار لے جائیں گے۔ یہ جماعت جب قلعہ میں آئی تو [ان کے افراد] ایک ایک کر کے مہتر سنبل کی دوکان میں داخل ہوئے۔ شاہ بیگ کے دکھ کے دن پورے ہوچکے تھے چنانچہ اقبال نے یاوری اور بخت نے مدد کی اور ایک رات، حلوہ پکا کر اور اس میں بے ہوشی کی دوا ملا کر، مہتر سنبل نے جا کر جیلروں کو کھلا دیا۔ حلوہ کھاتے ہی جیلروں کے ہوش و حواش جاتے رہے اور مہتر سنبل نے دو آدمیوں کے ساتھ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اس خوش نصیب کو جا کر آزاد کیا۔ اتفاق سے جس طناب کے سہارے [شاہ بیگ] نیچے اتر رہا تھا وہ چھوٹی پڑ گئی اور چونکہ اس کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اس وجہ سے وہ نیچے گر پڑا جس سے اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ القصہ، صبا رفتار گھوڑوں پر، کہ جن کو الٹے نعل لگائے گئے تھے، سوار ہو کر انھوں مسلسل دو راتیں اور دن یلغار کی اور پھر ان گھوڑوں کو چھوڑ کر [۱۸۰] دوسرے تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہ وہاں سے بھی یلغار کرتے ہوئے آگے چلے اور آخر منزلِ مقصود کو جا پہونچے۔ دوسری طرف وہ پہرے دار بھی

ہوش میں آکر پیچھے بھاگے مگر وہ ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے اور ناکام ہوکر واپس ہوگئے۔

شہنشاہ کامگار محمد بابر کے قندھار پر چڑھائي کرنے کا ذکر

شاہ بیگ کے قید ہونے کی خبر جب سے شاہ والا جاہ ظہیرالسلطنت دارالخلافت کے گوش گذار ہوئی تھی اس کے دل مبارک میں قندھار فتح کرنے کا خیال چٹکیاں لے رہا تھا۔ لیکن طرح طرح کے رخنوں کی وجہ سے جو کہ ولایات ماوراءالنہر اور بدخشاں میں پیدا ہوتے رہے یہ ارادہ عملی صورت نہ اختیار کرسکا۔ القصہ شاہ والا جاہ دوسری جانب سے اطمینان حاصل کر کے عظیم لشکر کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرف شاہ بیگ نے قلعہ داری کا ضروري سامان اور قندھار یا اس کے گرد و نواح میں جو رسد موجود تھی وہ سب قلعہ میں جمع کردي اور قلعہ بند ہو جانے کا فیصلہ کر کے فصیلوں اور بُرجوں کو تجربہ کار لوگوں کے حوالہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے شاهی چھاؤنی میں جاسوس بھیجے تا کہ وہ لشکر کی تعداد اور کیفیت کے بارے میں روزانہ تازہ خبریں پہونچاتے رہیں ان لوگوں نے چھاؤنی میں جاکر اور فوجوں کی تعداد معلوم کر کے خبر بھیجی کہ بادشاہ کثیر لشکر کے ساتھ اس طرف آرہا ھے۔ شاہ بیگ انتہائی بلند همت مرد تھا۔ چنانچہ اس نے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس

بارے میں دوستوں سے مشورہ کیا جنھوں نے کہا کہ ایک بار تو جنگ کرنی ہی چاہئے اگر فتح حاصل ہوئی تو فبہا ورنہ پھر قلعہ بند ہو کر جنگ کا دروازہ کھولیں گے ۔ ادھر جب ظہیرالسلطنت والخلافت ، قندھار کے نواح میں پہونچا تو سخت بیمار ہوگیا اور ضعف اس حد کو پہونچا کہ سپاہیوں کے دل اور ہاتھ [۱۰۹] جواب دے بیٹھے ۔ یہ حال معلوم ہونے پر شاہ بیگ نے قندھار کے ممتاز افراد کے ہاتھوں بہترین تحائف بھیج کر صلح کی بنیاد رکھی اور عقلمند بادشاہ خواجہ جلال الدین کے ہاتھوں شاہ بیگ کو گھوڑا اور خلعت بھیج کر واپس لوٹ گیا ۔

جب شاہی فوجیں قندھار سے کابل روانہ ہوگئیں تو شاہ بیگ سیوی میں آیا اور کچھ عرصہ اس ملک میں رہنے کے بعد اُس نے امرا اور سپاہ سے کہا کہ حضرت ظہیرالسلطنت و الخلافت نے اس بار تشریف لا کر قندھار کا راستہ دیکھ لیا ہے اور دوسرے سال وہ پھر اسے فتح کرنے آئیں گے اور جب تک وہ ہمیں وہاں سے بے دخل نہ کردیں گے آرام سے نہ بیٹھیں گے۔ اس خیال کی تائید میں اُس نے دو دلیلیں پیش کیں ۔ ایک یہ کہ جب سے محمد مقیم سے [کابل فتح کرنے کی] جرائت سرزد ہوئی ہے تب سے ہمیشہ ان کے دل مبارک میں یہ کانٹا چبھ رہا ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے ملک کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے تو مبادا ارغونی پھر کوئی ایسی شرارت کریں ۔ پھر محمد مقیم کی اس حرکت کے بعد اس کی تلافی کے لئے حضرت

ظہیرالسلطنت اس کی بیٹی کو لے گئے تھے جس کی وجہ سے ارغونیوں کے دلوں میں بھی [ان کے خلاف] سخت کدورت بیٹھ گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت [ان کے گرد] بہت سے شہزادے جمع ہوگئے ہیں اور ازبکوں اور قزلباشوں تک ان کی دسترسی نہیں ہوپاتی چنانچہ وہ مجبوراً قندھار فتح کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں اپنی فکر ضرور کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار سوار تیار کر کے موسم سرما کی ابتدا میں سندھ کی طرف روانہ کئے۔ اس جمعیت نے ۱۷ ذوالقعد سنہ ۹۲۱ھ میں آکر موضع کاہان و باغبان کو تاخت و تاراج کیا۔ سندھ کے ایک عالم مخدوم جعفر، مرزا عیسیٰ ترخان سے روایت کرتے ہیں کہ [مغل] اس حملہ میں ایک ہزار تو صرف وہ اونٹ لے گئے کہ جو رات کو باغوں کی چرخیوں میں کام کرتے تھے۔ دوسری چیزوں کا یا اس ملک کی آبادی کا اسی سے اندازہ لگانا چاہئے۔ پھر ایک ہفتہ اس کے گرد و نواح میں رہ کر یہ فوج واپس ہوگئی [۱۱۰]۔ [ادھر] شاہ بیگ کی پیشنگوئی صحیح ثابت ہوئی اور دوسرے سال بادشاہ، قندھار فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا اور ہزارہ و تکدری لوگوں کو تاخت و تاراج کر کے واپس چلا گیا جس کی وجہ سے اس سال قندھار میں وبائیں اور قحط پھیل گیا۔ سنہ ۹۲۱ھ میں حضرت بادشاہ نے قندھار کے نواح میں پہونچ کر اور قلعہ کے سامنے قیام کر کے سرنگ لگانے کا قصد کیا۔ محاصرہ تنگ ہوا اور شہر میں سخت قحط اور گرانی پیدا ہوگئی۔ آخر صلح کا فیصلہ ہوا

اور ماہ تیر کی ابتدا میں ، جب کہ لشکر میں تپ کا مرض پھیل گیا ، [بابر] مجبوراً واپس لوٹ گیا ۔

اسی سال مرزا شاہ حسن باپ سے رنجیدہ ہو کر خاقان بلند مکان بابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی نظر عنایت و کرم کا فخر حاصل کیا۔ پھر دو سال وہ بارگاہ کی ملازمت میں رہا۔ حضرت بادشاہ فرماتے تھے کہ شاہ حسن بیگ ہمارے پاس ملازمت کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ آئینِ جہانداری کی تربیت لینے کے لئے آیا ہے۔ اسی اثناء میں مہتر سنبل بھی کچھ اسبابِ رسد لے کر قندھار کے قلعہ میں آگیا۔ [چنانچہ] بالآخر مرزا شاہ حسن بیگ بھی اجازت لے کر قندھار واپس چلا گیا ۔

سنہ ۹۲۲ھ میں شہنشاہ بابر نے پھر قندھار کا رخ کیا اور ابھی فصلیں کھلیانوں ہی میں پڑی تھیں کہ قندھار کا محاصرہ ہو گیا۔ شاہ بیگ نے بادشاہ کی آمد و رفت سے تنگ آ کر شیخ ابو سعید پورانی کو صلح کے لئے بھیجا۔ دوسری طرف سے بھی خواجہ خداوند محمود اور خواجہ عبدالعظیم نے معاہدہ لکھا کہ آیندہ قندھار خاقان ذی شان کے غلاموں کے حوالہ کیا جائے گا۔ اس فیصلہ پر شہنشاہ بابر کا لشکر واپس ہو گیا اور شاہ بیگ شال کے قلعہ کو مستحکم [۱۱۱] کر کے شال اور سیوی کی حدود میں رہنے لگا ۔ پھر وعدہ کے مطابق سنہ ۹۲۳ھ میں [اس نے] قندھار کی کنجیاں ، میر ابوالمکارم کے والد میر غیاث الدین کے ہاتھوں ، عالم پناہ کی بارگاہ میں بھیج دیں جنھوں نے قبولیت کا شرف حاصل کیا ۔

[دوسری طرف] وہ سیوی اور شال کے گرد و نواح میں دو تین سال تک تنگی اور سختی سے گذر کرتا رہا۔ ایک فصل میں تو یہ حالت ہوگئی کہ سپاہیوں کو صرف گاجر، شلجم اور ایسی ہی دوسری چیزوں پر گذر کرنی پڑی۔ چنانچہ آخر کار اس نے سندھ کی تسخیر کی طرف توجہ دی اور دوسری بار جا کر موضع "کوٹ ماچھیاں" اور "چانڈوکی" کو تاخت و تاراج کیا۔

اسی سال ٹھٹھہ کے حاکم جام نندہ کا منہ بولا بیٹا دریا خان اچانک ایک زبردست لشکر لے کر سیوی پر حملہ آور ہوا۔ شاہ بیگ ان دنوں "زرھی" اور سیستان کے محاذ پر گیا ہوا تھا۔ بالآخر مغلوں اور سندھیوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں ابو محمد مرزا شہید ہوگیا۔ روزی بیگ اور کچھ تھوڑے ارغون اور ھزارہ قبائل کے لوگوں نے، جو کہ وھاں رہ گئے تھے، اس جنگ میں مقابلہ کیا اور سندھی ٹھٹھہ واپس لوٹ گئے۔

آخر اسی سال جام نندہ عالم بقا کو روانہ ہوگیا اور جام فیروز اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس سے پہلے تحریر کیا جا چکا ھے کہ دولت شاھی اور نور گاھی قبائل کے لوگوں نے بھاگ کر جام کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور کیبک ارغون بھی ایک قتل میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے وھاں سے فرار ہو کر کچھ لوگوں کے ساتھ سندھ آگیا تھا، چنانچہ جام نے ان سب کو ٹھٹھہ کے ایک محلہ میں آباد کیا جو کہ "مغل

باڑہ" کے نام سے مشہور ھے۔ میر قاسم کیبکی نے بھی کچھ عرصہ ٹھٹھہ میں رہ کر حقیقت حال سے واقفیت حاصل کی اور پھر اسی سال کے آخر میں واپس امیر شاہ بیگ کی خدمت میں آگیا اور اسے ٹھٹھہ فتح کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی۔ [۱۱۲] چنانچہ سنہ ۹۲۴ھ کے اواخر میں شاہ بیگ لشکر تیار کر کے ٹھٹھہ روانہ ھو گیا۔

روایت کرتے ھیں کہ جب شاہ بیگ، فتح پور اور گنجابی میں لشکر فراھم کر رھا تھا تو بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ھو گئے۔ اس نے مرزا بیگ علی، سلطان علی ارغون اور زینک تر خان کو کچھ لشکر دے کر قلعہ کی حفاظت کے لئے شال میں مامور کیا۔ پھر شاہ محمود کے بھائی سلطان محمود کو سیوی میں اور بعض دوسروں کو فتح پور اور گنجابی میں چھوڑ کر اپنے لشکر کے بہادروں میں سے ۲۴۰ سوار میر فاضل کوکلتاش کی معیت میں بطور مقدمہ روانہ کر کے ان کے پیچھے خود بھی روانہ ھو گیا۔ ملک سندھ میں پہونچنے پر جب وہ باغبان سے گذرے تو سموں کا لشکر دریا خان کے بیٹوں ستن خان اور محمود خان کی سرکردگی میں، ٹلٹی میں، جو کہ سیوستان (سیوھن) سے تین چار کوس کے فاصلہ پر ھے، جمع ھو کر جنگ اور مقابلہ کا خواھاں ھوا۔ جب شاہ بیگ باغبان میں منزل انداز ھوا تو وھاں کے مَلِک (زمیندار) دوڑے ھوئے آ کر اس کی خدمت میں حاضر ھوئے اور جان و مال کے ساتھ خدمت گذاری کر کے نگاہ کرم کے حقدار ھوئے۔ شاہ بیگ نے چاھا

کہ اس ملک کے دوسرے لوگ بھی بغیر جنگ کئے استقبال کر کے خدمت میں حاضر ہوں لیکن انھوں نے سرکشی اور خود مختاری اختیار کر کے حاضری سے انکار کر دیا۔

آخر کار شاہ بیگ چھپ کر پہاڑوں کی راہ سے، ٹھٹھہ کا رخ کر کے منزلیں طے کرتا ہوا، روانہ ہوا اور جا کر ٹھٹھہ سے تین کوس کے فاصلہ پر جنوب کی سمت "خان واہ" کے کنارے منزل انداز ہوا۔ ان دنوں دریا کا کافی حصہ ٹھٹھہ کی شمال سے ہو کر بہتا تھا چنانچہ وہ فکر مند رہے کہ یہ دریا کس طرح پار کیا جائے۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ دایہ قوم کا ایک شخص سیلاب کے پانی سے گذرتا ہوا اس طرف آ رہا ہے۔ چوکیداروں نے اسے گرفتار کر کے دھمکایا جس پر اس نے راستہ بتلا دیا۔ چنانچہ عبدالرحمان دولت شاہی اپنا گھوڑا دریا میں ڈال کر [۱۱۳] اس پار گیا اور پھر واپس آ کر شاہ بیگ کو [اس راستہ کی] اطلاع دی۔

قصہ مختصر، ۱۱ محرم سنہ ۹۲۶ھ کو شاہ بیگ نے لشکر گاہ کی حفاظت کے لئے ایک جماعت چھوڑ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا اور اس کا فتح نصیب لشکر ایک دوسرے کے پیچھے گروہ در گروہ دریا پار کر کے شہر ٹھٹھہ قریب پہونچ گیا۔ جام نندہ کا منہ بولا بیٹا دریا خان، جام فیروز کو ٹھٹھہ میں چھوڑ کر اور زبردست فوج ساتھ لے کر جنگ کے لئے باہر نکلا۔ دونوں فوجوں کے درمیان اس قدر سخت جنگ ہوئی کہ قلم کی زبان اس کے بیان سے قاصر ہے لیکن آخر کار امیر شاہ بیگ، فتح مند

ھوا۔ جام فیروز دریا پار کر کے فرار ھو گیا اور دریا خان ارغونوں کے قبتاش قبیلے کے ایک شخص تنگر بردی نامی کے ھتھے چڑھ گیا اور دوسرے سپاھیوں کے ساتھ قتل ھو گیا۔ مغل ۲۰ محرم تک شہر ٹھٹھ میں لوٹ مار کرتے رھے اور وھاں کے باشندوں کو ذلیل کرتے رھے جس کی وجہ سے آیت مقدسہ "ان الملوک اذا دخاوا قریۃ افسدوھا" (بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ھوتے ھیں تو اس کو ویران کرتے ھیں) کا مضمون نہایت وضاحت کے ساتھ ظاھر ھوا۔ کتنے ھی لوگوں کے اھل و عیال اسیر ھوئے۔ جام فیروز کے بیٹے بھی شہر میں رہ گئے تھے چنانچہ شاہ بیگ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ممتاز افراد کو اس کی حویلی کے دروازہ پر مامور کر کے ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی۔ بالآخر اس وقت کے ایک جید عالم و فاضل قاضی قاضن کی کوشش سے وہ غضب کی آگ سرد ھوئی۔ ھوا یہ کہ قاضی کے اھل و عیال بھی اسیر کر لئے گئے تھے اور وہ دیوانہ وار اپنے بچھڑے ھوؤں کو ٹھٹھہ کے گلی کوچوں میں تلاش کر رھا تھا۔ [لیکن جب اس نے انھیں کہیں نہ پایا تو اس نے] ٹھٹھہ کی حالت زار کو ایک خط میں تحریر کیا اور وہ خط امام حافظ محمد شریف نے شاہ بیگ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ خط پڑھ کر شاہ بیگ کے دل پر بڑا اثر ھوا اور اس نے منادی کرادی کہ اب اھل ٹھٹھہ کے مال و عیال کو کوئی بھی ھاتھ نہ لگائے۔ اس کے بعد اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر [اس نے] قاضی کے [۱۱۴] حوالہ کیا اور

اپنے آدمی اس کے همراہ کرکے ارشاد کیا کہ وہ جس کی طرف اشارہ کرے وہ آدمی اس کے حوالہ کردیا جائے۔

غرض جام فیروز نے کچھ تھوڑے آدمیوں کے ساتھ درد انگیز حالت میں موضع "پیرآر" (پیر پٹھ) میں جاکر قیام کیا کیونکہ اس کے اور جام نظام‌الدین کے اهل و عیال ٹھٹھ هی میں رہ گئے تھے۔ بالآخر کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر اس نے شاہ بیگ کی خدمت میں حاضر هونا طے کیا اور یکے بعد دیگرے ممتاز افراد کو اس کے پاس بھیج کر انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ پیغام بھیجا کہ "بندہ کی حیثیت حضور کے لشکر سے جنگ و مقابلہ کرنے کی نہیں هے اس وقت تک جو کچھ بھی هوا هے وہ محض جان کے خوف اور دوسروں کے بھڑکانے کی وجہ سے عمل پذیر هوا هے۔ اب اگر مہربانی فرماکر اعلیٰ حضرت ناچیز کے گناهوں کا دھبہ اپنے آب عفو سے پاک کردیں گے تو جب تک زندگی رهے گی عالی جناب کی غلامی اور فرمانبردای کا طوق اپنے گردن میں آویزاں کئے رهوں گا اور حضور کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤں گا۔ اب جس وقت حضور کا لشکر عالی مراجعت کرے گا اور ٹھٹھہ کے باهر منزل انداز هوگا تو [اس وقت] خدمت میں حاضر هوکر دربار کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں گا۔

شاہ بیگ نے اپنی فطری رحمدلی اور طبعی مہربانی کی وجہ سے اس کی عاجزی اور بے بسی پر رحم کرتے هوئے قاصدوں کو خلعت سے سرفراز کیا اور اس کے پاس عنایت آمیز پیغام

بھیجا۔ اس پر جام فیروز اپنے بھائیوں کے ساتھ "پیرآر" کے دریا کے ساحل پر حاضر ہوا اور تلوار گلے میں حمائل کرکے انتہائی لجاجت، عاجزی اور انکساری ظاہر کی۔ شاہ بیگ نے علاؤالدین ولد مبارک خان کو حکم دیا کہ وہ جام فیروز کے حرم، ملازموں اور متعلقین کو اپنے ہمراہ لے جاکر اور دریا پار کرکے اس کے پاس پہونچادے۔ [اس کے بعد] ماہ صفر کے آخر میں شاہ بیگ ٹھٹھہ کی منزل سے باھر نکلا۔ جام فیروز نے شایان شان تحائف بھیج کر امراء عظام کی معرفت اس کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور جب اس نے معافی کے لئے زبان کھول کر گذشتہ باتوں پر انتہائی پشیمانی کا اظہار کیا تو شاہ بیگ نے اسے، [۱۱۵] اس زرکار خلعت سے کہ جو سلطان حسین مرزا نے میر ذوالنون کو دیا تھا، سرفراز کرکے ٹھٹھہ کی حکومت اس کے حوالہ کی۔ پھر فیصلہ ہوا کہ جام فیروز شہر میں جاکر اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے جاکر انھیں ان کے اپنے گھروں میں آباد کرے۔

اس کے بعد شاہ بیگ نے اپنے امیروں اور وزیروں سے مشورہ کیا کہ سندھ کشادہ ملک ھے۔ اگر ھم کچھ تھوڑے آدمی یہاں چھوڑکر اپنے فرزندوں کے پاس واپس چلے جائیں گے تو وہ اسے سنبھال نہ سکیں گے۔ اس لئے رائے یہ ھے کہ آدھا ملک جام فیرو کے حوالہ کردوں اور باقی آدھا ملک اپنے معتمدوں کے لئے چھوڑدوں۔ چنانچہ آخرکار سبھوں نے اتفاق کیا کہ کوہ لکی سے، جو کہ سیوھن کے قریب ھے، ٹھٹھہ تک کا علاقہ

جام فیروز کے حوالہ کیا جائے اور لکی سے اوپر کا علاقہ اپنے خادموں کے۔

اس پر عہد و اقرار کے قواعد کے تقاضے پورے کرنے کے بعد شاہ بیگ منزلیں طے کرتا ہوا سیوستان جا پہونچا ۔ جو لوگ کہ سیوستان میں تھے انھوں نے شاہ بیگ کے پہونچنے سے پہلے ہی ٹلٹی میں زبردست لشکر جمع کیا تھا اور سہتہ اور سوڈھا قبائل کے لوگوں نے ، کہ جو وہاں موجود تھے ، طے کیا تھا کہ جب تک جان باقی رہے گی جنگ سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے ۔ ادھر شاہ بیگ نے سیوستان کا قلعہ حاصل کر کے اور میر علیکہ ارغون ، سلطان مقیم بیگ لار ، کیبک ارغون اور احمد تر خان کو سیوستان میں چھوڑ کر سلطان محمود خان کوکلتاش کو بکھر کے قلعہ پر ماسور کیا اور خود اپنے بیٹوں کو لانے کے لئے شال کی طرف روانہ ہو گیا ۔ دوسری طرف [اس نے] جناب قاضی قاضن کو دریا خان کے بیٹے محمود کے پاس بھیجا کہ اسے اچھی نصیحتوں اور سود مند ہدایتوں سے ، مخالفت کرنے سے باز رکھ کر ، اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ پر لگائے ، لیکن قاضی صاحب کے [وہاں] پہونچنے پر ان لوگوں نے ان سے ملنا تک گوارا نہ کیا ۔

آخر کار شاہ بیگ ٹلٹی کے سامنے آکر خیمہ زن ہوا ۔ تین دن بعد ٹلٹی کا ایک شخص شاہ بیگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے حریفوں کے افواج کی حقیقت سے آگاہ کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میاں محمود ، متن خان ، جام سارنگ اور

رنمل سوڈھا وغیرہ [۱۱٦] خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوئے تھے لیکن مخدوم بلاول ، کہ جو اس ملک کے علمائے مشائخ میں سے ہیں انہیں ، روکے ہوئے ہیں اور آنے نہیں دیتے بلکہ جنگ کی ترغیب دے کر جوش دلا رہے ہیں - یہی وجہ ہے کہ فتح حاصل کرنے کے بعد شاہ بیگ نے مخدوم بلاول پر سختی کی اور ان پر جرمانہ عاید کیا -

القصہ ، شاہ بیگ نے اسی رات کچھ کشتیاں حاصل کر کے میر فاضل کوکلتاش کے ساتھ صبح کے وقت دریا پار کرنا شروع کیا - پہلے تر خان ، ارغون اور دوسرا لشکر پار گیا اس کے بعد دو پہر کے وقت خود شاہ بیگ دریا سے گذر کر اس پار جا پہونچا - ٹلٹی کے لوگوں نے باھر نکل کر جودھا سوڈھا کے بھائی رنمل کو بطور مقدمہ کے آگے روانہ کیا - میر فاضل نے جو کہ شاہ بیگ کی جانب سے مقدمہ پر تھا ، آگے بڑھ کر پہلے ھی حملہ میں اس فوج کو زیر و زبر کردیا - پھر شاہ بیگ کے پہونچنے پر مغلوں نے دھاوا بول کر تیزی کے ساتھ ٹلٹی کے دروازہ پر قبضہ کرلیا - سموں کا لشکر کچھ قتل ھوا اور کچھ دریا میں ڈوب کر فنا ھوا اور ان میں سے کچھ فرار ھو کر سیوھن کی طرف نکل گئے - غرض تین دن تک ٹلٹی میں رہ کر [مغلوں نے] وھاں کے باشندوں کو پوری طرح برباد کیا - اس جنگ میں سوڈھا قبائل کے لوگوں نے حیرت انگیز جنگ کی اور میدان مقابلہ میں بڑی جوانمردی دکھائی - بالآخر [اسی] استقامت کے وجہ سے ان کی کثیر تعداد جودھا سوڈھا کے بھائی رنمل کے ساتھ قتل ھوگئی -

جام صلاح الدین اور دوسرے فتنہ انگیزوں کا فساد دفع کرنے کے لئے شال اور سیوی سے امیر شاہ بیگ کے مرزا شاہ حسن کو بھیجنے کا ذکر

ٹھٹھہ فتح کرنے اور اس ملک کی عنانِ حکومت جام فیروز کے حوالہ کرنے کے بعد شاہ بیگ شال اور سیوی کی طرف چلا گیا ۔ [۱۱۷]

کچھ عرصہ بعد جام کے آدمی ، جو کہ حادثات زمانہ کی وجہ سے منتشر ہوگئے تھے ، [اس کے گرد] آ کر جمع ہوگئے ۔ [ادھر] جام صلاح الدین ، جس نے کہ جام فیروز کو ، اس کے والد کے انتقال کے بعد ، جنگ اور مخالفت کا علم بلند کر کے بھگا دیا تھا اور کچھ مدت ٹھٹھہ پر حکومت کی تھی ، دریا خان کے غلبہ اور سیوستان کے لشکر کے حملہ سے شکست کھا کر گجرات کی طرف جا کر پریشانی اور بدحالی میں وقت گذار رہا تھا ۔ چنانچہ اس کے دماغ میں دوبارہ ٹھٹھہ پر حکومت کرنے کا خیال اور سودا پیدا ہوا اور وہ جاڑیجہ ، سوڈھا ، سمہ اور کھنگار قبائل کے دس ہزار سوار ساتھ لے کر ٹھٹھہ فتح کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا ۔ شاہ بیگ ، جام فیروز کی تسلی کے لئے میر علیکہ ارغون ، سلطان مقیم بیگلار ، کیپک ارغون اور احمد ترخان کو سیوستان میں چھوڑ گیا تھا ۔ چنانچہ جب یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا تو جام فیروز بیتاب ہو کر ٹھٹھہ سے نکلا اور شاہ بیگ کے

ان امرا کی خدمت میں جا پہونچا جو کہ سیوستان میں مقیم تھے۔ انھوں نے آپس میں مشورے کرکے شاہ بیگ کے پاس قاصد بھیج کر اسے صورت حال سے با خبر کیا اور جام فیروز نے بھی علاؤالدین بن مبارک خان کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مدد [طلب کرنے] کے لئے اس کے پاس روانہ کیا۔

شاہ بیگ نے یہ اطلاع پاتے ہی اپنے امیروں کو طلب کیا۔طے ہوا کہ چونکہ لوگ پوری طرح تیار ہیں اس لئے مناسب ہے کہ فرزند ارشد مرزا شاہ حسن کار آمد لوگوں کی فوج لے کر جلد روانہ ہو اور خود کو جام فیروز کے پاس پہونچائے۔ القصہ، ۱۴ محرم سنہ ۹۲۷ھ کو مرزا شاہ حسن نے رخصت حاصل کرکے شال سے سندھ کی طرف باگ پھیری اور بیس دن کے اندر سیوستان کی حدود میں جا پہونچا۔ امیر شاہ بیگ اس کی کمک میں گروہ در گروہ فوجیں روانہ کرتا رہا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے منزلیں طے کرتا ہوا روانہ ہوگیا۔ جب مرزا شاہ حسن سیوستان کے نواح میں آ پہونچا تو جام صلاح الدین [۱۱۸] کا لشکر، جو کہ سارنگ خان اور رنمل سوڈھا وغیرہ کی سرکردگی میں جام فیروز کے تعاقب میں آیا تھا، اس کی آمد کی خبر سن کر دریا پار کرکے اور ٹلٹی میں خندقیں کھود کر جنگ کے لئے مستعد ہوگیا۔ عین اس موقع پر، جب کہ مرزا شاہ حسن، سیوستان کے امرا اور جام فیروز سے ان کے دفع کرنے کا مشورہ کر رہا تھا، شاہ بیگ بھی آ پہونچا اور قاضی قاضن کو اسے (مرزا شاہ حسن کو) لے آنے کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد سابقہ دستور کے مطابق

مرزا شاہ حسن کو بہادر فوج دے کر جام فیروز کے ساتھ ٹھٹھہ روانہ کیا ۔

جب جام صلاح الدین کو مرزا شاہ حسن کی آمد کی خبر ملی تو اس نے مزید توقف کئے بغیر دریائے رین کو عبور کرکے موضع جون میں منزل کی ۔ جام فیروز نے مرزا شاہ حسن کا استقبال کرکے خدمتگاری کی رسم ادا کی اور شایان شان تحائف پیش کئے ۔ مرزا شاہ حسن نے، والد بزرگوار کی ہدایت کے مطابق ، جام فیروز پر مہربانی اور نوازش کی نظر کی اور اس کے ساتھ شایان شان عزت و احترام کا سلوک کیا ۔ پھر وہ سب مرزا شاہ حسن کے ساتھ زبردست لشکر تیار کرکے جام صلاح الدین سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوگئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے اس تک جا پہونچے ۔ [اس طرف] اس نے بھی جنگ کے لئے صفیں آراستہ کیں اور اپنے بیٹے ہیبت خان کو ، جو کہ سلطان مظفر خان گجراتی کا داماد تھا ، مقدمہ کے طور پر آگے بھیجا ۔ مرزا شاہ حسن نے مرزا عیسیٰ تر خان ، سلطان قلی بیگ اور میر علیکہ کو لشکر کا ہراول مقرر کیا اور میر سید قاسم کے بھائی میر ابوالقاسم کو اپنے ساتھ قلب میں رکھا ۔ آخر دونوں فوجوں کے درمیان جنگ عظیم برپا ہوئی ۔ مغلوں نے نہایت ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور جام صلاح الدین کے لوگوں میں سے بہتوں کو قتل کردیا ۔ اسی اثناء میں مرزا شاہ حسن نے عقب سے آکر اس فوج کے قدم اکھاڑ دیئے ۔ جام صلاح الدین کا بیٹا بھی اسی دوران میں قتل ہوگیا ۔ [۱۱۹]

اپنے بیٹے کے قتل ہو جانے کی خبر سن کر جام صلاح الدین خود ایک جماعت ساتھ لے کر مغلوں پر حملہ آور ہوا لیکن سخت جنگ کے بعد بالآخر قتل ہو گیا اور اس کی باقی ماندہ فوج گجرات بھاگ گئی۔ مرزا شاہ حسن فتحیاب ہو کر تین دن اس میدان میں مقیم رہا اور جام فیروز کو اس کی متعلقین کی خبر گیری کے لئے [واپس] بھیج دیا۔

ماہ ربیع الثانی میں شاہ بیگ باغبان کی حدود میں پہونچ گیا اور وہاں سے اس نے مرزا شاہ حسن اور امرا کو حاضر ہونے کا حکم جاری کیا۔ چونکہ شاہ بیگ کے ہمراہیوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے اس لئے وہ باغبان کے قرب و جوار میں ٹھہر گئے۔ وہاں ماچھی قوم کے جن لوگوں نے سرکشی اختیار کرکے اطاعت اور فرمانبرداری سے گریز کیا انھوں نے ان سب کو قتل کرکے اور ان کا مال و اسباب اور مویشی لوٹ کر ان کے گھروں اور قلعہ کو زمین سے ہموار کردیا۔

شاہ بیگ کے باغبان کے نواح میں قیام کرنے اور سیوستان کی طرف متوجہ ہونے کا ذکر

جب شاہ بیگ آکر باغبان کے موضع میں منزل انداز ہوا اور مرزا شاہ حسن بھی فتحیاب ہو کر باپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو شاہ بیگ نے اسے طرح طرح سے اپنی مہربانیوں اور عنایتوں سے نوازا اور اس کے امرا اور سپاہیوں کو بھی نوازشوں سے سرفراز کیا اور کچھ دن وہاں ٹھہر کر سفر کی تکلیفوں سے

آرام حاصل کیا ۔ اس کے بعد مرزا شاہ حسن کو لشکر ظفر میں چھوڑ کر امرا کی ایک جماعت اور باغبان کے ملوک کو ساتھ لے کروہ سیوستان کے قلعہ میں گیا اور قلعہ کے اندرونی و بیرونی استحکام کا معائنہ کرکے اور کار آمد معتمدین کی ایک جماعت وھاں مقرر کرکے حکم [١٢٠] فرمایا کہ زراعت کی پیداوار قلعہ میں لاکر ذخیرہ کی جائے ۔ اس کے علاوہ امیران عظام میں سے ھر ایک کو قلعہ میں اپنے لئے حویلی اور منزل گاہ تعمیر کرانے کا بھی حکم دیا ۔ منزل گاھوں کے لئے قطعات تقسیم کرنے کے بعد اس نے لشکر گاہ میں واپس آکر بکھر کی جانب باگ موڑی ۔ قاضی قاصن تین منزل پہلے [اس کا] استقبال کرکے طرح طرح کے انعامات سے ممتاز ھوا ۔ پھر جب ایک منزل مسافت باقی رھی تو جام فیروز کے قاصدوں نے بارگاہِ عالی میں پھونچ کر جام کی عرضیاں اور اس کے بھیجے ھوئے تحائف اوز گھوڑے پیش کئے ، جنھوں نے ملاحظہ کا شرف حاصل کیا ۔ [شاہ بیگ نے] پھر جام کے قاصدوں کو خلعت اور انعامات سے سرفراز فرما کر انھیں واپس جانے کی اجازت دی اور اس کے پاس ایک خط ارسال کیا کہ اب ھمارا ارادہ ولایت گجرات کی تسخیر کا ھے ۔ اگر یہ ملک فتح ھوجائے گا تو ملک سندھ سابقہ دستور کے مطابق آپ سے متعلق رھے گا ۔ اس کے بعد وھاں سے وہ بکھر کی طرف متوجہ ھوا ۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

دھاریجہ قبیلہ کے لوگوں کے گرفتار ہونے اور اس جماعت کے قتل ہونے کا ذکر

شاہ بیگ جب موضع "چانڈوکی" میں وارد ہوا، جو کہ سکھر سے ۳۰ کوس مغرب کی جانب ہے، تو سلطان محمود خان نے بابا چوچک کو، کہ جو اس کا مشیر تھا، باپ کی خدمت میں بھیج کر اسے حقیقت حال سے باخبر کیا۔ اس کے والد میر فاضل نے بجنسہ، وہ عرضی شاہ بیگ کے گوش گذار کی اور اجازت حاصل کرکے دو سو سواروں کے ساتھ دریا پار کیا۔ راستہ میں وہ [مقامی] وڈیروں اور سربراھوں کو بھی تسلیاں دیتا ہوا اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اس طرح جب وہ پریالو کی حدود میں جا پہونچا تو سلطان محمود نے باپ کے استقبال کا ارادہ کیا۔ یہ خبر میر فاضل کے گوش گذار ہوئی تو اس نے بیٹے کے پاس پیغام بھیجا کہ خبردار قلعہ سے باھر قدم نہ رکھنا اور مردانہ وار [وھیں] جمے رهنا کیونکہ جس جماعت نے بغاوت کی [۱۲۱] ہے اسے منشائے ایزدی کے مطابق بکھر کے قلعہ میں ھی اسیر اور گرفتار کیا جائے گا۔

[قصہ یہ تھا کہ] جن دنوں سلطان محمود خان بکھر کی حکومت پر مامور ھوا تھا تو بکھر کے بزرگ سادات نے ان دنوں اس کی ضروریات کی کفالت کا ذمہ اپنے سر لیا تھا اور شاہ بیگ نے بعض دھاریجہ سربراھوں کو بھی قلعہ میں رهنے کا حکم دیا تھا۔ یہ کوتاہ اندیش لوگ وعدہ سے منحرف ھوکر

بھاگ گئے تھے اور ایک گروہ کو ساتھ لے کر اور بغاوت اور فساد کے دروازے کھول کر سلطان محمود کو تنگ اور پریشان کرنے لگے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اسے [بکھر سے] باھر نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے محصول و خراج دینے سے بھی انکار کردیا تھا۔ اس کے جو قاصد ان کے پاس گئے تھے انھیں سخت بیعزتی اور بے حرمتی کے ساتھ انھوں نے واپس کردیا تھا اور لشکر جمع کر کے روھڑی کے میدان میں جنگ کے لئے مستعد ھو گئے تھے۔ ان دنوں سلطان [محمودخان] کی عمر کل پندرہ سال تھی مگر پھر بھی وہ بے تاب ھو کر ان سے جنگ کرنے کے لئے باھر نکلنا چاھتا تھا لیکن سادات اسے روکتے اور تسلیاں دیتے رھے۔ دو مرتبہ دھاریجہ لوگوں نے دریا پار کر قلعہ میں آنے اور سلطان محمود کو گرفتار کرنے کے ارادہ سے کثیر لشکر اکٹھا کیا لیکن بکھر کے سادات ھر دفعہ، حقیقت حال سے با خبر ھو کر قلعہ کے بُرجوں اور فصیلوں کو مضبوط کر کے، جنگ کے لئے مستعد ھوگئے اور وہ سادات کے لشکر کو دیکھ کر کچھ نہ کرسکے۔

قصہ کوتاہ جب میر فاضل بکھر کے نواح میں وارد ھوا تو ایک سرکردہ زمیندار لالہ مہر نے اپنے بھائیوں سمیت اس کی خدمت میں حاضر ھو کر ملازمت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد دوسرے دھاریجہ سردار بھی لاچار ھو کر ھر طرف سے خدمت میں حاضر ھوتے رھے۔ آخر میر فاضل بکھر میں آیا اور دھاریجہ قبائل کے ۷۴ سرداروں کو بھی اپنے ساتھ لایا۔ سلطان محمود نے باپ کی

قدمبوسی کی سعادت حاصل کر کے اس سے اپنے دل کا دکھ بیان کیا اور دھاریجہ قبائل کے ۷۲ افراد کو عبرت ناک سزائیں دلوائیں۔ [۱۲۲]

شاہ بیگ کو جب خبر ملی کہ میر فاضل سلامتی کے ساتھ بکھر پہونچ گیا ہے تو وہ خود بھی جس منزل تک پہونچا تھا وہاں سے تیزی کے ساتھ بکھر کی طرف روانہ ہوگیا اور آ کر سکھر کے میدان میں منزل انداز ہوا۔ سلطان محمود خان نے شاہ بیگ کی خدمت میں پہونچ کر قدمبوسی کی اور طرح طرح کی مہربانیوں اور نوازشوں سے سرفراز ہوا۔ قاضی قاضن نے بھی، کہ جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، اپنے بھائیوں اور شہر کے بعض آدمیوں کو حاضری کے شرف سے مشرف کرایا۔ سلطان محمود نے دھاریجہ لوگوں کا معاملہ شاہ بیگ کے حضور پیش کیا جس پر اس نے قاضی قاضن کی طرف دیکھا۔ قاضی نے عرض کیا کہ "یہ ملک سیلابی ہے اور کانٹے بہت پیدا ہوتے ہیں اس لئے کانٹے صاف کرنے کا ہتھیار ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہئے"۔ یہ سخن سنتے ہی شاہ بیگ نے ان لوگوں کے قتل کا حکم صادر کیا۔ سلطان محمود خان فوراً شہر میں آیا اور راتوں رات ان لوگوں کو قتل کرا کے اس برج سے نیچے پھنکوا دیا کہ جو خونی برج کے نام سے مشہور ہے۔ [دوسرے دن] صبح کے وقت باپ کے ہمراہ اس نے سادات کو شاہ بیگ کی خدمت میں حاضر کیا اور ان کی نیک نیتی اور خیر خواہی کا حال بیان کیا۔ شاہ بیگ ان سے بڑی توجہ اور احترام کے ساتھ پیش آیا اور ان سے خیر و عافیت دریافت کی۔ مجلس برخواست ہونے کے

بعد سلطان محمود خان کو خلوت میں طلب کر کے اس سے سادات کا چلن دریافت کیا۔ سلطان محمود خان نے وھی باتیں مکرر کہیں ساتھ ھی ساتھ یہ بھی عرض کیا ھر چند کہ یہ لوگ خیر خواہ ھیں لیکن قلعہ میں صرف اسی ایک جماعت کا ھونا مناسب نہیں ھے۔ شاہ بیگ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ سفارش بہت خوب ھے۔ آخر کار [اس نے] حمزہ بیگ کی معرفت سادات کو پیغام بھیجا کہ چونکہ مغل اھل و عیال سمیت آئے ھیں لہٰذا سادات کو [زائد محلات خالی کر کے] دو تین حویلیوں میں اکٹھا ھو کر رھنا چاھئے۔ اس پر سادات نے قلعہ میں رھنے کو خلافِ مصلحت سمجھ کر باھر چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ ان کی یہ عرض قبول کر کے [شاہ بیگ نے] روھڑی ان کی سکونت گاہ مقرر کی جہاں کہ وہ آج تک رھتے چلے آ رھے ھیں۔ [۱۲۳]

اس کے بعد شاہ بیگ قلعہ میں داخل ھوا اور قلعہ دیکھ کر بے حد خوش ھوا اور شہر کی عمارتیں اور محلات کا معائنہ کر کے انھیں امیروں اور سپاھیوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد قلعہ کی پیمائش کرا کے قطعات [اراضی] کو امیروں کے ذمہ کیا تا کہ وہ ھاتھوں ھاتھ تعمیر ھوں۔ پھر آلور کے قلعہ کو، جو کہ سابقہ پایۂ تخت تھا، مسمار کرا کے اس کی اینٹیں بکھر منگوائیں اور بکھر کے قرب و جوار میں ترکوں اور سموں کی جو عمارتیں تھیں ان میں سے بیشتر کو منہدم کرا کے ان کی اینٹیں بھی قلعہ کی تعمیر میں استعمال کیں۔ قلعہ کی بنیاد رکھنے کے موقع پر شاہ بیگ نے مرزا شاہ حسن سے کہا کہ "یہ دو پہاڑ کہ جو

جنوب میں واقع ہیں قلعہ کی سلامتی کے لئے خطرناک ہیں اس لئے پہلے ان کے متعلق غور کرکے پھر قلعہ کی تعمیر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے"۔ لیکن تھوڑی دیر کے غور و فکر کے بعد [اس نے خود ہی] فرمایا کہ "چونکہ قلعہ کے چاروں طرف بڑا دریا واقع ہے اس لئے ان پہاڑوں کی اتنی فکر نہ کرنی چاہئے۔ کوئی فاتح اور بہادر بادشاہ اس مختصر قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے متوجہ نہ ہوگا البتہ وہ گئے شکست خوردہ بادشاہ یا امرا تو وہ کچھ نہ کرسکیں گے"۔ قلعہ کی عمارت تھوڑے ہی عرصہ میں مکمل ہوگئی چنانچہ [اس نے] قلعہ کے وسط کے ایک حصہ کو خاص اپنے اور مرزا شاہ حسن کے لئے مخصوص کیا اور بعض خاص امرا، جیسے کہ میر فاضل اور اس کی ہمشیرہ امان سلطان بیچہ، ملک محمد کوکہ، میر محمد ساربان اور سلطان محمد مہردار، کو قلعہ کے درمیان میں جگہ دی۔ یہ قلعہ آج تک کہ سنہ ۱۰۰۹ھ ہے موجود ہے۔

ایک سال وہاں رہنے کے بعد جب [شاہ بیگ] قلعہ کی تعمیر اور رعایا کے ضروری انتظام سے مطمئن ہوگیا تو بلوچوں کے بارے میں، جو کہ فتنہ و فساد سے باز نہ آتے تھے، اس نے مشورہ کرکے فیصلہ کیا کہ اس قوم کی آگ آبِ تلوار سے بجھائی جائے۔ طے یہ ہوا کہ ہر موضع میں تجربہ کار لوگوں کی [۱۲۴] ایک جماعت کو متعین کیا جائے جو کہ کچھ مدت ان لوگوں میں رہنے کے بعد ایک مقرر وقت پر ہر جگہ انہیں ختم

کردے ۔ چنانچہ ہر مقام پر ایک گروہ مقررہ کیا گیا جو کہ وقت کا منتظر رہا ۔ جب مقررہ وقت آیا تو ہر گروہ نے ہر جگہ تلواریں سونت کر اس بدبخت جماعت کو ختم کردیا اور اس طرح ایک ہی وقت میں بلوچوں کے ۴۲ مواضعات کے لوگ قتل و برباد ہوگئے ۔

اس کے بعد سنہ ۹۲۸ھ کے موسم سرما کی شروعات میں پایندہ محمد ترخان کو بکھر کی حکومت سونپ کر وہ خود لشکر عظیم کے ساتھ گجرات فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور منزلیں طے کرتا ہوا دریا کے دونوں کناروں کے نواح کو سرکش لوگوں سے صاف کرتا گیا ۔ جب وہ "چانڈوکی" میں پہونچا تو میر فاضل کو تپ کا عارضہ ہوگیا ، جس پر وہ واپس ہونے کی اجازت حاصل کرکے بکھر آگیا ۔ [اس موقع پر] شاہ بیگ نے میر فاضل کے فرزند ارشد بابا احمد کو بھی رخصت دی تاکہ وہ اپنے باپ کی تیمارداری کرتا رہے ۔ اس کے باوجود شاہ بیگ کو میر فاضل کی علالت سے سخت دکھ پہونچا اور وہ اس کے انتظار میں رہا ۔ بالآخر [ایک دن] اسے خبر ملی کہ " ارجعی الٰی ربک " کی پکار سن کر میر فاضل بہشت کو روانہ ہوگیا ہے ۔

اس حادثہ سے شاہ بیگ اور مرزا شاہ حسن کو سخت صدمہ پہونچا اور اسی رات اس نے سلطان محمود خان ، میر عبدالرزاق ، میر عبدالفتاح اور اس کے اعزہ کو رخصت دی ۔ انہوں نے یہ امید رکھتے ہوئے کہ میر فاضل ابھی زندہ ہوگا ، سر پٹ گھوڑے

دوڑائے اور صبح ہوتے ہوتے بکھر جا پہونچے لیکن آکر دیکھا تو
میر فاضل دوسرے جہان کو سدھار چکا تھا۔ چنانچہ اس کی
تجہیز و تکفین کر کے انھوں نے اسے خاک کے سپرد کیا۔ تین
دن بعد شاہ بیگ خود بھی یلغار کرتا ہوا بکھر آ پہونچا اور
تعزیت کی رسمیں ادا کر کے میر فاضل کی اولاد کا ماتمی لباس
تبدیل کرایا اس کے بعد اس نے فرمایا کہ "میر فاضل کی موت ہماری
موت کی دلیل ہے۔ [۱۲۵] [چنانچہ] اس کے بعد اب ہم خود
بھی کوچ کریں گے" اہل مجلس نے یہ گفتگو سن کر توبہ توبہ
کی اور کہا کہ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ [شاہ بیگ]
وہاں سے اٹھکر حرم سرا میں گیا اور حرم کے خادموں کے سامنے
بھی وہی کلمات دھرائے وہ بھی یہ الفاظ سن کر بولے کہ حضور
یہ کیا فرماتے ہیں؟ آخر کار مرزا شاہ بیگ اور مرزا شاہ حسن
اور دوسرے امرا عزا داری کی رسموں سے فارغ ہو کر وہاں
سے منزل بہ منزل دریا کے دونوں جانب کے لوگوں کو درست
کرتے ہوئے سیوستان مین وارد ہوئے۔ وہاں پندرہ دن قیام
کرنے اور گرد و نواح سے مطمئن ہونے کے بعد وہ تسخیر گجرات
کے خیال سے ٹھٹھہ کی راہ پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ منزلیں
طے کرتے ہوئے "اگھم" کے قریب پہونچے تو جام فیروز کو
طلب کرنے کے لئے قاصد روانہ کر کے خود دو تین دن وہاں
ٹھیر گئے۔

شاہ بیگ کے اس عالم بے بقا سے رحلت کرجانے کا ذکر

"کل من علیها فان" کا حکم قطعی تقدیر اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کا فیصلہ ایک اٹل حکم ہے۔ شاہ بیگ نے بکھر اور سیوستان کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر پوری ہمت اور توجہ گجرات کی تسخیر کے لئے صرف کی۔ لیکن جب اس نے بکھر سے باہر نکل کر روانہ ہونے کا محکم ارادہ کیا تو اسی اثنا میں اسے خبر ملی کہ ظہیرالسلطنت والخلافت شہنشاہ محمد بابر "بھیرہ" اور خوشاب کے قریب آ پہونچا ہے اور تسخیر ہند کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ خبرسن کر اس نے حاضرین مجلس سے ارشاد کیا کہ "بادشاہ، سندھ میں بھی ہمیں اپنے حال پر نہ چھوڑے گا اور آگے یا پیچھے، بالآخر یہ ملک ہم سے اور ہماری اولاد سے چھین لے گا۔ اب ہم پر یہی لازم ہے کہ کسی دوسرے ملک کی طرف چلے جائیں" اسی فکر میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے اس کے سینے میں سخت درد ہوا جس کا بیحد علاج کرنے پر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا اور شاہ بیگ گجرات پہونچنے سے پہلے ہی آخرت کے سفر کو روانہ ہو گیا۔ [۱۲۲]

کہتے ہیں کہ جب وہ قریب المرگ ہوا تو اس نے حافظ محمد شریف کو بلا کر سورہ یٰسین شریف کی تلاوت کرنے کا حکم دیا۔ جب حافظ، آیت "ومالی لا اعبدالذی فطرنی والیہ ترجعون" (۱)

---

(۱) میں اس ذاتِ [عالی] کی عبادت کیوں نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم بھی اسی کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے۔

تک پہونچا تو هوش میں آکر وہ فرمانے لگا کہ اے قاری ! مکرر پڑھ - اس طرح تین بار مکرر تلاوت کرکے جب [قاری] آیت "قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی" (۱) تک پہونچا تو شاہ بیگ نے جان خدائے پاک کے حوالہ کی - یہ واقعہ مورخہ ۲۲- شعبان سنہ ۹۲۸ھ کا ھے اور "شہر شعبان" میر شاہ بیگ کی تاریخ وفات ھے - اسی شب امرا و اکابرین مرزا شاہ حسن کی بیعت کرکے تعزیت کی رسومات بجالائے اور اس کی لاش بکھر روانہ کی - پھر تین سال بعد شاہ بیگ کا تابوت مکہ شریف کو بھیجا گیا اور وہاں اسے "جنت المعلیٰ" میں دفن کرکے اس پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا گیا -

تعزیت سے فارغ ہونے کے بعد جب مرزا شاہ حسن کو یہ خبر ملی کہ شاہ بیگ کی وفات کی خبر سن کر جام فیروز اور ٹھٹھہ کے لوگوں نے خوشی منائی ھے اور نقارے بجائے ھیں تو اس کی رگ حمیت جنبش میں آئی اور آتش اشتعال بھڑک اٹھی - [ایسے حالات میں] امرا اور وزرا نے گجرات جانے میں مصلحت نہ دیکھ کر ٹھٹھہ فتح کرنے اور جام فیروز کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا -

شاہ بیگ کے مختصر حالات کا ذکر

ابتدا ھی میں وہ خواجہ عبداللہ، رحمہ اللہ تعالیٰ روحہ و اوصل

(۱) کاش میری قوم کو وہ نعمتیں معلوم ہوں کہ جو میرے رب نے مجھ کو بخشی ھیں .

الینا فتوحه، کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھوں پر تائب ہو گیا تھا ۔ عین عنفوان شباب میں ہی وہ علمی کمالات اور آداب کے حصول میں سرگرداں رہا کرتااور بیشتر وقت عبادت و طاعت میں صرف کیا کرتا ۔ اوائل ایام میں جب وہ والد بزرگوار کی خدمت میں پایۂ تخت [۱۲۷] ہرات میں سکونت رکھتا تھا تو ہمیشہ وہ [وہاں] علما کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور ہفتہ میں دو بار علما کو اپنے گھر مدعو کیا کرتا تھا ۔ کافیہ کی شرح ، شرح مطالعہ کا حاشیہ ، میر سید شریف کے فرائض کی شرح (شریفیہ) کا حاشیہ اور بعض دوسرے رسالوں کے حواشی بھی جو کہ مشہور ہیں اسی کی افتاد طبع کا نتیجہ ہیں ۔

عجائبات سیوی کا ذکر

اس ملک کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ سیوی سے قطب کی جانب ایک گنبد نظر آتا ہے، جسے سندھی زبان میں "مارو کھیر" کہتے ہیں ، لیکن جب لوگ اس کے قریب پہونچتے ہیں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا ۔ ایک مرتبہ سلطان محمود دو تین ہزار آدمیوں کو جمع کر کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس طرف گیا لیکن وہاں نہ کوئی گنبد نظر آیا نہ اور دوسری کوئی چیز۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک طلسم ہے جو کہ عہد قدیم کے لوگوں نے قایم کیا ہے اور اس میں خزانہ مدفون ہے۔ ایک بار ایک درویش وہاں جا کر کچھ حاصل کر آیا تھا لیکن اس

کے بعد کتنے ہی لوگ اسی امید کے ساتھ ادھر گئے مگر انھیں کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔

قلعہ سیوی ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جس کے سارے پتھر مدّور اور چکنے ھیں۔ زمین کو چاھے کتنا بھی کیوں نہ کھودا جائے ایسے ہی پتھر برآمد ھوتے ھیں۔ سیوی کے نواح میں، زمین کور اور چتر کے علاقہ میں، کپاس کے پودے ارنڈ کے درختوں کے برابر ھوا کرتے ھیں اور لوگ ان پر چڑھ کر کپاس چنتے ھیں اس کے علاوہ ھر درخت پر ایک ایک بالشت کے تقریباً سو دو سو سانپ چمٹے ھوتے ھیں۔ وھاں کے لوگ جب کپاس چننا چاھتے ھیں تو پہلے کسی لکڑی سے ان درختوں کو جھٹک کر سانپوں کو جھاڑ دیتے ھیں اور اس کے بعد کپاس چنتے ھیں۔ اگر کسی کو وہ سانپ ڈس لیتے ھیں تو وہ فوراً اس مقام کو استرے سے شگاف دے دیتا ھے اور کوئی دوسرا آدمی وھاں سے زھر کو چوس کر باھر نکال پھینکتا ھے۔ لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو پھر مرجاتا ھے۔ [۱۲۸] اس کے علاوہ جو ندی کہ سیوی کے نشیب سے گذرتی ھے اس کے دھارے میں گندھک کے پانی کے چشمے شامل ھیں۔ یہی وجہ ھے کہ جو اس کا پانی پیتا ھے بیمار ھوجاتا ھے۔ مقامی لوگوں کے سوا کہ جو اس کے عادی ھوچکے ھیں باقی دوسرے سب لوگ اس بیماری میں مرجاتے ھیں۔ سلطان محمود خان وھاں حفاظت اور نگرانی کے لئے ھر سال نئے آدمی بھیجا کرتا تھا کیونکہ تھوڑے دنوں بعد ان میں سے بیشتر لوگ مرجایا

کرتے تھے۔ بعد میں خلافت پناہ (شہنشاہ اکبر) کے زمانہ میں
ایک سیلاب آیا جس میں یا تو وہ گندھک کے چشمے بہ گئے
یا بند ہوگئے۔ بہر حال آجکل یہ بیماری بہت کم ہے۔ اس
ندی کا پانی پچاس کوس کا فاصلہ طے کرکے سر زمین "سر واہ"
میں جا کر اکٹھا ہوتا ہے اور وہاں آبپاشی کے لئے استعمال ہوتا
ہے۔ اس کی جو مقدار آبپاشی سے بچ رہتی ہے وہ سیوھن
کے قریب جا کر منچھر جھیل میں شامل ہوجاتی ہے۔ اس ندی
کے کنارے بھی لمبے اور پتلے سانپ بکثرت ہوتے ہیں جن
کا ڈسا ہوا کوئی اتفاق ہی سے زندہ بچتا ہے۔ وہاں کے لوگ،
عورتیں اور مرد ان سانپوں کی مصیبت سے محفوظ رہنے کے لئے
بھیڑ کی اون کے موٹے کپڑے اور کشادہ و لمبی شلواریں پہنتے
ہیں۔

راقم الحروف (میر معصوم) نے وہاں جا کر وہ خطہ دیکھا ہے۔ اس
وقت اس علاقہ کی فصلوں کو پانی دیا جا رہا تھا اس میں ہو کر
جب ہم گھوڑوں سے گذرے تو ہمیں قدم قدم پر سانپ نظر آئے۔
ہوا سخت گرم تھی جس کی وجہ سے ہم پانی کے قریب اترنا
چاہتے تھے لیکن سانپوں کے خوف سے دور جا کر میدان میں اترے۔

دیگر یہ کہ سیوی کے میدان میں قلعہ جات اور بستیاں تھیں
جو کہ ویران ہوچکی ہیں اور آجکل وہاں باد سموم چلا کرتی
ہے۔ اس کے علاوہ سیوی، بکھر اور سیت پور کے درمیان ایک
خطہ ہے کہ جسے بارکان (بھاگ ناڑی) کہتے ہیں وہاں کے
گھوڑے عراقی گھوڑوں سے کمتر نہیں ہوتے۔ جب کسی گھوڑی
کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ اس بچہ کے اصطبل میں

فرش پر پتھریاں بچھا دیتے ھیں اور وہ بچہ ایک سال تک ان پتھریوں ھی میں پھرتا رھتا ھے۔ اس عمل سے اس کے سُم پتھر جیسے مضبوط [۱۲۹] ھو جاتے ھیں جن میں نعل جڑنے کی ضرورت باقی نہیں رھتی اور وہ پہاڑوں میں نعلوں کے بغیر ھی چلتا رھتا ھے۔

موضع چتر میں ایک جماعت رھتی ھے جسے سادات کھیری کہتے ھیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ھے کہ کھیر ایک قسم کے درخت کا نام ھے اور ان کے بزرگوں میں سے ایک نے اس درخت پر چڑھ کر اور چابک مار کر اسے گھوڑے کی طرح چلایا تھا چنانچہ اس طرح یہ بات زبان زد عام ھوگئی تھی۔

سیوی کے نواح میں گنجابہ کے قریب ایک مقام پر جوش مارتا ھوا سوتا پھوٹ پڑا ھے جس کی وجہ سے کافی زمین غرقاب ھوگئی ھے۔ اس پانی میں مچھلیاں بھی موجود ھیں۔ گنجابہ کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی کا دامن ایک ایوان کی طرح آگے کو بڑھا ھوا ھے جس پر ایک لوھے کا پنجرہ لٹکا ھوا ھے۔ کہتے ھیں کہ اس میں کچھ رکھا ھوا ھے۔ لیکن اس تک کسی کا ھاتھ نہیں پہونچتا۔ اگر پہاڑی کے اوپر چڑھ کر اور رسہ لٹکا کر کوئی آدمی [اس تک] پہونچانا چاھتے ھیں تو وہ (پنجرہ) وھاں سے ھٹ جاتا ھے اور اگر نیچے سے جانا چاھتے ھیں ...... (۱) پہاڑی کی یہ چوٹی چکنی اور ایک ھی سالم

---

(۱) اس مقام پر اصل متن میں بھی خلا ھے۔ (مترجم)

چٹان کی ہے اور زمین سے [کافی] بلند ہے۔

سیوی اور گنجابہ کی سر زمین کا محل۔ وقوع یہ ہے کہ سیت پور اور دریا کے کنارے سے ہوتا ہوا سلسلۂ کوہ، رکن، سیوی، گنجابہ اور پاٹ تک چلا گیا ہے اور وہاں سے نصف قطر بناتا ہوا پھر دریا کے کنارے تک آیا ہے۔ اس کے درمیان کا سارا حصہ میدان ہے۔ قندھار کا راستہ اسی میدان کے وسط سے ہے۔ اس کا طول دریا سے لے کر سیوی تک سو کوس ہے اور عرض تقریباً ساٹھ کوس ہوگا۔ اس خطہ کے بیشتر حصہ میں باد سموم چلا کرتی ہے جو کہ چار مہینوں تک مسلسل جھلساتی رہتی ہے۔ گرمیوں کا زمانہ اس ہوا کے چلنے کا موسم ہوا کرتا ہے۔

عجائبات قندھار کا ذکر

[یہاں کا] ایک عجوبہ یہ ہے کہ قندھار سے دس کوس مغرب کی طرف "کوہ پنجواھی" نامی ایک مقام ہے جس کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک غار کے اندر ہو کر جب لوگ کچھ آگے چلتے ہیں تو [۱۳۰] انھیں ہر جگہ بہتے ہوئے پانی سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس مقام پر [چٹانیں] تراش کر ایوان اور حجرے بنائے گئے ہیں۔ یہاں بڑے بازوں کے برابر یا ان سے کچھ کم چمگادڑوں کی کثرت ہے۔ اسی طرح آگے جانے پر ایک اور جگہ نظر آئے گی۔ چونکہ یہاں اندھیرا بہت ہوتا ہے اس لئے مشعل کے بغیر آگے نہیں جایا جاسکتا ا[؟]

جب مشعل جلاتے ھیں تو چمگادڑ اس پر اور آدمی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ھیں کہ سفر دشوار ھوجاتا ھے اور ان کا اتنا ھجوم ھوجاتا ھے کہ قدم بڑھانا مشکل ھوجاتا ھے۔ کہتے ھیں کہ اس مقام پر ایک طلسم ھے۔ وھاں ایک چرخہ بنایا گیا ھے جس کے دونوں جانب سونے کی اینٹیں ھیں۔ کہتے ھیں کہ بابا حسن ابدال یہاں پہونچے تھے اور ایک پختہ کھال اس چرخہ پر ڈال کر وھاں سے ایک سونے کی اینٹ لے گئے تھے۔ بابا حسن ابدال کا ذکر اپنے مقام پر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور عجوبہ عمارت "پیش طاق" ھے کہ جو خلد مکانی شہنشاہ بابر کے حکم سے کوہ "سرپوز" میں چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی ھے۔ وہ ایک نہایت بلند ھال ھے جسے اسی (۸۰) سنگتراشوں نے روزانہ کام کرنے کے بعد آٹھ سالوں میں بنایا تھا۔ یہ مقام بڑا عمدہ اور فرحت بخش ھے اور چونکہ دریائے "ارغنداب" سے متصل ھے، کہ جس پر اس ملک کے بیشتر باغ اور کھیت واقع ھیں، اس لئے موسم بہار میں اکثر لوگوں کا اس طرف گذر ھوتا ھے۔ لیکن انتہائی بلند ھونے کی وجہ سے اس پر چڑھنا بے حد مشکل ھے اور بہت سے لوگ دھشت کی وجہ سے اس تک نہیں پہونچ سکتے۔ اس عمارت میں خلد آشیاں شہنشاہ بابر، مرزا عسکری، مرزا کامران اور مرزا ھندال کے نام کے کتبے لگے ھوئے ھیں کیونکہ یہی صاحب اہتمام رھے ھیں۔ چونکہ خلد مکانی ھمایوں بادشاہ کا اس طرف گذر نہ ھوا تھا اس وجہ سے ان کا نام کتبہ میں شامل نہیں ھے اور قندھار ان کے ممالک

محروسہ میں مرقوم نہیں ہے۔ راقم الحروف (میر محمد معصوم) جب وہاں پہونچا تو دیکھا کہ [۱۳۱] خلد آشیانی حضرت خلیفہ الٰہی کا نام اور ان کے ممالک محروسہ کے نام، کہ جو قندھار و کابل سے ہزار ہزار گنا زیادہ ہیں اور ان کے غلاموں کے زیر تصرف ہیں، اس کتبہ میں مرقوم نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کا اسم مبارک اور زیر اقتدار ملکوں اور شہروں کے نام تحریر کرنے کا خیال دل میں آیا۔ جس پر بکھر سے خوشنویس اور سنگتراش بلا کر راقم الحروف نے حضرت خلد آشیانی شہنشاہ اور اس کے زیر فرمان ملکوں اور شہروں کے نام، جو کہ بنگال سے لاھری اور کابل و غزنی سے دکن تک پھیلے ہوئے ہیں، تحریر کرا کے سارا کام تقریباً چار سال میں پورا کیا۔ فی الواقعہ یہ ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا ہے کہ لوگ اسے دیکھنے کے لئے جایا کرتے ہیں۔

اس پہاڑ کے نزدیک، کہ جس میں یہ عمارت واقع ہے، ایک غار ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا سرا اس غار سے جا ملتا ہے کہ جہاں سے بابا حسن ابدال سونے کی اینٹ لائے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہے۔

قندھار کے دامن میں جو پہاڑ ہے اس میں ایک قسم کا تخم پیدا ہوتا ہے جو کہ سانپ اور دوسرے زہروں کے لئے تریاق ہوتا ہے۔ یہ تخم اس ملک میں اس کے علاوہ اور کہیں بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی پہاڑ کے اوپر زمانہ قدیم سے ایک آتش کدہ ہے جو کہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ ان اینٹوں کی لمبائی اور چوڑائی دو گز اور حجم ایک گز کا ہے۔ یہ عمارت

آج تک جوں کی توں موجود ہے اور اس کو کوئی بھی گزند نہیں پہونچا ہے۔

قندھار میں ہر سال وبا آیا کرتی ہے۔ شاہ طہماسپ نے قندھار کے حاکم سلطان حسین مرزا کو حکم دیا تھا کہ شہر کے باہر جو ندی بہتی ہے اور جس کا پانی کہ لوگ استعمال کرتے ہیں اس میں بید کے کاشت کرائی جائے۔ چنانچہ بید کی کی کاشت کے بعد فی الواقعہ اس سے کچھ نجات ملی لیکن پھر بھی بعض سالوں میں وبا اور بیماری کثرت سے پھیلتی ہے اور کتنے ہی لوگ پیٹ، [۱۳۲] ناک، کان اور منہ سے خون آنے کے مرض میں مبتلا ہوکر دنیا سے کوچ کرجاتے ہیں۔ خلافت پناہ کے زمانہ میں جب راقم الحروف ایک کمک کے سلسلے میں وہاں متعین کیا گیا تھا تو سنہ ۱۰۰۷ھ میں راقم الحروف کے لشکر کے تقریباً دو سو سوار اور پیادے اسی مرض میں فوت ہوگئے تھے۔

اس کے علاوہ قندھار کے ہزارہ قبائل کے لوگوں میں سونے چاندی اور تانبہ وغیرہ کے [سکّوں کے] استعمال کا رواج نہیں ہے اور ان کا کاروبار کپڑے جوتوں اور اسی قسم کی اشیاء [کے تبادلہ] سے چلتا ہے۔

صاحبِ کرامات بزرگوں میں سے، جو کہ قندھار میں آرام پذیر ہیں، ایک شاہ مسعود ابدال ہیں۔ اس زبدۃ الابرار کے مزار پُر انوار کے دامن میں جو پہاڑ ہے اس میں انگور، سیب، بہی دانہ، انار اور دیگر پھل بکثرت اور خودرو ہوتے ہیں

اور [میٹھے] پانی کے چشمے بھی جاری ھیں - یہ حالات صرف
اسی مقام پر اور اسی پہاڑ کے ھیں - [یہاں حضرت بابر بادشاہ
نے] اپنی زندگی میں انگور کی ایک بیل لگائی تھی جو کہ
آج تک باقی ھے - اسی پہاڑ کے قریب ایک زمین ھے کہ جسے
"بیشل" کہتے ھیں - وھاں خربوزہ و تربوز بکثرت پیدا ہوتے
ھیں جنھیں کاریز کا پانی دیا جاتا ھے - "بیشل" کے علاوہ
دوسرے جس مقام پر بھی خربوزے پیدا ھوتے ھیں تو ان میں
نصف کے قریب کیڑے پڑجاتے ھیں اور جس حصہ کی طرف
کیڑے پڑتے ھیں وہ حصہ پتھر جیسا سخت ھوجاتا ھے -

بابا حسن ابدال

آپ سبزوار کے صحیح النسب سادات میں سے ھیں - شروع
میں جب ان [کے دل] میں لگن پیدا ھوئی تو انھوں نے حجاز کا سفر
اختیار کیا اور حرمین شریفین اور ارضِ مقدس کی زیارت کا شرف
حاصل کرکے چند سال اسی کے نواح میں گذارے - اس کے بعد
میرزا شاہ رخ، فرزند رشید حضرت صاحبقران، کے عہدِ سلطنت میں
ممالک روم و حجاز [۱۴۳] سے مراجعت فرما کر سبزوار میں تشریف
فرما ھوئے - مرزا شاہ رخ، بابا حسن ابدال سے بڑی ارادت اور
عقیدت رکھتا تھا، چنانچہ سفر ھند کے موقع پر اس نے بابا کو
اپنے ساتھ لے جانے کی تکلیف دی - واپسی پر جب آپ نے
قندھار کے موضع لنگر پر منزل کی تو وھاں اپنے مریدوں اور
معتقدوں پر ظاھر کیا کہ مجھے اس زمین سے محبت کی بو آتی ھے -
چنانچہ آخر عمر تک [آپ نے] وھیں قیام کیا اور [اب بھی] وھیں آرام پذیر
ھیں - ان کا مزار ایک بلند مقام پر ھے جو کہ ارغنداب پر واقع ھے -

هر جمعہ کو قندھار کے ادنیٰ اعلیٰ، عورت، مرد اور شریف و وضیع لوگ وھاں زیارت کو آتے ھیں اور عجیب مجمع اور میلہ ھوتا ھے۔ بیشک وہ جائے فیض و کمال و صفا ھے اور بیشتر آنے جانے والوں سے سنا گیا ھے کہ دوسری ایسی کوئی جگہ مشکل ھی سے نظر آتی ھے۔

آپ کی کرامتیں بہت ھیں جن میں سے غار میں جانے، طلسم سے گذرنے، اور سونے کے اینٹ لانے کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ھے۔ آپ کے آستانہ کے سامنے ایک مخروطی وضع کا بلند گنبد ھے جو کہ بیشمار ناتراشیدہ پتھروں کو، کہ جن کا وزن پانچ من قندھاری ھے، بغیر چونے گارے اور مٹی کے جوڑ کر بنایا گیا ھے۔ کہتے ھیں کہ یہ بابا حسن کا چلہ خانہ رھا ھے اور یہ عمارت [انھوں نے] صرف ایک خادم کی مدد سے ایک رات میں بنائی تھی۔ پتھروں کو کچھ اس طرح ایک دوسرے پر چنا گیا ھے کہ کسی بھی دراز سے ایک بوند بھی پانی کی نہیں رستی لیکن جو شخص بھی اندر آتا ھے اسے ان پتھروں کے سوراخوں سے ھر طرف آسمان صاف نظر آتا ھے۔

اس کے علاوہ جس پہاڑ کے دامن میں بابا حسن کا مزار ھے اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی ایک گنبد بنا ھوا ھے اور یہ بھی بابا حسن کی [تعمیر کردہ] عمارتوں میں سے ھے۔ جس کی بھی نظر اس گنبد پر پڑے گی، اسے یقین ھوجائے گا کہ یہ بابا کی کرامت ھے کیونکہ اس پہاڑ پر [۱۳۴] آدمی کا خالی ھاتھ چڑھنا بھی دشوار ھے۔ اس پر گارا چونا لے جانا اور عمارت تعمیر کرنا تو دور بے حد مشکل ھے۔

سید حسین زنجیرپا

یہ بھی سبزوار کے باسعادت سادات میں سے ھیں ۔ انیس واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب امام عالی مقام حضرت موسیٰ کاظم سے جا ملتا ھے ۔ آپ کی والدہ بابا حسن ابدال کی ھمشیرہ تھیں ۔ جب بابا حجاز کے سفر سے واپس ھوئے تو انھوں نے اپنی ھمشیرہ بی بی فاطمہ سبزوار کو ایک بزرگ سید عین الدین کے نکاح میں دیا ۔ شادی کے انیس سال بعد میر سید حسین زنجیرپا تولد ھوئے اور سات سال کی عمر میں آپ ماں باپ کی نظروں سے غائب ھوگئے ۔ خادم اور درویش تلاش میں ھر طرف دوڑے مگر کوئی پتہ نہ چلا جس کی وجہ سے سید عین الدین کو سخت صدمہ پھونچا ۔ اس واقعہ کے سات سال بعد اچانک سید حسن نے والدین کے در پر حاضر ھوکر آواز دی ۔ جب ان کی فرحت بخش آواز ماں باپ کے گوش گذار ھوئی تو وہ بے ساختہ خوشی میں باھر نکل آئے اور اپنی غمناک آنکھوں کو اس ارجمند کے دیدار سے ٹھنڈا کرکے غائب ھوجانے کی کیفیت دریافت کرنے لگے ۔ آپ نے جواب دیا کہ سالکِ ایمان جنّات کا ایک گروہ مجھے اپنے ماموں حسن ابدال کے اشارہ پر ان کے پاس ھندوستان لے گیا تھا ۔ تقریباً ایک سال وھاں رھنے کے بعد میں نے رخصت حاصل کی ۔ انھوں نے مجھے پھر اسی گروہ کے حوالہ کیا جو کہ [مجھے] ان کی ھدایت کے مطابق درویشوں کی خانقاھوں میں لے گیا ۔ چھ سال کی مدت ، میں نے ان مبارک مقامات پر گذاری اور اس عرصہ میں وہ جماعت مجھے اسلام کے فرائض و سنت کی تلقین و تعلیم دیتی رھی ۔ [۱۳۵]

اس کے کچھ عرصہ بعد شوقِ سلوک میں آکر انھوں نے [پھر] سیر و سفر اختیار کیا اور ہر خرمن سے خوشہ اور ہر مجلس سے توشہ حاصل کرتے رہے۔ بالآخر جب محبت الٰہی کی آگ ان کے دل میں بھڑکنے لگی تو وہ مرشدِ کامل متلاشی ہوے۔ اسی اثناء میں انھیں الہام ہوا کہ وہ اپنے ماموں حسن ابدال کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے کمالات حاصل کریں۔

روایت کرتے ھیں کہ جس دن دوپہر کے وقت میر سید حسین کو باباحسن ابدال کی ملاقات کے لئے موضع لنگر میں پہونچنا تھا اسی دن صبح کے وقت بابا حسن پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ "مجھے کسی ایسے مرد کی بومحسوس ہورھی ھے کہ جس کی ملاقات سے چشمِ دل کو بصیرت حاصل ھوگی چنانچہ اس کے استقبال کے لئے جلد روانہ ہوجاؤ" درویش ابھی تھوڑی ھی دور گئے ہوں گے کہ امیر سید حسین ان سے ملاقی ہوئے اور آکر بابا حسن ابدال کی خدمت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ بابا حسن نے عنایت فرما کر انھیں سینہ سے لگایا اور ان کے سر اور پیشانی کے بوسے لے کر انھیں اپنی گدی پر بٹھایا۔ میر سید حسین کی آمد کی خبر سن کر قندھار کے مشائخ اور اولیاء ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ چونکہ اس دن بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے اس لئے بابا حسن نے فرمایا کہ بیٹا سید حسین! معززین اور بزرگوں کی بڑی جماعت اکٹھی ہوگئی ھے۔ ان پر توجہ دو اور ان کے لئے "بغراخانی" طعام مہیا کرو۔ سید حسن نے اٹھ کر دیگ چولھے پر رکھی اور

پانچ سیر گوشت اور دس سیر قندھاری ، آٹا دستیاب کر کے پکانے میں مصروف ہوگئے ۔ جب کھانا پک گیا تو بابا حسن نے فرمایا کہ اتنے کھانے سے تم سارے درویشوں کو سیر کرادو گے؟ سید حسین نے یہ خدمت قبول کی ۔ معتبر لوگوں سے روایت ھے کہ اس چھوٹی دیگ میں سے ایک سو پچاس تھال بغرا (طعام) کے بھر کر درویشوں کے سامنے رکھے گئے اور سب سیر ہوگئے لیکن دیگ جوں کي توں بھری رہی ۔ [۱۳۶]

نقل ھے کہ ایک دن سید حسین موضع لنگر کی گذر گاہ پر تشریف فرما تھے کہ معاً ایک شخص اونٹ پر پنیر بار کئے شہر کی طرف جاتا نظر آیا ۔ میر سید حسین نے اس سے دریافت کیا کہ اس اونٹ پر کیا بار ہے ۔ اس شخص نے ، اس خیال سے کہ مبادا یہ درویش کچھ طلب کرے ، کہا کہ پتھر ھیں ۔ آپ نے فرمایا کہ یہی ہوگا ۔ جب اس شخص نے منزل پر جا کر اپنے بار کو کھولا تو [واقعی] اس میں پنیر کی جگہ پتھر تھے ۔ چنانچہ نہایت پشیمان ہو کر وہ اس پتھر بنے ہوئے پنیر کو لا کر معافی کا طلب ھوا اور وہ پتھر آستانہ کے دروازہ پر رکھ دیئے ۔ خدام نے وہ پتھر بعدمیں ان کے مزار منور پر رکھ دیئے جو کہ اب تک موجود ھیں ۔ چونکہ ان کے کشف و کرامات کا ذکر اس مختصر کتاب کی وسعت سے باھر ھے اس لئے اختصار ھی پر اکتفا کی جاتی ھے ۔

صاحبِ سیر و طیر سید محمد عرف سید شیر قلندر کا ذکر

آپ میرسید حسین زنجیرپا کے فرزند ھیں - بچپن ھی میں سیر و سلوک اور ریاضت میں مشغول ھو کر [انھوں نے] خود کو بلند مرتبہ پر پہونچا دیا تھا - ھدایت و ارشاد کا دروازہ کھول کر آپ، وادیٔ طلب کے پیاسوں کے خشک ھونٹوں کو ھمیشہ آبِ معرفت سے تازگی بخشتے رھے - آپ کے کشف و کرامات شمار سے باھر ھیں جن میں سے چند، ذیل میں، بیان کئے جاتے ھیں -

پوشیدہ نہ رھے کہ آپ کا نام سید محمد ھے اور آپ کو سید شیر اس وجہ سے کہتے ھیں کہ آپ نے اپنی اصل شکل تبدیل کر کے شیر کی شبیہ اختیار کی تھی - قصہ اس طرح ھے کہ جب ابتدا میں سید محمد کشف و کرامت میں مشہور ھوئے اور قندھار اور ھزارہ قبائل کے لوگ نذر و نیاز لانے لگے تو سید قشغہ نامی ایک شخص نے میر ذوالنون کو نامناسب باتیں کہہ سن کر آمادہ کرایا کہ وہ اپنے آدمی بھیج کر میرسید کو اپنے پاس بلائے - چنانچہ [۱۳۷] میرسید محمد نے اشکلچہ میں آکر جمعہ کے دن جامع مسجد میں میر ذوالنون سے ملاقات کی - میر ذوالنون جب مجلس سے اٹھا تو اس نے کہا کہ اس سید پر نظر رکھنا -- اس پر چوکیداروں نے میر سید کو ایک گھر میں قید کردیا اور ایک گروہ ان پر پہرہ دیتا رھا - میرذوالنون جب اپنی رھائش گاہ میں پہونچا تو [خود بخود] اپنی اس بے ادبی پر، کہ جو اس نے میر کے حق میں صادر کی

تھی، سخت پشیمان ہوا اور معتبر لوگوں کے ہاتھ اس نے کچھ خوان کھانے کے میر سید شیر کے پاس بھیجے۔ جب وہاں پہونچ کر ان لوگوں نے اس کمرہ کا دروازہ کھولا کہ جس میں میر سید [مقیّد] تھے تو وہاں انھیں ایک بڑے شیر کے سوا، کہ جو نمدے پر لیٹا ہوا تھا، اور کوئی نظر نہ آیا۔ چنانچہ وہاں انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ آکر میر ذوالنون سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ [خواہ مخواہ] خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ پھر اس نے اپنے مقربین میں سے دو کو وہاں جانے کا حکم دیا انھوں نے بھی واپس آکر وہی حقیقت بیان کی۔ اس کے بعد میر ذوالنون نے خود اپنے اہل و عیال سمیت اس مقام پر پہونچ کر عین الیقین حاصل کیا کہ واقعی ایک بڑا شیر نمدے پر بیٹھا ہے۔ بالآخر میر ذوالنون نے اپنی تقصیر قبول کی اور عذر و استغفار کی زبان کھول کر معافی حاصل کی۔ اس کے بعد میر سید شیر اپنی اصلی حالت کو لوٹ آئے اور میر ذوالنون نے میر سید کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دے کر [انھیں] رخصت دی۔

نقل ہے کہ سلطان علی قورچی، جو کہ لق و دق کے نام سے مشہور ہے، ابتدا میں میر سید شیر کا بڑا منکر تھا۔ ایک دن امتحان کرنے کے خیال سے وہ میر سید شیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بے ادبی کے انداز سے بیٹھ گیا۔ حضرت میر شیر قلندر نے جوش و جلال کے ساتھ اس پر نگاہ ڈالی اور وہ دیکھتے ہی گر پڑا اور اس کے کپڑے تار تار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ کتنے ہی عرصہ تک سر اور داڑھی منڈوا کر برہنہ گھومتا

رہا ۔ آخر کار اس کی بہن بیچہ حبیب اور اس کے بہنوی ابو مسلم کو کلتاش نے میر سید شیر قلندر کی خدمتِ اقدس میں آکر گناہوں کی معافی حاصل کی ۔ اس پر میر سید شیر قلندر نے اسے اپنے وضو کا پانی پینے کے لئے دیا جسے پیتے ہی وہ [۱۳۸] اپنی اصلی حالت کو لوٹ آیا اور مریدوں کے زمرہ میں شامل ہوگیا ۔ پھر تا حیات وہ میر کے باورچی‌خانہ کے لئے سر پر لکڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتا رہا ۔ اسی سلطان علی سے نقل ہے کہ ایک بیحد سرد رات کو میر سید شیر درویشوں کی ایک جماعت کےساتھ سیر کو نکلے۔ [راہ میں] کچھ دیر سو کر اٹھے تو انھیں غسل کی حاجت ہوئی چنانچہ اٹھتے ہی انھوں نے فرمایا کہ سلطان علی! میرے کپڑوں کا خیال رکھنا ۔ اس کے بعد تہنبد پہن کر آپ ایک نہر میں برف توڑ کر پانی میں داخل ہوگئے۔ اس طرف تیز سرد ہوا کی وجہ سے میرا جسم کانپ رہا تھا چنانچہ جب مجھے اس حال میں دیکھا تو فرمانے لگے کہ سلطان علی! کیا سردی لگ رہی ہے؟ اچھا ادھر آ۔ لیکن مردانِ [حق] کے راز مخفی رکھنا ۔ میں اٹھ کر ان کے پاس [پانی میں] گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پانی بہت گرم ہے جس سے میرے جسم کو بڑا آرام حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ باہر نکلا اور مجھ پر سردی کا کوئی اثر نہ ہوا۔

نقل ہے کہ میر سید شیر ایک روز موضع سفید رواں میں جا نکلے۔ ہوا گرم تھی۔ خواجہ شہاب‌الدین سفید روانی، کہ جو میر کا ایک معتقد تھا، بیان کرتا ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر

عرض کی کہ کچھ دیر کے لئے میرے باغ میں قدم رنجہ فرمائیے۔ آپ نے میری درخواست قبول کی۔ میں نے آگے جا کر باغ میں حوض کے کنارے جگہ آراستہ کی۔ باغ کا دروازہ چھوٹا اور تنگ تھا اسی وجہ سے میں میر کے گھوڑے کو باغ کے باھر درخت کی چھاؤں میں روکنے کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اسی اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ میر سواری کی حالت میں باغ میں داخل ہوگئے۔ میں حیرت میں غرق ہوگیا کہ اس تنگ دروازہ سے وہ اس طرح کیوں کر گذرے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ شہاب الدین یہ باتیں بڑی آسان ھیں۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ جو پھل [حضور کو] پسند ہوں وہ حاضر کروں۔ [اتفاق کی بات ھے کہ] میں نے کسی حاکم کے پاس بھیجنے کے لئے دو ٹوکرے پھلوں کے بھر کر رکھے تھے [جنھیں میر کی آمد سے پیشتر میں نے اٹھا کر ایک گوشہ میں رکھ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شہاب الدین صبح تونے جو دو ٹوکریاں [۱۳۹] پھلوں سے بھر کر رکھیں ھیں وہ لے آ اور انھیں جس کے پاس بھیجنے کا تونے ارادہ کیا تھا اس کے پاس [دوسری ٹوکریاں] بھر کر بھیج دینا۔ میں [یہ سن کر] سخت حیران ھوا اور عقیدہ ٔ صادق کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کے ھاتھوں کو بوسہ دیا اور پیروں پر گر گیا۔

نقل ھے کہ [ایک مرتبہ] میر شیر داور سے ساربان کے قلعہ میں پھونچے۔ [ان کے] درویش دوپھر گذارنے کے لئے ایک کسان کے گھر گئے لیکن اس نے انھیں وھاں قیام کرنے کی اجازت نہ دی

جس پر درویش فریاد لے کر میر سید شیر کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ جلد ہی یہاں سے نکل چلو کیونکہ یہاں زبردست آگ لگنے والی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں سے دو چار قدم بمشکل گئے ہوں گے کہ خوفناک آگ بھڑک اٹھی اور وہ مقام جل کر خاکستر ہوگیا۔

نقل ہے کہ میر سید شیر کی وفات ۹۳۳ھ میں عاشورہ کے دن ہوئی تھی۔ آپ کا مزار موضعٔ فیض، اشکلجہ میں ہے جو کہ قندھار سے دس کوس مغرب کی جانب ہے۔ وہاں قندھار اور داور کے لوگ اپنی مرادیں اور منتیں حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا کرتے ہیں اور حضرت کے فرزند کو نذرانہ اور تحفے دے کر ان کی روح پر فتوح کا صدقہ مسکینوں، فقیروں اور مسافروں کو دیتے ہیں۔ قندھار، ہزارہ اور دیگر اضلاع کے سارے لوگ ان کے مرید ہیں۔ وہ متبرک مقام کسی دن بھی انبوہ اور مجمع سے خالی نہیں رہتا اور مقررہ لنگر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

(قدوۃ الواصلین) خواجہ ملک کا ذکر

آپ کا مزار دریائے ارغنداب کے کنارے پر واقع ہے اور ایک عجیب مقام فیض ہے۔ خطۂ قندھار کے باشندے آپ کو پیر ولایت کہتے ہیں اور اپنی زراعت کا ایک حصہ، کاشت کے موقع پر، آپ کے فرزندوں کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اس کا حاصل آپ کی اولاد امجاد کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ کہ حصہ مقرر نہیں کرتے ان کی زراعتوں پر آفت نازل ہوجاتی ہے۔ [۱۴۰]

خواجہ علی "نے تاز" کا ذکر

یہ صاحب کرامت بزرگ تھے اور موضع کند کان میں آرام پذیر ہیں۔ آپ کو "نے تاز" اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ ایک لکڑی پر سوار ہو کر کسی کے یہاں جا کر مہمان ہوئے اور آپ نے گھر کے مالک سے کہا کہ اس گھوڑے کو بھی دانہ کھلاؤ۔ گھر کے مالک نے از راہِ تمسخر اس لکڑی کو غلہ کے انبار میں ڈال دیا۔ صبح اٹھ کر اس نے گیا دیکھا کہ غلہ کی کوٹھری خالی پڑی ہے اور اس میں بہت سی لید پڑی ہوئی ہے۔

خواجہ علی نیشاپوری کا ذکر

یہ اولیائے عظام میں سے تھے اور بڑے صاحبِ کرامت بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ایک بار جب قندھار کے کچھ بزرگ، پیادے اور سوار، آپ کے دیدار کے لئے آئے تو آپ دیوار پر سوار ہو کر ان بزرگوں کے استقبال کے لئے گئے تھے۔ یہ دیوار آج تک موجود ہے۔

خواجہ ایوب انصاری کا ذکر

کہتے ہیں کہ یہ خواجہ عبداللہ انصاری کے بھائی ہیں۔ دو شنبہ کے دن ان کے آستانہ پر بہت مجمع ہوتا ہے۔

پیر یکشنبہی

ان کا مزار کوہ لک کے دامن میں ہے۔ قندھار کے لوگ پابندی کے ساتھ اتوار کو ان کے مزار پر چراغ جلاتے ہیں۔

اس موقع پر، ہر اتوار کی شب کو، اس بزرگ کے مزار پر ۱۲۰ دیئے جلائے جاتے ہیں۔

میرزا شاہ حسن کے ٹھٹھہ میں حکومت کرنے کی ابتدا اور جام فیروز کے فرار ہوجانے کا ذکر

جب مرزا شاہ حسن نصرپور میں باپ کی جگہ مسندِ حکومت پر بیٹھا تو [۱۴۱] سادات، قاضی، اشراف اور دیگر ممتاز افراد مراسم تعزیت اور لوازم تہنیت بجا لانے کے لئے [اسکے گرد] جمع ہوئے۔ اس نے ان سب کو [کثیر] انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ چونکہ یہ واقعہ ماہ شوال کی پہلی تاریخ کو عمل میں آیا تھا، کہ جس دن عید سعید کی آمد کی بھی بشارت مل رہی تھی، اس لئے جملہ امرا و وزرا نے عرض کیا کہ اب حضور کے اسم گرامی کے ساتھ خطبہ پڑھنا زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بات سنتے ہی اس نے استغفار پڑھا اور اسے دشوار سمجھتے ہوئے کہا کہ جب تک صاحب قِران کی اولاد میں سے کوئی شخص موجود رہے گا تب تک ہمیں اس کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ خطبہ، حضرت ظہیر السلطنت و الخلافت محمد بابر بادشاہ کے نام کا پڑھا گیا۔ اس کے بعد عید کا دن وہاں گذار کر وہ ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔ جام فیروز نے حافظ رشید خوش نویس اور قاضی حاجی (۱) مفتی کو تحائف و ہدایہ کے ساتھ خدمت میں بھیج کر افسوس ظاہر کیا اور عجز و نیاز کے ساتھ تقصیر کی معافی چاہی۔ لیکن ایلچیوں نے خلوت میں عرض کیا کہ

---

(۱) نسخہ ح میں "قاضی قاضن" ہے۔

بظاہر تو جام فیروز نے یہ عرض کی ہے، لیکن در باطن اس کا مقصد کچھ اور ہے اور وہ آلات حرب اور سامان جنگ فراہم کرکے لڑائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

مرزا شاہ حسن نے قاصدوں کو واپس جانے کی اجازت دے کر خود منزل بہ منزل کوچ کیا۔ جام فیروز جب لشکر کی آمد سے آگاہ ہوا تو مقابلہ کی طاقت اور جنگ کی تاب نہ لا کر اس نے بھاگ جانے کو ترجیح دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ٹھٹہ کو خالی کرکے دریا کے اس پار چلا گیا۔ مرزا شاہ حسن نے اپنے لشکر کو دریا پار کرکے ٹھٹھہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ لشکر کے دریا پار کرتے وقت مانک وزیر اور جام فیروز کا داماد شیخ ابراہیم کچھ فوج لے کر سامنے آیا اور [بارود کی] دیگیں کھول کر کچھ کشتیوں میں توپچیوں اور تیر اندازوں کو بٹھا کر راہ میں مزاحمت کرنے لگا۔ لیکن اسی اثناء میں بہادروں اور تجربہ کار جنگجو جوانوں کے ایک دستہ نے ان کا مقابلہ کرکے دریا کی راہ انہیں عدم آباد روانہ کردیا۔ [۱۴۲] جام فیروز مایوس اور ناکام ہو کر ولایت کچھ کی طرف چلا گیا اور وہاں کچھ مدت ٹھیر کر کچھی باشندوں کی فوج تیار کرتا رہا۔

مرزا شاہ حسن کے متوجہ ہونے اور جام فیروز کے شکست کھانے کا ذکر

جام فیروز جب چاچکوں اور راہموں کے مواضعات کی منزل

پر پہونچا تو وہاں اس نے تقریباً پچاس ہزار نفر سوار اور پیادے اکٹھے کر لئے اور اس کے بعد جنگ اور مقابلہ کے لئے مستعد ہو کر ولایت ٹھٹھہ میں غلغلہ اور زلزلہ پیدا کردیا ۔ اس موقع پر امیر محمد مسکین ترخان ، میر فرخ ، سلطان قلی بیگ اور دوسرے امرا نے مرزا شاہ حسن بیگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے صورت حال سے آگاہ کیا ۔ مرزا شاہ حسن نے کچھ لشکر ٹھٹھہ بھیج کر شہر مستحکم کیا اور خود حریف کو دفع کرنے کے لئے اس طرف متوجہ ہوا اور دریا پار کرکے منزلیں طے کرتا ہوا جام فیروز کی طرف روانہ ہوا ۔ جب ان حدود کے نزدیک پہونچ گیا تو لشکر کو ترتیب دے کر [نظم و ضبط کے ساتھ] آگے روانہ ہوا ۔ [لیکن ابھی کچھ ہی دور چلا ہوگا کہ] غنیم کا لشکر ظاہر ہوا ۔ ان لوگوں نے جب مغلوں کا لشکر دیکھا تو پیادہ ہو کرفوراً اپنی پگڑیاں اتاریں اور اس کے سروں سے [باہم] ایک دوسرے کی کمر باندھ کر خوفناک جنگ شروع کردی ۔ سندھ اورھند کے لوگوں کا دستور ھے کہ جب وہ خودقتل ھوجانے [تک لڑتے رھنے] کا فیصلہ کرتے ھیں تو گھوڑوں سے اتر کر ننگے سر ھوجاتے ھیں اور پھر پگڑیوں اور کمر بندوں سے ایک دوسرے کو باھم منسلک کر دیتے ھیں ۔ مرزا شاہ حسن نے یہ حالت دیکھ کر امیروں کو فتح کی بشارت دی اور سپاھیوں کو تیر و کمان ھاتھ میں لے کر حملہ کرنے کا حکم دیا اس کے بعد خود گھوڑے سے اترا اور وضو کرکے دو رکعت نفل ادا کی اور نماز کے بعد ھاتھ اٹھا کر فتح و نصرت کے لئے دعا طلب کی ۔

دعا کا تیر گویا قبولیت کے نشانہ پر جا لگا اور وہ گھوڑے
پر سوار ہو گیا ۔ امیروں اور سپاہیوں نے تلواریں سونت
کر شدت سے حملہ کیا اور غنیم کے لشکر میں زلزلہ پیدا کر دیا ۔
صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی اور تقریباً بیس ہزار
آدمی [۱۴۳] میدان میں کام آئے ۔ [آخر کار] جام فیروز ناکام
اور ذلیل ہو کر گجرات چلا گیا اور ملک الموت سے ملاقات
ہونے تک گجرات ہی میں رہا ۔

مرزا شاہ حسن تین دن تک وہاں منزل انداز رہا اور گھوڑے
اور سامان کہ جو ہاتھ آئے تھے انھیں اپنے فوجیوں میں تقسیم
کرکے بڑے امیروں کو طرح طرح کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا ۔
اس کے بعد وہاں سے ٹھٹھہ میں منزل کر کے مظفر و منصور
تغلق آباد میں جا کر مقیم ہوا اور وہاں سے چھ ماہ بعد ہالہ
کنڈی (ہالہ) کی راہ سے منزلیں سر کرتا ہوا بکھر روانہ ہوا ۔
جب سیوستان کے قریب پہونچا تو وہاں کے امرا اسے فتح کی
مبارک باد دینے آئے اور تحائف پیش کئے ۔ اس کے بعد سیوستان
کے امرا اور حکام اجازت حاصل کرکے واپس ہو گئے ۔ سہتہ اور
دربیلہ کے لوگ بھی استقبال کر کے سیوستان کے قریب خدمت
میں حاضر ہوئے ۔ اسی دن وہ دربیلہ [کی حکومت] میر فرخ
کو عطا کرکے خود شکار کھیلتا ہوا بکھر سے تین کوس کے
فاصلہ پر "ببرلو" میں خیمہ انداز ہوا ۔ امرا ، وزرا اور ممتاز افراد نے
مرزا شاہ حسن کا استقبال کیا اور اس کی خدمت میں حاضری
دی ۔ مرزا نے بکھر کے لوگوں پر بے حد توجہ فرمائی اور انھیں

انعام و اکرام سے نوازا ۔ اسی سال شیخ میرک پورانی قندھار سے سندھ تشریف لائے اور دوسرے سال شاہ قطب الدین بن شاہ طیب نے ھرات سے بکھر آکر مرزا شاہ حسن سے ملاقات کی ۔

مرزا شاہ حسن کی حکومت اور ڈھر قبائل کے لوگوں کے قید ھونے کا ذکر

سنہ ۹۲۸ ھ کی ابتدا میں مرزا شاہ حسن کو خبر ملی کہ "اباوڑی" اور "بھٹی واھن" کے ڈھر اور ماچھی قبائل کے لوگ ھمیشہ "ماتھیلہ" پرگنہ کے باشندوں اور عوام کو زک پہونچاتے رھتے ھیں چانچہ اس نے میر فاضل کوکلتاش کے فرزند ارشد بابا احمد کو فوج دے کر اس جماعت کو سبق دینے کے لئے مامور کیا ۔ وہ سپاہ تیار کر کے بھٹی واھن اور اوباوڑی کے نواح پر حملہ آور ھوا اور پھر واپس [۱۴۴] ماتھیلہ کے قلعہ میں آیا ۔ ڈھر قبائل نے سیورائی کے رھنے والے بلوچوں کو اکسایا کہ مغل دست درازی کر کے مال اور مویشی لوٹ لے گئے ھیں چنانچہ جب تک تم پیشدستی کے لئے آمادہ نہ ھوگے وہ ایسا ھی کرتے رھیں گے ۔ اس پر سیورائی کے بلوچوں نے آدمی جمع کر کے مہر قبائل پر حملہ کیا ۔ بابا احمد کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ان کا تعاقب کیا ۔ اباوڑی کے سامنے دونوں گروھوں کا مقابلہ ھوا اور جنگ چھڑ گئی ۔ نتیجہ میں بلوچوں نے شکست کھائی اور ان کے بیشتر آدمی قتل ھو گئے اور ڈھر قبائل کے کچھ لوگ گرفتار ھو گئے ۔ مرزا

شاہ حسن نے ایک اور فوج بھی بلوچوں پر حملہ کرنے کے لئے "کندی" اور "وتر" بھیجی تھی ۔ اس فوج نے بھی بلوچوں کوسبق دینے کے بعد واپس ہوتےوقت اباوڑی سے تعلق رکھنے والے ماچھیوں میں سے کچھ کو قتل اور کچھ کو گرفتار کر کے ان کی خوب گوشمالی کی ۔ [بالآخر ان] لوگوں نے بابا احمد کو نقدی اور دختر پیش کی اس کے بعد اباوڑی پر بابا احمد کا قبضہ ہوگیا ۔

وہاں سے مطمئن ہوکر اور کچھ لشکر وہاں چھوڑ کر وہ بکھر واپس آیا ۔ اس کے بعد سیلاب کے موسم میں مرزا کے سرکاری اونٹ ، ڈھروں اور محمد فراش مہر کی نگرانی میں "ماتھیلہ" کے نزدیک چرنے کےلئے گئے ۔ جب یہ خبر سیورائی کے بلوچوں اور دیراور ، فتح پور اور آس پاس کے جتوں کو ہوئی تو وہ جمعیت اکٹھی کر کے آئے اور آکر مرزا کے وہ اونٹ ہنکا لے گئے ۔ یہ اطلاع بکھر پہونچی تو بابا احمد تین سو سواروں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا دیراور پہونچا اور ان لوگوں میں سے بہتوں کو قتل کر کے اور اونٹ واپس لے کر جانے لگا ۔ لیکن جب وہ بھٹی واھن کے نزدیک پہونچا تو سیورائی کے بلوچوں اور مہروں نے جمع ہوکر اس کا راستہ روک لیا ۔ اس دفعہ سخت جنگ ہوئی جس میں بابا احمد سخت زخمی ہوکر بھاگ نکلا ۔ لیکن جب وہ ماتھیلہ کی حدود میں پہونچا تو گھوڑے سے گر پڑا اور اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا ۔ [۱۳۵]

میر فاضل کا بیٹا عبدالفتاح بھائی کے فوت ہونے کی خبر سن کر بے تاب ہوگیا اور اس نے مرزا شاہ حسن سے اجازت حاصل کرلی۔ چونکہ میر قاسم کپنک پوش سے اسے دامادي کی نسبت تھی اس لئے مرزا شاہ حسن نے میر قاسم کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اپنے آدمی لے کر اس کے ساتھ جائے مبادا عبدالفتاح سے لڑکپن سرزد ہو۔ چنانچہ میر عبدالفتاح میر قاسم کے ساتھ وھاں جا پہونچا اور بھائی کی لاش بکھر روانہ کرکے میر قاسم کے مشورہ کے مطابق کچھ عرصہ وھاں پر ٹھہرکر موقع کا انتظار کرتا رھا۔ پھر ایک دن رحمو ڈھر کے گھوڑوں پر سوار ہوکر بلوچوں اور دیگر لوگوں کی ایک بڑی جمیعت کو قتل کرکے وہ حدود مئو تک جا پہونچا اور ایسی عجیب جنگ کی کہ بالآخر بلوچوں کو شکست ہوئی۔ اس پر انھوں نے ڈھروں کو درمیان میں لاکر صلح کی۔ فیصلہ ہوا کہ بھٹی واھن سندھ کی حد متصور ہوگی۔ [اس کے بعد] میر عبدالفتاح کچھ عرصہ بھٹی واھن میں سکونت پذیر رھا اور اپنے بھتیجے میر محمد علی کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔ ایک رات خبر ملی کہ بلوچ اباوڑی سے مویشی ھنکا لے گئے ھیں۔ یہ سن کر میر عبدالفتاح گھر سے ھتھیار لگاکر نکلا۔ [اس وقت] ھوا سخت گرم تھی۔ چنانچہ اس نے تھوڑا ھی راستہ طے کیا تھا کہ اس پر گرمی کی شدت کا سخت حملہ ھوا یہاں تک کہ گھر واپس لاتے لاتے اس کی حالت قابو سے باھر ہوگئی۔

ان دونوں حادثوں کے بعد سنہ ۹۳۰ھ میں مرزا شاہ حسن

نے ملتان فتح کرنے کا ارادہ کیا اور جملہ امیروں اور سپاھیوں کو دو سالہ فوج کشی کی تیاریاں کرنے کا حکم دیا ۔

اس فوج کشی کے درمیان پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر

جب مرزا شاہ حسن نے ولایتِ ملتان کی تسخیر کا ارادہ محکم کیا تو اس نے پہلے ارغون، تکدری اور ھزارہ قبائل کے ان لوگوں کے خدشہ سے مطمئن ھونا چاھا کہ جو ولایت سیوی میں اھل و عیال کے ساتھ رھتے تھے ۔ چنانچہ ایک ھزار سوار ساتھ لے کر یلغار کرتا ھوا وہ سیوی جا پہونچا اور قلعہ کی مرمت کراکے [۱۴۲] اور وھاں اپنے معتمد افراد کو مامور کر کے اس نے اطمینانِ [کلی] حاصل کیا ۔ واپسی پر لہری اور چتر کی راہ اختیار کر کے اس نے رند اور بگٹی بلوچوں پر حملہ آور ھو کر انھیں اسیر اور مطیع کیا ۔ پھر گرفتار شدہ جماعت سے قول و قرار لے کر انھیں آزاد کیا اور ان کے وڈیروں اور سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر بکھر آیا ۔

جب عالیجاہ دولت پناہ ظھیر السلطنت و الخلافت محمد بابر بادشاہ کی ھندوستان پر فوج کشی کرنے کے خبر مشہور ھوئی تو مرزا شاہ حسن نے ایلچیوں کے معرفت شایانِ شان تحائف بارگاہ میں پیش کئے ۔ چونکہ جن دنوں مرزا شاہ حسن بادشاہ کی خدمت میں رھا کرتا تھا ، ان دنوں اس نے میر خلیفہ سے جو کہ درباشاھی میں دیوان بیگی اور وکیل تھا، خصوصیت

اور دامادی کے رشتہ کی سلسلہ جنبانی کی تھی اور یہ عرض قبولیت کا شرف بھی حاصل کر چکی تھی، اس لئے اس تعلق کی تجدید کرنے اور اسے مستحکم کرنے کی غرض سے اس نے عبدالباقی کی دادی مسمات شاہ سلطانی کو، جو کہ سید جعفر کی اولاد میں سے تھی، فردوس مکانی ظہیرالسلطنت کی خدمت میں بھیج کر اس مقصد کا اعادہ کیا۔ حضرت جنت‌آشیانی نے وسیلہ بن کر میر خلیفہ کی بیٹی گلبرگ بیگم کو، مرزا شاہ حسن کے نکاح میں دے کر میر خلیفہ کے چھوٹے بیٹے میر حسام‌الدین میرک کے ساتھ بکھر روانہ کیا۔ مرزا شاہ حسن نے شادی کرکے بیگم کو حرم میں داخل کیا اور باغبان کا پرگنہ میر حسام‌الدین میرک کو بطور مہمانی دے کر خود ملتان فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ حضرت بادشاہ نے اس نسبت کا خیال رکھتے ہوئے ماہ بیگم کی بیٹی ناھید بیگم کو، جس کا اس سے پیشتر ذکر ہو چکا ھے کہ اسے کابل میں صغر سنی کی حالت میں چھوڑ کر ماہ بیگم قندھار چلی آئی تھی، میر خلیفہ کے بیٹے محبت علی خان کے نکاح میں دیا تا کہ دونوں طرف سے رشتے مضبوط رهیں۔

پوشیدہ نہ رھے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر، کہ جب سے محمد بن قاسم ثقفی نے حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ملتان فتح کیا تھا، ملتان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ھے۔ [۱۴۷] جب سے سلطان محمود غازی اسے ملحدوں کے ھاتھوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں لایا تھا تب سے وہ مدت مدید تک اس کی

اولاد کے زیر اقتدار رہا۔ غزنویوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد ملتان قرامطہ کے قبضہ میں آیا جن سے اسے سلطان معزالدین محمد سام نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کے بعد سنہ ۸۴۷ھ تک ملتان بادشاہان دھلی کے قبضہ میں رہا۔ پھر اسی سنہ میں جب ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی تو ملتان کا حاکم خود مختار ہوگیا اور دھلی کے اثر و اقتدار سے آزاد ہوگیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کتنے ھی لوگ اس پر حکومت کرتے رہے۔ چنانچہ شیخ یوسف نے تقریباً دو سال، سلطان قطب الدین نے ۱۴ سال، سلطان محمود نے ۲۷ سال، سلطان فیروز بن سلطان محمود نے چند ماہ ملتان میں حکومت کی اور اس کے بعد سلطان حسین اس کے تخت پر متمکن ھوا۔

سنہ ۸۴۷ھ میں جب دھلی کی بادشاھت اور حکومت کا سلسلہ سلطان علاؤالدین بن محمد شاہ بن فرید شاہ بن مبارک شاہ بن خضر خان تک پھونچا تونظامِ حکومت اور کاروبارِ سلطنت مختل ہوگیا۔ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ اسی عرصہ میں مغلوں کے پے درپے حملوں کی وجہ سے ولایتِ ملتان حکمران سے خالی ھوگئی۔ چونکہ شیخ الطریقت حضرت شیخ بھاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی بزرگی ملتان اور آس پاس کے بیشتر زمینداروں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی چنانچہ وہاں کے عام و خاص باشندوں نے ان کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو بادشاہ تسلیم کر کے ملتان، اُچ اور دوسرے مواضعات میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور مذکورہ

بزرگ نے خود بھی حکومت کی باگیں ہاتھ میں لے کر لشکر اور جمیعت کو ترقی دینی شروع کی اور زمینداروں کے دلوں کو رام کر کے کاروبار مملکت کو رونق بخشی۔

اتفاقاً ایک دن لا نگاہوں کے سردار رائے سہرہ نے، جو کہ رپڑی اور گرد و نواح کے مواضعات پر متصرف تھا، شیخ یوسف کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہم باپ دادوں سے لے کر آپ کے سلسلہ کے معتقد اور مرید ہیں [۱۴۸] اور چونکہ دھلی کی حکومت فتنہ و فساد سے خالی نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ملک بہلول دھلی پر متصرف ہوا ہے اس لئے اگر آپ لا نگاہوں کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دیں گے اور ہمیں اپنے لشکر میں شمار کریں گے تو جب بھی کوئی مشکل یا ضرورت پیش آئے گی ہم جان قربان کرنے میں بھی تاخیر نہ کریں گے۔ بالفعل اپنی جاں نثاری کے ارادہ کو مستحکم کرنے کے لئےمیں اپنی بیٹی آپ کے حوالہ کرتا ہوں اور آپ کو اپنا داماد قبول کرتا ہوں"۔ یہ پیغام پاکر شیخ بہت خوش ہوا اور رائے سہرہ کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لایا۔ وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے گاہے گاہے ملتان آتا رہتا تھا اور شایان شان تحائف شیخ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ احتیاطاً شیخ، رائے سہرہ کو شہر ملتان میں منزل کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا اور وہ خود بھی ملتان سے باھر خیمہ زن ہو کر تنہا اپنی بیٹی سے ملنے آیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ اپنے سارے آدمی ساتھ لے کر ملتان روانہ ہوا اور مکر و حیلہ سے شیخ یوسف کو قید کر کے ملتان کا حاکم بننے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ملتان کے نواح

میں پہونچ کر اُس نے شیخ یوسف کے پاس پیغام بھیجا کہ "اس مرتبہ میں سارے لا نگاہ قبائل کے لوگ ساتھ لایا ہوں تاکہ میری جمعیت دیکھ کر آپ شایان شان خدمت میرے حوالہ کریں"۔ سادہ لوح شیخ یوسف نے زمانہ کی مکاری سے غافل ہو کر مہربانی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ رائے سہرہ اپنے سپاہی اور اسباب کا ملاحظہ کرانے کے بعد ایک رات ایک نوکر ساتھ لے کر اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے آیا۔ نوکر کو اس نے سمجھادیا تھا کہ گھر کے کسی گوشہ میں بکری کا بچہ ذبح کر کے اور اس کا گرم خون پیالہ میں بھر کر [میرے پاس] لے آنا۔ [وقت آنے پر] جب ملازم نے حکم کی تعمیل کی تو رائے سہرہ نے خون کا وہ پیالہ پی لیا اور تھوڑی دیر بعد پیٹ کے درد کا بہانہ بنا کر چیخنے لگا۔ اس کی چیخ و پکار دمبدم بڑھتی گئی۔ آخر شیخ یوسف کے وکیلوں کو طلب کر کے [اس نے] آدھی رات کو ان کے سامنے خون کی قے کی اور تڑپتے ہوئے، [۱۴۹] وصیت کرنے اور الوداع کہنے کے لئے، اس نے اپنے شہر کے باہر ٹھہرے ہوے عزیزوں کو طلب کیا۔ شیخ یوسف کے وکیلوں نے رائے سہرہ کی نازک حالت دیکھی تو اس کے عزیزوں اور ملازموں کے اندر آنے میں کسی قسم کی بھی مداخلت نہ کی۔ جب اس کے بیشتر آدمی قلعہ میں داخل ہوگئے تو حکومت پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے اس نے سر اٹھا کر اپنے معتمد ملازموں کو قلعہ کے چاروں دروازوں کی نگرانی پر مامور کیا تاکہ وہ شیخ یوسف

کے ملازموں کو قلعہ سے وسطی محل کی طرف نہ جانے دیں۔ اس کے بعد شیخ کی، خلوت گاہ میں آکر اور اس پر قابو پا کر اس نے اسے ملک بدر کردیا۔ شیخ دھلی چلا گیا اور رائے سہرہ نے قطب الدین کا لقب اختیار کرکے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

مرزا شاہ حسن کے لانگاھوں کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہونے کا ذکر

سنہ ۹۳۱ھ میں مرزا شاہ حسن ملتان فتح کرنے کے لئے روانہ ھوا۔ سیورائی کے قریب پہونچنے پر اس نے تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا۔ مخالفوں میں سے جو بھی دکھائی دیتا اسے قتل کردیا جاتا۔ سیورائی کے قلعہ میں رھنے والے بیشتر بلوچ یہ خبر سن کر بھاگ گئے، لیکن کچھ نے قلعہ بند ھونا پسند کیا۔ یہ قلعہ سارے قلعوں سے زیادہ مضبوط اور بلند تھا۔ مرزا شاہ حسن نے ایک جھیل کے کنارے آکر منزل کی اور سلطان محمود بکھری نے قلعہ کی طرف یلغار کرکے قلعہ کے آس پاس رھنے والے بلوچوں کی جمعیت سے جنگ چھیڑدی۔ اس دن سلطان محمود خان کے ساتھ صرف اسّی سوار تھے۔ راقم الحروف نے سلطان محمود خان سے سنا ھے کہ جنگ سیورائی کے دن اس کے تلوار سے تیس آدمی قتل ھوئے اور دوسرے بہادروں نے بھی اس جنگ میں اپنے جوھر دکھاتے ھوئے [۱۵۰] دشمنوں کے

دو سو آدمی خاک پر لٹا دیئے - باقی ماندہ بلوچ یہ
حالت دیکھ کر میدان سے بھاگ گئے - صبح کے وقت جب
مرزا شاہ حسن کو یہ خبر ملی تو اس نے مجلس عام میں تو
سلطان محمود خان کو بے حد تحسین و آفرین کی لیکن خلوت
میں بلا کر اسے اپنے ھاتھ سے تین بید مارے اور ملامت کی کہ
ایسی تیز دستی اور لا پرواھی اچھی نہیں ھے - دوسرے دن
وھاں سے منزل اٹھا کر مرزا شاہ حسن سیورائی کے قلعہ کے
متصل خیمہ زن ھوا اور قلعہ کو ویران کرنے کا حکم دیا
چنانچہ وہ قلعہ ایک ھفتہ کے اندر زمین کے برابر کردیا گیا -
اس کے بعد وہ مئو کے قلعہ کی طرف متوجہ ھوا اور مئو کے
قریب جو جھیل ھے اس کے کنارے جا کر منزل انداز ھوا -
وھاں قدوۃالعارفین مرشد الطالبین شیخ روح اللہ ، ولدِ امجد
قطب المحققین و غوث الواصلین شیخ حماد قریشی نے ، کہ جو
مئو کے ایک بزرگ ترین ولی تھے اور جن کا مزار پُر انوار
زیارت گاہِ مخلوق ھے ، مرزا کی ملاقات کا شرف حاصل کر کے
اھل قلعہ کی عاجزی اور پریشانی بیان فرمائی - مرزا نے
مسکین ترخان کو حکم دیا کہ ”کچھ آدمی ساتھ لے کر قلعہ
میں جائے اور وھاں جو ذخیرہ ھے اس کا جا کر معائنہ کرے -
لانگاھوں اور بلوچوں میں سے جو آدمی اندر ھو اسے باھر لائے
اور جو لوگ شیخ حماد کی خانقاہ میں جا کر پناہ لیں انھیں مطلق
تکلیف نہ دی جائے“ - انھوں نے اس جماعت کو چھوڑ کر [کہ جس نے
خانقاہ میں پناہ لی] باقی سپاھیوں کو جو کہ قلعہ میں تھے گرفتار کر کے

مرزا کی خدمت میں حاضر کیا ۔ مرزا شاہ حسن دو تین دن
قلعہ کے باہر ٹھہر کر قلعہ میں گیا اور مشائخ کرام کی زیارت
سے مشرف ہو کر مئو کے پیروں سے اقرار لیا کہ ہمارے جو بھی
آدمی آئیں گے ان سے وہ معترض نہ ہوں گے اور مخالفوں کو اپنے
پاس پناہ نہ دیں گے ۔ اس کے بعد شیخ روح اللہ نے رحمو ڈھر
کی تقصیر معاف کرنے کی درخواست کی ۔ مرزا نے فرمایا کہ
[اس بارے میں] وہ جانے اور سلطان محمود خان جانے کیوں کہ
اس کے دو بھائی انہیں لوگوں کی وجہ سے ضایع ہوئے ہیں [۱۵۱]
آخر کار اس کے حاضر ہونے میں مصلحت جان کر اسے طلب کیا
گیا ۔ وہ تلوار گردن میں حمائل کئے حاضر ہوا ۔ سلطان محمود
خان بکھری نے اس کا قصور معاف کیا ۔ اپنی تقصیر کی معافی
ملنے کے بعد اس نے اپنی بھتیجی کے متعلق درخواست کی کہ
اسے حرم مرا کی کنیزوں میں شامل کیا جائے ۔ یہ عرض بھی
قبول ہوئی اور جام جیون ڈھر کی بہن سلطان محمود خان کے حوالہ
کی گئی ۔ اس کے بعد [مرزا شاہ حسن نے] مئو کے قلعہ سے
محبت تر خان کو ہراول کی حیثیت سے پانچ سو سواروں کے
ساتھ آگے روانہ کیا اور اس کے بعد خود بھی وہاں سے منزل
اٹھا کر لاڑ کی سرحد قریب جا پہونچا ۔ اس منزل پر ملتان کے ایک
بہادر ڈھر بندہ نے آ کر خدمت کا شرف حاصل کیا ۔ [مرزا نے] اسے خلعت
اور انعامات سے نواز کر سلطان محمود کے حوالہ کیا اور وہاں
سے سیدھے اُچ کی طرف روانہ ہوا ۔

اُچ کی منزل پر مرزا شاہ حسن کی لانگاھوں سے جنگ

دوسرے دن صبح کے وقت مرزا شاہ حسن لڑائی کے لئے سوار ھوا اور لشکر کی تیاری کا مکمل بندوبست کیا۔ میمنہ کی سرداری [اس نے] محمد مسکین ترخان اور مرزا عیسیٰ ترخان کے حوالہ کی اور میسرہ پر میر فرخ اور محمود بیگ لار کے عزیز میر علیکم ترخان کو مامور کیا [اسی طرح] مقدمہ پر سلطان محمود خان اور سلطان مقیم بیگ لار کو مقرر کر کے میر فرخ ارغون اور سلطان قلی بیگ لار کو اپنے همراہ قلب میں رکھا اور میر محمود ساربان اور میر ابو مسلم کو طلایہ پر مامور کیا۔ دوسری طرف سے لانگاہ شہزادے ، بلوچ اور ملتان کا دوسرا لشکر مقابلہ پر استادہ ھوا اور ان کی طرف سے ناھر لوگ ہراول کے طور پر آئے۔ اس دن ملتان کا لشکر اس لشکر سے سو گنا تھا۔ جب دونوں بہادر لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو پہلے مغلوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی۔ اس طرف لانگاھوں اور بلوچوں کے لشکر نے تیر کمان ھاتھ میں لے کر تیر برسانے شروع کئے۔ اسی اثناء میں مرزا کے میمنہ نے [۱۵۲] اپنے مخالف لشکر کو مار بھگایا اور میسرہ نے بھی اپنی مقابل کی ایک فوج کا صفایا کر دیا۔ شہزادہ بہلول اور دوسرے بہت سے لوگ گرفتار ھو گئے۔ مرزا نے انھیں قتل کر دینے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد وہ میدان جنگ سے ھٹ کر شہر کے سامنے آئے اور قلعہ کا دروازہ توڑ کر خوفناک جنگ شروع کردی۔ لانگاھوں کا انبوہ

قلعہ پر چڑھ کر پتھر اور تیر برسانے لگا ، چنانچہ ان کے سرداروں
کے سر نیزوں پر بلند کر کے انھیں دکھائے گئے جس پر وہ
قلعہ کے فصیلوں اور برجیوں سے جست لگا لگا کر، جان بچا کر،
فرار ہو گئے۔ حکم کے مطابق آپ کے لوگوں میں سے جو بھی
ان کے ہاتھ آئے وہ انھیں قتل کرتے اور شہر کو لوٹتے رہے۔
یہ حال دیکھ کر سید زین العابدین بخاری ، شیخ ابراہیم ، شیخ
اسماعیل جمالی ، قاضی ابوالخیر اور قاضی عبدالرحمان نے مرزا
شاہ حسن کی خدمت میں آکر حقیقت حال پیش کی۔ مرزا
نے قاصدوں کو حکم فرمایا کہ آج کے بعد لوگوں کو کچھ نہ
کہا جائے ، قیدیوں کو آزاد کیا جائے اور جو لوگ حکم سے
سرتابی کریں ان کے سر نیزوں پر چڑھائے جائیں۔ اس کے بعد
آپ کے قلعہ اور عمارتوں کو مسمار کرنے کا حکم صادر فرمایا
اور ان عمارتوں کی لکڑیاں کشتیوں میں رکھوا کر بکھر لایا۔

مرزا شاہ حسن کے غلبہ کی صدائے باز گشت جب ملتان
کے حاکم سلطان محمود لانگاہ کے کانوں تک پہونچی تو اس
نے بلوچوں ، جتوں ، رندوں ، دودائیوں ، کورائیوں ، چانڈیوں
اور دوسرے سپاہیوں کا لشکر جمع کرنے کے لئے چاروں طرف
قاصد روانہ کئے۔ اس پر ایک ماہ کے اندر اسّی ہزار سوار
اور پیادے ملتان مین جمع ہو گئے اور سلطان محمود لانگاہ بڑے
غرور کے ساتھ ملتان سے نکل کر میدان جنگ کی طرف روانہ
ہوا۔ ادھر مرزا شاہ حسن، سلطان محمود لانگاہ کے لشکر جمع
کرنے کی خبر پا کر گھارہ واہ کے کنارے فروکش ہوا اور اس

کا انتظار کرنے لگا۔ سلطان محمود لانگاہ نے ایک ماہ ملتان کے باہر قیام کر کے بکثرت سامان جنگ [۱۵۳] فراہم کیا اور لشکر کے اچھی طرح مسلح ہوجانے کے بعد ملتان کے باہر سے منزل اٹھا کر روانہ ہوا اور ایک منزل آگے جاتے ہی اس کے دماغ میں نخوت کی ہوا سما گئی۔

بے خبر زانکہ نقشبندِ قضا　　　در پسِ پردہ نقشہا دارد

بے شک اس بے وفا زمانہ کے باغ میں کون ہے کہ جس نے اس دنیا میں گلِ مراد حاصل کیا ہو اور اس کے پائے دل میں نامرادی کے کانٹے نہ لگے ہوں۔ وہ کون ہے کہ جس نے اس دنیا کے عشرت کدہ میں بخت کے شراب کا جام پیا ہو اور نشہ سے اس کے سر میں سودا نہ پیدا نہ ہوا ہو۔ اس قول کی تائید یہاں اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شجاع بخاری نے، کہ جو سلطان حسین لانگاہ کا داماد تھا اور جسے امور ملکی و مالی میں بڑا اقتدار حاصل تھا، کسی موقع پر کنیزوں اور خواص میں سے بعض سے خیانت کی تھی یہ خبر جب سلطان محمود لانگاہ کے علم میں آئی تو وہ سخت غضبناک ہوا جس کے وجہ سے [متعلقہ] لوگوں نے اپنی زندگی کو سلطان محمود لانگاہ کی موت پر منحصر سمجھ کر اپنے سردار کو ہلاک کردینے پر کمر باندھی اور سارے حقوق فراموش کر کے زہر ہلاہل کو، جو کہ اس کے خزانہ میں دوسروں کے لئے رکھا ہوا تھا، اسی پر استعمال کیا جس کا آدھا گھونٹ پیتے ہی وہ ایسا بیہوش ہوا کہ پھر اسے ہوش نہ آیا۔

سلطان محمود لانگاہ کی والدہ جب اس واقعہ سے با خبر ہوئی تو اس نے فرمایا کہ مناسب یہ ھے کہ اس منزل پر قیام کر کےہم لشکر کو آپس میں متفق کر دیں اور یہ حادثہ دو تین دن لشکریوں سے پوشیدہ رکھیں ۔ لیکن یہ راز ظاھر ھوگیا ۔ بلوچوں کی لشکر میں اکثریت تھی اور وہ بگڑ گئے ۔ لانگاھوں نے سلطان محمود لانگاہ کے بیٹے سلطان حسین لانگاہ کو تخت پر بٹھایا اور صلح کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھ کر حضرت مخدوم زادہ شیخ بہاءالدین کو صلح کے لئے اپنے درمیان لائے ۔ اس بزرگ نے گھارہ کے کنارے مرزا شاہ حسن سے ملاقات کی ۔ مرزا شاہ حسن نے شیخ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور صلح کے بارے میں ان کی عرضداشت [۱۵۴] قبول فرمائی ۔ ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ "گھارہ‌واہ" (نہر) ملتان اور بکھر کی ولایتوں کے درمیان بہتی ھے اس وجہ سے آج کے بعد دونوں حکمران ان حدود سے آگے نہ بڑھیں گے ۔ رخصت کے وقت [مرزا شاہ حسن نے] نو گھوڑے ، اونٹوں کی قطار اور نقدی مخدوم صاحب کی خدمت میں پیش کی اور شیخ صاحب راضی ھوکر واپس لوٹ گئے ۔ اس کے بعد نواب مرزا نے سخت تاکید کے ساتھ آچ میں دوسرا قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا جس کی عمارت آج تک موجود ھے ۔ اسی اثناء میں سلطان محمود لانگاہ کے ایک ملازم اقبال خان نے ، مرزا شاہ حسن کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کر کے خیر خواھی کا اظہار کیا ۔ [مرزا نے] اسے کافی توجہ سے سر فراز کر کے اس کی استدعا قبول کی ۔

مرزا شاہ حسن کے تسخیر دلاور کی طرف متوجہ ہونے اور غازی خان کے قتل ہونے کا بیان

جب مرزا شاہ حسن اُچ پر متصرف ہوا تو اقبال خان نے، جو کہ خدمت میں حاضر ہو کر خیر خواہی دکھا چکا تھا، عرض کی کہ "دلاور کے قلعہ میں زبردست خزانے مدفون ہیں اور سلطان کا جمع کیا ہوا سارا خزانہ اسی قلعہ میں محفوظ ہے"۔ چنانچہ غازی خان کی دلجوئی کے لئے ایک فرمان جاری ہوا۔ اس کا مضمون تھا کہ "اُچ کی سر زمین ہماری منزل گاہ ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ تم قلعہ کے سارے باشندوں سمیت اطاعت قبول کر کے بلا تاخیر خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہو"۔ لیکن غازی خان نے لاپرواہی دکھائی اور قلعہ کی مضبوطی پر بھروسہ کرتے ہوئے حاضر نہ ہوا۔ آخر یکم رجب بروز جمعرات صبح کے وقت مرزا نے حکم فرمایا کہ لشکر ظفر ایک ماہ کی رسد، پانی اور غلہ، فراہم کر کے دلاور کی مہم پر مستعد ہو۔ اس کے علاوہ سنبل خان، سواروں خاصخیلیوں، توپچیوں اور پیادوں کو ساتھ لے کر دلاور کے قلعہ کے چاروں طرف خیمہ زن ہو کر مورچے تقسیم کرے اور انتہائی کوشش اور خبرداری کے ساتھ محاصرہ [۱۵۵] اور جنگ شروع کردے۔ در حقیقت وہ ایک ایسا قلعہ تھا کہ جو بلندی اور مضبوطی میں سدّ سکندری کا بدل تھا۔ وہ ایک ایسے بیابان میں واقع تھا کہ جہاں پانی نہ ملنے کی وجہ سے پرندوں کی نگاہیں بھی

ہمیشہ بادلوں کی منتظر رہا کرتی تھیں۔

قصہ کوتاہ، تیز دست کام کرنے والوں نے تین دن میں تین سو کنویں کھود کر لشکر کے لئے وافر مقدار میں پانی مہیا کردیا۔ چوتھے دن مرزا خود بھی وہاں تشریف فرما ہوا اور چاروں طرف سے اس بلند قلعہ کو حصار میں لے کر محاصرہ کے لوازمات ترتیب دیئے اور پھر تیر اور پتھر برسانا شروع کر کے تسخیر قلعہ اور جنگ کے شرائط بجا لانے لگا۔ جب اس حال میں کچھ مدت گذری تو اہل قلعہ کی حالت تنگ ہونے لگی اور انھیں کہیں سے بھی کوئی کمک یا مدد نہ پہونچ سکی۔ محاصرہ کے طول کھینچنے کی وجہ سے اہل قلعہ اس نوبت کو پہونچ گئے کہ انتہائی کوشش کے باوجود انھیں آبلا ہوا چمڑہ بھی میسر نہ ہوتا۔ اسی اثناء میں سنبل خان کے ساتھیوں نے دو طرف سے سرنگ لگا کر قلعہ کے سامنے والی فصیل اور برجی مسمار کردی اور لوگوں نے موت کو سامنے دیکھ کر آگ کی ہانڈیاں اور انگارے پھینکنے شروع کردیئے۔ جب جنگ نے شدت اختیار کی تو بہادروں نے ڈھالوں کو سر پر باندھا اور حملہ کر کے قلعہ کی فصیلوں اور برجیوں پر جاپہونچے۔ آخر کار اہل قلعہ میں سے بیشتر کو قتل اور زخمی کر کے انھوں نے باقیماندہ لوگوں کو قید کرلیا۔ نواب مرزا نے خزانہ اور دفینہ کا شمار کرنے کے لئے معتمد افراد مامور کئے۔ پھر صبح کو کثیر مقدار سونا سپاہیوں میں تقسیم کر کے اس کا خاصہ حصہ خزانہ میں محفوظ کیا۔ وہاں سے وہ پھر آچ

اور بکھر کا ارادہ کرکے پندرھویں دین بکھر واپس پہونچا اور وھاں جشن مسرت منعقد کیا۔

مرزا شاہ حسن کے ملتان جانے اور مسلسل محاصرہ کے بعد اس کے فتح کرنے کا ذکر

سنہ ۹۳۲ھ کے آخر میں سلطان محمود لانگاہ کے فوت ھوجانے کے بعد اس کے عزیزوں اور امیروں کے درمیان عداوت و منازعت پیدا ھوجانے کی وجہ سے [۱۵۲] ھر ایک [امیر] خود سر ھوکر دوسرے کی اطاعت قبول کرنے سے گریز کرنے لگا۔ اس کا کم عمر بیٹا سلطان حسین، شیخ شجاع بخاری اور لانگاہ عورتوں کے ھاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا۔ اس کے ھاتھوں کوئی بھی کام انجام نہ پاتا۔ چنانچہ ملتان میں سخت بدامنی، انتشار اور ظلم و جور کا دور دورہ ھوگیا۔ ان حالات میں امرا، ممتاز افراد اور عوام کسی دوسرے حکمران کے متلاشی ھوئے۔ بالآخر لنگر خان نے میرزا شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ھوکر اسے ملتان کے حالات کی خبر دی اور مرزا کو یہ شہر فتح کرنے پر آمادہ کیا۔ مرزا نے [اس کے لئے] آمادہ ھوکر مسکین ترخان کو بطور قراول آگے روانہ کردیا۔

لانگاھوں نے ارغون لشکر کے آمد کی اطلاع پاکر آپس میں مشورے کئے اور پھر عمدۃ المشائخ شیخ اسماعیل قریشی کو

بطور قاصد بھیج کر صلح کے خواستگار ہوئے۔ حضرت شیخ نے مٹو کے قریب میرزا شاہ حسن سے ملاقات کی۔ نواب مرزا شاہ حسن حتی الامکان شیخ سے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا اور بطور مہمانی کچھ رقم شیخ کے ملازموں کو عنایت کی۔ شیخ نے صلح کی گفتگو چھیڑی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چنانچہ شیخ نے لنگر خان سے کہا کہ ہمیں ٹھٹھہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلا جانے دو۔ اس پر لنگر خان نے مرزا سے عرض کیا کہ "چونکہ شیخ کے اعزہ ٹھٹھہ میں ہیں اس لئے اگر حکم ہو تو وہ ٹھٹھہ روانہ ہو"۔ مرزا نے لنگر خان کی درخواست قبول کرکے شیخ کو سندھ جانے کی اجازت عطا کی اور ٹھٹھہ کے نواح کا ایک مقام بطور خیرات اس کے لئے مقرر کیا۔ اس کے بعد مرزا وہاں سے منزلیں طے کرتا ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ ارغون لشکر کے قریب پہونچ جانے کے بعد لانگاہوں میں ہراس پیدا ہوگیا اور وہ سب ملتان چلے آئے۔ لنگر خان نے مرزا کے لشکر کے ساتھ "بھٹی کہلوان" پر حملہ کیا اور وہاں سے کثیر غلہ، مویشی اور دیگر اشیاء مرزا کے چھاؤنی میں لایا۔ اس کے بعد لشکر ظفر نے محاصرہ اور جنگ [۱۵۷] کا آغاز کردیا۔ اسی اثناء میں والی ملتان نے اپنے ایک بھائی کو، شیخ شجاع بخاری کے بھائی کے ہمراہ، مرزا نواب کی خدمت میں بھیج کر اطاعت اور فرمانبرداری قبول کی۔ مرزا نے ان پر نوازشیں کرکے فرمایا کہ اپنے بھائی سے جا کر کہو کہ وہ قلعہ سے باہر آکر ہم سے ملے اور اطاعت

قبول کرے تاکہ وہ ہر طرح کی مہربانیوں کا سزاوار ہو اور
ہم قلعہ اس کے حوالہ کرکے واپس چلے جائیں۔ اس نے جو کچھ
سنا وہ جا کر قلعہ کے اندر پہونچایا۔ لیکن تکبر کی وجہ سے
لانگاہ ملاقات کے لئے باہر نہ آئے اور ارغون لشکر کے مقابلہ اور
مدافعت کے لئے آمادہ ہوکر جنگ کی آگ بھڑکائی۔ قلعہ کا
دروازہ کھول کر اور ہاتھوں میں تیر اور تلواریں لئے وہ باہر
نکلے اور شدید حملے کرکے انھوں نے بہتوں کو قتل کردیا۔
[اس پر] مرزا شاہ حسن کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس
نے قلعہ کے مشرقی دروازہ "شمس" کے سامنے خیمہ زن ہوکر اور
قلعہ کے چاروں طرف مورچے تقسیم کرکے محاصرہ میں شدت
اختیار کی۔ دونوں جانب سے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور
تیر و تفنگ مینھہ کی طرح برسنے لگے۔ اس طرح روزانہ جنگ
ہوتی رہی۔ آخرکار شہر ملتان میں سخت گرانی اور قحط
نمودار ہوا اور بیل کی سری دس تنکہ(۱) اور ملتانی وزن کا
ایک من غلہ سو تنکوں (۱) میں فروخت ہونے لگا۔ بیشتر لوگ
بیلوں کی کھال اور چمڑے پر گذر کرنے لگے کہ جو کھانے کے
لایق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بلی یا کتا ان کے ہاتھ آجاتا تو
اسے بھی وہ "حلوان" تصور کرکے کھا جاتے۔ "جاڑو ماچھی" کو
شیخ شجاع نے تین ہزار دیہاتی پیادوں پر سردار بنا کر قلعہ
کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ اس بد بخت کو جس گھر میں
بھی اناج ہونے کا شک ہوتا فی‌الفور جا کر اس بیچارے کے

---

(۱) سونے کا ایک خاص سکہ۔

گھر کو لوٹ لیتا۔ اس نامناسب روش سے تنگ آ کر
"نعم الانقلاب و لو علینا" (۱) کے بمصداق لوگ لانگاھوں کی
بادشاھت کا زوال چاھنے لگے اور قتل ھونا قبول کرتے ھوئے
قلعہ کی فصیلوں سے باھر خندقوں میں چھلانگ لگانے لگے۔
مرزا شاہ حسن نے لوگوں کی مجبوریوں سے واقف ھو کر ملتانیوں
کے [۱۵۸] قتل سے ھاتھ اٹھایا۔ غلہ کی قلت کی وجہ سے ملتان
کے امیروں نے لوگوں کو روٹیاں پکانے سے منع کردیا تھا۔ جن
کے پاس کچھ غلہ ھوتا وہ اس کے شوربہ اور لپسی (۲) پر گذر
کرتے۔ اس طرح مصیبت انتہا کو جا پہونچی۔ بالآخر
جب محاصرہ کو ایک سال گذر گیا اور اھل قلعہ آخری سانس
لے رھے تھے تو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۹۳۳ھ کو ارغون بہادروں
نے جانگداز تیروں سے بہتیرے دشمنوں کو خاک و خون میں
ملادیا اور ایک دستہ صبح کے وقت تیروں اور گرزوں کے زور
سے لوھاری دروازہ توڑ کر شہر میں داخل ھوگیا اور جاتے ھی
نہایت بیدردی کے ساتھ قتل و غارت شروع کردیا۔ سات سال
سے لے کر ستر سال تک کی عمر کے لوگوں کو قید کیا گیا
اور ملتانیوں پر قیامت جیسا حادثہ ھو گذرا۔ لوگوں نے جا کر

---

(۱) انقلاب بہتر ھے خواہ وہ ھمارے خلاف ھی کیوں نہ ھو۔

(۲) یہاں اصل متن میں لفظ "غلور" ھے جس کے کوئی بھی معنی نہیں ھیں۔ البتہ لفظ "غلول" ملتاھے۔ جس کے معنی ھیں "بوڑھوں کے کھانے کے لایق نرم غذا"۔ یہاں ، غلور، کو "غلول" فرض کرتے ھوئے اس کے معنی "لپسی" لکھے گئے ھین .

بزرگوں کی خانقاہوں میں پناہ لی۔ لیکن دس بارہ دن شہر میں لوٹ مار کرنے کے بعد محب ترخان کچھ فوج لے کر وہاں بھی جا پہونچا اور [پناہ گزین] لوگوں کو لوٹ کر اور اس مقام کو آگ لگا کر اس نے خانقاہ میں سخت خون ریزی کی۔ اس قتل عام میں لانگاہ اور ملتانیوں کا بیشتر لشکر ختم ہو گیا۔ مغل لشکر کو اس لوٹ میں بے شمار خزانے اور جواہرات ہاتھ لگے۔ اس کے بعد جا کر کہیں مرزا شاہ حسن کا غصہ سرد ہوا اور اس نے رحم فرما کر باقی ماندہ رعایا کو معاف کر کے حکم دیا کہ مقتولوں کو راستہ سے اٹھا کر گڑھوں میں دفن کیا جائے اور کسی سے مزید تعرض نہ کیا جائے۔

مخدوم زادہ شیخ بہاؤالدین، سلطان محمود لانگاہ کے بیٹے، سلطان حسن اور دختر کو لے کر مرزا شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہوے۔ مرزا شاہ حسن نے دونوں [کو مسکین ترخان کے حوالہ کیا۔ مسکین ترخان، سلطان محمود لانگاہ کی دختر کو شرعی قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں لایا اور اس کے بیٹے کو بھی اپنے فرزندی میں لے کر امان میں رکھا۔

پھر دو ماہ وہاں قیام کرنے کے بعد مرزا شاہ حسن بکھر کو واپس ہوا اور [۱۵۹] دوست میر اخور اور خواجہ شمس الدین ماحونی کو دو سو سوار، سو پیادے اور سو توپچی دے کر ملتان کا حاکم مقرر کیا اور شیخ شجاع بخاری اور سلطان محمود کے خاص خیلیوں کو گرفت میں لا کر اور جرمانے عاید کر کے گرانقدر رقمیں وصول کیں۔ اس کے بعد مرزا شاہ حسن ابھی بکھر تک

بھی نہیں پہونچا تھا کہ ٹھٹھہ کے امیروں کی عرضی ملی کہ "کھنگار" ٹھٹھہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ [چنانچہ وہ فی‌الفور] بکھر سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ دوست میر اخور، خواجہ شمس‌الدین اور لنگر خان کو اس نے ملتان میں مامور کیا تھا جو کہ تقریباً ایک سال ملتان میں رہے۔ [اس کے بعد] لنگر خان نے علحٰدہ ہوکر اور جا کر خلد مکانی حضرت بابر بادشاہ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ یہ خبر پا کر سلطان حسین نے [بابر بادشاہ کی خدمت میں] عرضی بھیجی اور ملتان بادشاہ کی نذر کیا جس کے بعد دوست میر اخور اور خواجہ شمس‌الدین بکھر واپس آگئے۔ اس طرف حضرت خلد آشیانی نے [شہر] ملتان مرزا کامران کو عطا کیا۔

کھنگار کی مخالفت اور مرزا شاہ حسن کے جانے کا بیان

اس سے پیشتر بیان ہوچکا ہے کہ مرزا شاہ حسن بکھر پہونچا تو اسے ٹھٹھہ کے امرا کی یہ عرضی ملی کہ کھنگار ولایت ٹھٹھہ کا عزم رکھتا ہے۔ چنانچہ یلغار کرتا ہوا مرزا شاہ‌حسن ٹھٹھہ کی حدود میں آ پہونچا۔ اسی اثنا میں کھنگار کا ایلچی مرزا شاہ حسن کے پاس [یہ پیغام لے کر] پہونچا کہ "آپ نے میرے بھائی امر امرانی کو قتل کیا ہے۔ اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لوگ [میرے] گرد جمع ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ

آپ ملتان فتح کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے اس لئے عزت کا خیال رکھتے ہوئے [غیر حاضری میں] میں اہل و عیال پر حملہ آور نہیں ہوا۔ اب ہم سے صلح کر کے یا تو سندھ کا کچھ علاقہ ہمیں دیا جائے یا پھر ہم سے جنگ کی جائے۔ مرزا شاہ حسن نے جواب دیا کہ "جنگ کے سوا ہمارے پاس دوسری کوئی بات نہیں۔ جس میدان کو ہم نے آمر آمرانی [۱۲۰] کے خون سے رنگین کیا تھا اس میں ہنوز اس کے خون کے اثرات باقی ہیں۔ چنانچہ اب قبل اس کے کہ تم ادھر کا رخ کرو ہم خود آ رہے ہیں"۔

اس کے بعد ٹھٹھہ میں اہل و عیال کی حفاظت کے لئے کچھ آدمی چھوڑ کر مرزا شاہ حسن کھنگار کی فوج کی طرف روانہ ہوا۔ سفر طے کر کے جب وہ "کچھ" کی حدود مین وارد ہوا تو لشکر گاہ میں غلہ کی سخت قلت ہوگئی جس کی وجہ سے لوگ پریشان ہوگئے۔ امرا کے مشورہ سے مرزا کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ چاروں طرف جنگ کے لئے متوجہ ہوا جائے اور جب کسی طرف جنگ چھڑ جائے تو جو لوگ اس کے قریب ہوں وہ خود کو وہاں پہونچائیں۔ اس طرح پہلی فوج کہ جو اس نے غنیم کے مقابلہ کے لئے مامور کی وہ سلطان محمود خان بکھری کی فوج تھی، دوسری فوج امیر فرخ اور شاہ حسن تکدری کی سرکردگی میں اور چوتھی فوج مرزا عیسیٰ اور میر علیکہ کی معیت میں روانہ کی گئی۔

اتفاقاً کھنگار کو خبر ملی کہ مرزا کے ساتھ بڑی قلیل سپاہ ہے۔ [اسے مرزا کی دوسری فوجوں کا علم نہیں تھا]۔ چنانچہ وہ دس ہزار سوار اور بے شمار پیادے لے کر مرزا کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں [اچانک] نقاروں کی آواز سلطان

محمود خان کے کانوں مین پڑی تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا
کہ "مجھے نقاروں کی آواز سنائی دے رہی ہے"۔ سب حیران
رہ گئے کہ اِس بیابان میں نقاروں کی آواز آخر کدھر سے آئی ۔
[لیکن ایک وقفہ کے بعد] پھر ویسی ہی آواز سنائی دی چنانچہ
اس نے کچھ آدمی پہاڑ پر چڑھائے جنھوں نے نیچے آ کر خبر دی
کہ کھنگار عظیم لشکر لئے ہوئے مرزا شاہ حسن کے مقابلہ پر
جا رہا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسوں کے ذریعہ اسے یہ
خبر مل چکی ہے کہ مرزا شاہ حسن قلیل فوج کے ساتھ آیا ہے،
اسے لئے وہ اس موقع کو غنیمت سمجھتا ہے۔ اسے [غالباً]
دوسری تین فوجوں کی خبر نہیں ہے۔ مرزا شاہ حسن نے جب
یہ لشکر دیکھا تو جو بھی تھوڑی بہت فوج اس کے ساتھ تھی
اسے لے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا ۔ اسی اثناء میں سلطان محمود
سرعت کے ساتھ پلٹ کر "کندلان" سے غنیم کے سامنے آیا اور مرزا
کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں انشاءاللہ
انہیں آپ کے پاس پہونچنے نہ دونگا ۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ایک
قاصد میر فرخ کے پاس بھیجا کہ جلد پہنچو۔ ادھر کھنگار نے
صفیں آراستہ کیں اور گھوڑے سے اتر کر پیادہ ہو گیا ۔ اس کے
لشکر نے ڈھالیں ایک دوسرے سے ملا کر [۱۶۱] اور نیزے
ھاتھو میں سنبھال کر چادروں کے پلو ایک دوسرے [کی کمر]
سے باندھ دیئے ۔ سلطان محمود خان نے بھی جنگجو جوانوں
کو حکم دیا کہ نیزوں کے سوا دوسرا کوئی ہتھیار ھاتھ میں
نہ لو ۔ اس طرح دو گھنٹے تک شدید جنگ ہوتی رہی اور

دونوں جانب کی پہلی صفیں پوری طرح جگر فگار نیزوں کا لقمہ بن گئیں ۔ [کھنگار کی] باقی ماندہ فوج بھاگ کر میر فرخ کے سامنے جا پہونچی جسے میر فرخ نے وہیں کا وہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور خود وہیں ٹھیر گیا ۔ صبح کو اس کے لشکر نے دیہات و قصبات کا رخ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور کثیر افراد کو قید کرلیا ۔ بے شمار اونٹ گھوڑے مویشی اور دیگر اسباب فوجیوں کے ہاتھ لگا اور مرزا شاہ حسن فتح حاصل کر کے [تزک و احتشام کے ساتھ] ٹھٹھہ واپس ہوا ۔

حضرت خلد آشیانی محمد همایون بادشاہ کے لشکر مبارک کے گجرات روانہ ہونے اور حکم کے مطابق مرزا شاہ حسن کے اس ولایت کی طرف متوجہ ہونے کا ذکر

سنہ ۹۴۲ھ میں جب حضرت ھمایوں بادشاہ لشکر عظیم کے ساتھ تسخیر چتور کے ارادہ سے دہلی سے روانہ ہو کر اس کے نواح میں خیمہ زن ہوا تو سلطان بہادر گجراتی نے اس کی خدمت میں چتور کے راجہ سے تعرض نہ کرنے کے لئے [ایک] عریضہ پیش کیا ۔ اس میں کچھ سخت جملے بھی استعمال کئے گئے تھے ۔ اس خط سے حضرت بادشاہ کے دل کو [سخت] صدمہ پہونچا ، چنانچہ انھوں نے سلطان محمود بہادر سے جنگ کرنے لئے گجرات کی طرف باگ موڑی اور [بالآخر] منزلیں طے کرتے ہوے وہ گجرات جا پہونچے ۔ ان کا لشکر جس علاقہ سے

گذرتا اسے تاخت و تاراج کرتا اور مخالفوں میں سے جو بھی نظر آتا اسے قتل کرتا چلا جاتا۔ چنانچہ سلطان بہادر بھی خائف ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔

اسی فوج کشی کے موقع پر [ہمایوں بادشاہ نے] مرزا شاہ حسن کے نام [۱۲۲] فرمان بھیجا کہ یک جہتی کا خیال رکھتے ہوئے وہ اس طرف سے گجرات آئے اور پٹن کی حدود میں پہونچ کر عرضی پیش کرے پھر جیسا حکم صادر ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ چنانچہ مرزا شاہ حسن لشکر جرار کے ساتھ نصرپور سے سوار ہو کر رادھن پور کی راہ سے پٹن جا پہونچا۔ خضر خان کہ جو سلطان بہادر کے جانب سے پٹن کے قلعہ پر مامور تھا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ [اس کے آدمی] پٹن کے مویشیوں کو کسی دور دراز علاقہ کی طرف ہنکا لے گئے۔ سلطان محمود خان پانچ سو سوار ساتھ لے کر آگے بڑھا اور بعض قصبوں کو لوٹ کر پٹن سے سات کوس کے فاصلہ پر جا کر منزل انداز ہوا [وہاں سے اس نے ایک طرف] جان علی بیشقراق کو مرزا شاہ حسن کی خدمت میں روانہ کیا اور دوسری طرف جنید اور جونا جاڑیجہ کو پٹن کے قلعہ میں خضر خان کے پاس بھیجا کہ اسے سمجھایا جائے کہ چونکہ مرزا شاہ حسن زبردست فوج کے ساتھ آیا ہوا ہے اس لئے تیرے حق میں مناسب یہی ہے کہ تو اس کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرے اور قلعہ اس کے حوالہ کرکے اپنے اہل و عیال کے ساتھ جس طرف تیرا جی چاہے ادھر چلا جائے"۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ابھی سلطان بہادر کرنال میں سلامت ہے ایسی صورت

میں مجھے قلعہ کو سندھ کے مغلوں کے حوالہ کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ [اس پر] جنید اور جونا ، خضر خان کی والدہ کے پاس گئے اور اسے سلطان محمود خان کا پیغام پہونچا کر کہا کہ "ہمارا یہاں سے بغیر کسی تحفے اور نذرانے کے سلطان محمود خان کے پاس واپس جانا مناسب نہیں ہے"۔ خضر خان کی والدہ نے کہا کہ "پھر تمھاری کیا کہ رائے ہے"؟۔ انھوں نے کہا کہ "اگر ایک لاکھ فیروز شاہی مرزا شاہ حسن کی مہمانی اور تیس ہزار کی رقم سلطان محمود کو پیش کی جائے تو ہم جا کر انھیں یہاں سے کوچ کرجانے پر آمادہ کرلیں گے۔ اس پر [اس نے] ایک لاکھ تیس ہزار فیروز شاہی کی رقم اپنے معتمدوں کے ہاتھ بھیج دی۔ صبح کے وقت مرزا شاہ حسن بھی آکر تال پٹن (۱) پر منزل انداز ہوا۔ سلطان محمود خان نے خدمت میں حاضر ہو کر آگے جانے کی رخصت طلب کی لیکن مرزا شاہ حسن نے فرمایا کہ "پہلے کوئی آدمی حضرت بادشاہ کی [۱۲۳] خدمت میں بھیج کر ہمیں اپنے آنے کی اطلاع دینی چاہئے پھر جدھر حضرت بادشاہ حکم فرمائے ادھر جانا چاہئے"۔ چنانچہ عبدالقدوس کو عرضداشت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اسی اثنا میں خضر خان کے آدمیوں نے بھی آکر تحائف پیش کئے۔ مرزا شاہ حسن پندرہ دن پٹن کے نواح میں مقیم رہا اور سلطان محمود نے محمود آباد تک جا کر گجراتیوں کا مال و متاع لوٹا جس کی وجہ سے کثیر سامان ، کپڑا اور نقدی لشکر کے ہاتھ لگی۔

---

(۱) دوسرے نسخہ میں "نال پٹن" ہے۔

اسی اثنا میں میر فرخ نے میرزا شاہ حسن سے عرض کیا کہ "جب بادشاہ یہ حکم فرمائیے گا، کہ آپ آکر میرے لشکر گاہ میں رہیں، تو آپ کے پاس وہاں جاکر رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور وہاں جانے پر جب ارغون اور ترخان، چغتی امیروں کا سازو سامان دیکھیں گے اور حضرت بادشاہ گجرات کے خزانہ مین سے ہاتھ آنے والا کثیر مقدار سونا اپنے لشکر میں تقسیم کریں گے تو پھر آپ کے پاس کون سپاھی رہ جائے گا؟ بیشتر لوگ [ہم سے] علحٰدہ ہوجائیں گے۔ اس لئے مصلحت اسی میں ھے کہ ہم سندھ واپس لوٹ جائیں"۔ یہ بات مرزا شاہ حسن اور بیشتر امرا کو پسند آئی۔ چنانچہ طے ھوا کہ مرزا قاسم بیگلار کے ھاتھوں حضرت بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی جائے کہ "میں اپنا کل لشکر ساتھ لے کر آیا تھا لیکن اسی وقت مجھے بکھر اور ٹھٹھہ کے امیروں کی جانب سے ایک عریضہ ملا ھے کہ کلمتی، جتوئی اور دوسرے زمیند اروں نے لشکر جمع کر کے ملک میں لوٹ مار اور فساد کا آغاز کردیا ھے، چنانچہ مجبوراً مجھے واپس جانا پڑ رہا ھے"۔ اس کے بعد حضرت بادشاہ کے احمد آباد پہونچے سے بیس دن قبل مرزا شاہ حسن ۹۴۰ھ کی ابتدا مین رادھن پور کی راہ سے ٹھٹھہ روانہ ھوگیا۔ واپسی کے وقت [اس نے] جاڑیجہ اور سوڈھا قبائل کا قتل عام کر کے انھیں خوب تاخت و تاراج کیا۔ [۱۶۴]۔

بادشاہِ والا جاہ خلد آشیانی ہمایون بادشاہ کی سندھ میں آمد اور مرزا شاہ حسن کی مخالفت کا بیان

(دسویں محرم) ۹۴۷ھ کو ہندوستان کے مشرق کی سمت شیر خان افغان نے، کہ جس کا اصل نام فرید خان تھا اور جو کہ حسن خان کا بیٹا تھا، قوت حاصل کرکے بادشاہِ جمجاہ ہمایوں پر فوج کشی کی ۔ طرفین کے مابین دو تین بار چوسا کے گھاٹ پر میدان مقابلہ آراستہ اور قتل و خونریزی کا بازار گرم ہوا جس میں آخر کار [بادشاہ کو] شکست ہوئی ۔ چنانچہ شاہی لشکر [ہزیمت کھا کر] چوسا کے کنارے سے جونپور کی طرف روانہ ہوا اور گھوڑے دوڑاتا ہوا آگرہ آ پہونچا ۔

اس سے پیشتر سنہ ۹۴۶ھ میں مرزا شاہ حسن نے میر علیکہ ارغون کو شہنشاہ ہمایوں کی خدمت میں گجرات اور بنگال کی فتوحات کی مبارکباد دینے کے لئے بھیجا تھا اور ساتھ ہی ساتھ میر خوش محمد ارغون کو بھی مرزا کامران کے پاس قندھار کی فتح اور اغضوار خان کے قتل کی مبارکباد دینے کے لئے روانہ کیا تھا ۔

یہ دونوں بڑے ہوشیار سپاہی اور صاحب الرائے اشخاص تھے ۔ میر علیکہ نے جب بادشاہ عالیجاہ کی خدمت کا شرف حاصل کیا تو بادشاہ کی بے توجہی اور غرور سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ جلد ہی کوئی غیر لشکر سرکشی اور بغاوت کا عزم

کرے گا۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت لئے بغیر ھی میر علیکہ شاھی چھاؤنی سے نکل کر بسرعت تمام میرزا شاہ حسن کے پاس آ پہونچا۔ مرزا اس کی آمد خبر سنکر سخت پریشان اور متفکر ھوا۔ جب میر علیکہ مزرا کی ملاقات سے مشرف ھوا تو اس نے اس سے حالات دریافت کئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے بادشاہ کو سخت مغرور اور امرا و اعیان سلطنت کو [اپنی جانب] سخت بے توجہ محسوس کیا ھے، چنانچہ اپنے ترکانہ (ترکہ میں ملے ھوئے) علم کے حساب سے میں‌نے معلوم کیا ھے کہ جلدھی کوئی باغی غلبہ حاصل کرکے اس کی سلطنت کی بنیادوں میں [۱۲۵] زلزلہ پیدا کردے گا۔ اِسی لئے میں آپ کو خبردار کرنے آیا ھوں۔ چنانچہ میرزا شاہ حسن نے امرا کو جمع کرکے [ان سے] مشوروں کا آغاز کیا ھی تھا کہ اسی اثناء میں [اسے] بادشاہ کے شکست کی خبر ملی۔ اس پر سبھوں نے میر علیکہ کہ فہم و فراست پر تحسین و آفرین کیا۔ اس کے بعد فیصلہ کیا کہ آچ سے بکھر تک دریا کے دونوں کناروں کو ویران کرکے زراعت کو تلف کردینا چاھئے۔ پھر جب شاھی لشکر کے پیہم فرار کی خبریں آنے لگیں تو اس نے "بہرلو" کا چار باغ، جس میں کہ ھر قسم کی عمارتیں اور قلعہ داری کا سامان ذخیرہ تھا، اور بکھر سے لے کر سیوستان تک کے جملہ قصبات و مواضعات اور پرگنے ویران کردیئے۔ انھیں خدشہ تھا کہ چونکہ مرزا کامران اور مرزا عسکری مخالف ھیں۔ اس لئے حضرت بادشاہ ضرور اسی طرف تشریف لائیں گے۔

جب یکم ربیع الاول سنہ ۹۴۷ھ کو حضرت بادشاہ لاہور پہونچے تو وہاں ان کے کُل بھائی اور نامور امرا آکر اکٹھے ہوگئے۔ لیکن ایسی آسمانی تنبیہوں اور تجربوں کے باوجود ان بزرگوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ خیر خواہی پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر ایک دن خواجہ خاوند محمود، میر ابوالبقا، خواجہ عبدالحق اور جملہ اکابرین و اعیانِ مملکت جمع ہوئے اور اتفاق و اتحاد کی یادداشت لکھ کر تیار کی۔ سارے ممتاز اور سر کردہ افراد نے اس دستاویز پر اپنی اپنی شہادت کے دستخط ثبت کئے۔ اس کے بعد جب یہ یاد داشت اختتام کو پہونچی تو مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ لیکن چونکہ دل، زبان کا ساتھ نہ دے سکا اس لئے یہ مجلس ناکامی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ جمادی الآخر سنہ ۹۴۷ھ کے آخر میں شہنشاہ محمد همایوں نے مرزا کامران، مرزا محمد هندال، محمد عسکری مرزا، یادگار ناصر مرزا، محمد زمان مرزا، نورالدین محمد مرزا اور جملہ امرائے عظام اور لشکر ظفر انجام کے ساتھ لاهور کا دریا عبور کیا۔ شیر خان بھی لاهور کے نواح میں آ پہونچا۔ [۱۲۲] افغانوں نے ہر جگہ مغلوں پر دست تعدی دراز کیا اور جہاں بھی وہ نظر آتے ان کے مال اور اهل و عیال کو اپنے تصرف میں لاتے۔ چنانچہ سارے مغلوں نے همایوں کے لشکر میں جمع ہو کر کابل کا ارادہ کیا اور جب وہ دریائے چناب کے قریب پہونچے تو [ان میں سے بیشتر] وہاں سے محمد کامران مرزا، محمد عسکری مرزا، خواجہ خاوند محمود اور خواجہ عبدالحق کے ساتھ بغیر اجازت

حاصل کئے کابل کی طرف چلے گئے۔ مجبوراً بادشاہ نے بھیرہ کی طرف رخ کیا جس کی وجہ سے محمد سلطان مرزا، الغ مرزا اور شاہ مرزا بھی اس سے علحدہ ہوکر مرزا کامران سے جا ملے۔ محمد ھمایوں بادشاہ نے بھائیوں کی یہ کدورت دیکھ کر یکم رجب سنہ ۹۴۷ھ کو سندھ کی طرف باگ موڑی اور شعبان سنہ ۹۴۷ھ میں شاہی لشکر اُچ میں آ پہونچا۔ چونکہ بخشو لانگاہ یہاں سےقریب تھا اس لئے [بادشاہ نے] بیگ محمد بکاول اور کچک بیگ کے ہاتھوں اس کے پاس قیمتی خلعت اور مہربانی کا فرمان بھیج کر اسے "خانجہانی" کے خطاب اور علم و نقارہ سے سرفراز کیا۔ [اس پر] اس نے رسد اور کشتیاں تو بھیج دیں لیکن حاضری کی سعادت حاصل نہ کی۔ وھاں سے یکم رمضان کو شاھی لشکر نے سندھ کی جانب کوچ کیا اور ۲۸ رمضان کو روھڑی میں آکر خیمہ زن ھوگیا۔ بادشاہ بہ نفس نفیس ببر لو کے چار باغ میں آکر فروکش ھوا۔ دوسری کوئی بھی جگہ حسن و لطافت میں اس کی جیسی نہ تھی۔ سلطان محمود خان نے ولایت بکھر [کے نواح] کو ویران کرکے قلعہ داری کا انتظام مضبوط کیا اور اس کنارے سے کشتیاں لے جاکر انہیں قلعہ کے نیچے لنگر انداز کیا۔

جب ھمایوں کا لشکر شہر روھڑی میں آکر منزل انداز ھوا تو سلطان محمود کے نام شاھی فرمان جاری ھوا کہ وہ حاضر ھوکر آستان بوسی کا شرف حاصل کرے اور قلعہ کو بارگاہ کے ملازمین کے حوالہ کرے۔ اس نے عرض کیا کہ میں مرزا شاہ

حسن کا ملازم ہوں۔ جب تک مرزا شاہ حسن [حضور کی] خدمت میں حاضر نہ ہوگا اس وقت تک میرا حاضر ہونا نمک خواری کے دستور کے مطابق بہتر نہ ہوگا۔ مرزا شاہ حسن کی [۱۲۷] اجازت کے بغیر قلعہ حوالہ کردینا میرے لئے [قطعی] مناسب نہیں ہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ عذر قبول کیا۔ پھر چونکہ لشکر میں غلہ کی قلت ہو رہی تھی اس لئے بادشاہ نے میر بازار مہترالشرف کو سلطان محمود خان کے پاس بھیجا جس نے شاہی فوج کے لئے پانچ سو خروار غلہ اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں بھیج دیں۔ اس کی یہ خدمت بے حد پسند کی گئی۔ انھی دنوں بادشاہ نے دو معتمد ملازموں امیر طاہر صدر اور سمندر بیگ کو مرزا شاہ حسن کے پاس ٹھٹھہ روانہ کرکے خط میں عنایات کے وعدے اور فردوس مکانی بابر بادشاہ کے حضور میں اس کا جو رشتۂ اخلاص قائم ہو چکا تھا اس کا واسطہ درج کیا۔ مرزا شاہ حسن نے بادشاہ کے قاصدوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا اور اقرار کیا کہ "جس وقت حضرت بادشاہ تشریف فرما ہوں گے اسوقت فی‌الفور ہالہ کنڈی سے بھٹورہ تک دریا کے اس پار کا علاقہ حرم سرا کے حوالہ کرکے اور عہد و اقرار مستحکم کرکے اس کی ملازمت کے شرف سے مشرف ہوں گا اور اپنے لشکر اور ملازمین سمیت تسخیر گجرات کو اپنا مقصد سمجھتے ہوئے اس ملک کی فتح کے بعد ہی واپس ہوں گا"۔ اسی قرار داد کے مطابق اس نے جناب سیادت مآب شیخ میرک پورانی اور مرزا طائی کو شایانِ شان تحائف دے کر

حضرت بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے بکھر کے نواح میں حضرت کی ملازمت کا شرف حاصل کیا اور مرزا شاہ حسن کے اخلاص و التماس کی حقیقت عرض کرنے کے بعد عرضداشت بھی پیش کی۔ عرضداشت کا مضمون یہ تھا کہ "ولایت بکھر کی پیداوار قلیل ہے اور پرگنہ چاچکان، آبادی، زراعت اور پیداوار کی فراوانی میں ممتاز ہے۔ اس لئے اس طرف روانہ ھوکر اس علاقہ کو زیر تصرف لانا ھی مناسب ھوگا کیونکہ [ایک تو وھاں] شاھی سپاہ کو آرام نصیب ھوگا [دوسرے] میں بھی خدمت کے لئے قریب رھوں گا۔ [۱۲۸] میں اسے اپنی خوش نصیبی پر محمول کرتا ھوں کہ حضور نے اس ملک میں قدم رنجہ فرمایا ھے [انشاءاللہ] رفتہ رفتہ وقت گذرنے اور دل کے خدشات زائل ھونے کے بعد میں خود حاضری کی سعادت سے سرفراز ھوں گا"۔

بادشاہ نے یہ [معروضہ] قبول فرما کر مرزا شاہ حسن کے مدعا کے مطابق پروانہ لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن خلوت میں شاھی امرا اور وزرا نے مرزا شاہ حسن کے خلاف عرض کیا کہ "قصبات و دیہات کا نام لینے [سے آخر اس] کا کیا مطلب ھے؟ اگر وہ خلوص دل سے سرکار کا خیر خواہ ھے تو اسے اپنے قلعے تحفے کے طور پر پیش کرنے چاھیئے تاکہ ھم اپنے اھل و عیال (۱) اور عملہ (۲) کو ان قلعوں میں محفوظ کرکے اپنی پوری توجہ

---

(۱) یہاں اصل فارسی متن میں لفظ "زھزا" ھے اور نسخہ ح میں "رھزاد" ھے۔ صحیح "زھزاد" ھے بمعنی اھل و عیال۔

(۲) اصل فارسی متن میں یہاں پر لفظ "اورغ" ھے جس کے کوئی معنی نہیں البتہ "اوراق" کے معنی ھیں عملہ یا شاھی چھاؤنی۔

گجرات کی تسخیر پر صرف کریں کیونکہ ہمارا غنیم شیر خان پٹھان لاھور میں ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ شاہ حسن کی یہ درخواست ہمیں خیر خواہی اور صداقت سے بعید نظر آتی ہے"۔ چنانچہ حضرت بادشاہ بکھر کے محاصرہ پر متوجہ ہوئے۔

یہ خبر جب مرزا شاہ حسن کو ملی تو اس نے کہا کہ بکھر کی طرف سے مجھے اطمینان ہے کیونکہ حضرت بادشاہ، پرفضا باغ کی اقامت ترک کر کے، خود قلعہ کے محاذ پر نہ آئیں گے اور دوسرے امرا کہ جو محاصرہ پر کمر بستہ ہوں گے وہ اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس کے بعد میر فرخ، سلطان محمود خان، جانی ترخان، دولت خان، پاینده محمد قریش، میر جملہ ارغون اور دیگر معتمد امرا کو قلعہ بکھر کی حفاظت اور نگرانی پر مامور کر کے اور عنانِ اختیار سلطان محمود خان کے ہاتھوں میں دے کر وہ خود سیوستان روانہ ہوا اور وہاں پہونچ کر [اس نے] سیوستان کے قلعہ کو بھی مسمار کر کے ویران کر دیا۔

انھی دنوں ہمایوں کا لشکر ماتھیلہ سے کوچ کر کے ۲۸ رمضان سنہ ۹۴۷ھ جمعرات کے دن کوہ روھڑی کے دامن میں آ کر منزل انداز ہوا۔ [۱۲۹] وہاں جو دھاریجہ اور سفیانی قبائل کے لوگ رہ گئے تھے انھوں نے حاضر ہو کر خدمت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت بادشاہ جمعہ کے دن مدرسۂ مرزائی میں تشریف فرما ہوئے اور دوسرے دن ببرلو کا باغ قیام ہمایوں سے رشک فردوس بنا۔ بادشاہ کو یہ باغ اور اس کی عمارت بے حد

پسند آئی۔ چنانچہ اسؓ نے حرم محترم کو باغ کے اندر ٹھیرا کر مسجد کے قرب و جوار میں شاھی دولت خانہ قائم کیا اور امرا اور ممتاز افراد باغ کے ارد گرد مقیم ھوئے ۔ مرزا یاد گار ناصر روھڑی کے مدرسہ میں تشریف فرما ھوا اور فوج نے بھی روھڑی میں منزل کی۔ روھڑی سے لے کر ببرلو تک تین میل شاھی لشکر کے لوگ خیمہ انداز تھے۔ جیسا کہ معتبر لوگوں سے سنا گیا ھے اس وقت شاھی کیمپ میں تقریباً دو لاکھ آدمی تھے۔ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف فرما ھوکر حضرت بادشاہ نے نماز جمعہ قایم کی جس میں خطبہ نے اس کامیاب بادشاہ کے القاب کی برکت سے تازہ شہرت حاصل کی۔ اسی دن اس مجلس میں ایک شاعر نے یہ قصیدہ بادشاہ کی نظر اشرف میں گذارا اور اس کے وسیلہ بہترین انعام کا سزاوار ھوا :۔

تا ھمایوں نام او را سکہ بر دل نقش کرد
مہر از مہرش دھانِ سکہ پُر زر می کند
منبری کز خطبۂ القابِ او زینت گرفت
مشتری گوھر نثارِ فرق منبر می کند

اسی سال شاھی لشکر کے ورود اور دیگر واقعات و حادثات کے ظہور پذیر ھونے کی وجہ سے بکھر کے غلہ و اناج [کے ذخیروں] کو شدید نقصان پھونچا ۔ چنانچہ مذکورہ سال کے موسم سرما میں بکھر کے نواح اور مضافات میں ایسا شدید قحط پڑا کہ لوگ روٹی اور کپڑا میسر نہ ھونے کے وجہ سے موت کا شکار ھونے لگے ۔ ھر چند کہ اس حال سے باخبر ھوکر بادشاہ نے سپاھیوں میں کثیر سونا تقسیم کیا ۔ لیکن غلہ کی گرانی اس

حد کو پہونچ چکی تھی کہ روٹی کا ایک پرت [۱۷۰] ایک مثقال [وزن کے سونے] میں فروخت ہونے لگا تھا۔ آخر حضرت بادشاہ نے مرزا ہندال کو پاتر (۱) کی جانب متعین کر کے خود اس باغ میں پانچ چھ ماہ قیام کیا۔ [اس خیال سے کہ] ممکن ہے مرزا شاہ حسن حاضر ہونے کی توفیق پا کر خدمت میں مروت کا دستور بجا لائے اور اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کرے۔ لیکن امیروں اور ارغونوں نے مرزا شاہ حسن کو [اس کا] موقع نہ دیا اور [اسے] سیدھی راہ سے مکر اور حیلہ کی راہ پر لگادیا۔ چنانچہ اس نے مخالفت اور فریب ہی کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہوئے منازعت کی راہ اختیار کی۔

بادشاہ بکھر کے نواح سے دربیلہ تشریف لے گیا اور چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد پاتر میں جا کر منزل انداز ہوا۔ انھی دنوں اس نے مرزا ہندال کے قریبی عزیز شیخ علی اکبر کی بیٹی بلقیس مکانی حمیدہ بانو سے نکاح کیا۔ کچھ عرصہ بعد جب لشکر میں [اموات سے] تعفن پیدا ہوا تو وہاں سے کوچ کر کے پھر بکھر کے طرف متوجہ ہوا لیکن [اس عرصہ میں] غلہ نہ ہونے کی وجہ سے لشکر تباہ حال ہوچکا تھا۔ [اسی اثنا میں] قراچہ خان کی تحریک پر، جو کہ مرزاؤں کی جانب سے قندھار کا حاکم تھا، مرزا ہندال [بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر] قندھار کی طرف چلا گیا۔ [ساتھ ہی ساتھ اس نے] یادگار ناصر مرزا کو بھی ابھارا کہ ہم راستہ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں اس لئے آپ خود کو فوراً ہم تک پہونچائیے۔ [یہ اطلاع پا کر] ۱۸- جمادی الاول سنہ ۹۴۸ھ کو بدھ کے دن بادشاہ، میر ابوالبقا کی منزل گاہ پر

---

(۱) سندھی ترجمہ میں یہاں "پاٹ" ہے.

تشریف فرما ہوا اور بزرگانہ صحبت کے بعد نہایت عزت و احترام
کے ساتھ میر کو ایلچی بنا کر یادگار ناصر مرزا کے پاس روانہ
کیا تاکہ وہ نصیحت فرما کر اسے غلط راستہ سے راہ راست پر لائے۔
میر ابوالبقا نے یادگار ناصر مرزا سے ملاقات کرکے اسے نئے سرے
سے شاہی اطاعت کے سلسلہ میں داخل کیا۔ [وہاں سے] ۱۹-
تاریخ بروز جمرات یہ کام انجام دے کر میر ابوالبقا واپس ہو
رہا تھا کہ بکھر کے قلعہ والوں نے اس کی روانگی سے باخبر
ہوکر دولت شاہی اور برغدائی قبائل کے [۱۷۱] لوگوں میں
سے بعض کو کشتی پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے
مزاحم ہوکر تیر برسائے جس سے میر ابوالبقا کو کاری زخم لگے
اور دوسرے ہی دن وہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو کوچ
کر گیا۔ دوسرے بدھ کو یادگار ناصر مرزا نے دریا پار کرکے
ملازمت کی سعادت حاصل کی۔ اسی دوران [بادشاہ نے]
مرزا شاہ حسن کے ایلچیوں شیخ میرک پورانی اور میرزا قاسم کو
رخصت دے کر پروانہ بھیجا جس پر اپنے دست اقدس سے تحریر
کیا کہ "سلاموں کے بعد شاہ حسن بیگ کو [آگاہ کیا جاتا ھے کہ]
اس کا معروضہ قبول کیا جائے گا بشرطیکہ وہ عقیدت مندی کے
ساتھ خدمت میں حاضر ہو۔ والسلام"۔

[اس پر] کتنے ہی دنوں تک مرزا شاہ حسن حاضر ہونے کا خیال
کرتا رہا لیکن چونکہ ارغون امرا اس بارے میں اس سے متفق نہ
ہوتے تھے اس لئے تذبذب کی وجہ سے حاضر ہونے میں تاخیر
کرتا رہا۔ بالآخر یکم جمادی الاول سنہ ۹۴۸ھ کو بادشاہ نے سیوستان
پر فوج کشی کی اور ولایت بکھر [کی مہم] یادگار ناصر مرزا

کے سپرد کی۔ جب اس کا لشکر سیوستان کے قریب پہونچ
گیا اور منعم خان کا بھائی فضل بیگ اور شاہم خان کا بھائی
ترسون بیگ دوسرے تقریبا بیس آدمیوں کے ساتھ کشتی میں
سوار ہو کر آگے جانے لگے تو قلعہ سے ایک گروہ نے نکل کر
ان پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا۔ ان سب نے [یہ دیکھ کر
اور] کشتی سے باہر آکر اہل قلعہ پر یورش کی جس پر وہ
بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔ ۱۷- رجب سنہ ۹۴۸ھ کو
محمد ہمایون بادشاہ نے قلعہ کے باہر آکر منزل کی۔ بادشاہ
کی آمد سے پیشتر ہی قلعہ کے محافظوں، میر سلطان علی بیگ،
میر شاہ محمود ارغون، میر محمود ساربان، علی محمد کوکلتاش
اور میر صفر ارغون [وغیرہ] نے قلعہ کے چاروں جانب کے باغات
اور عمارتوں کو برباد کردیا تھا۔ بادشاہ نے آکر اہل قلعہ
کو محصور کرلیا۔ [۱۷۲] جب اہل قلعہ پر محاصرے کی سختی ہوئی
تو مرزا شاہ حسن بھی ٹھٹھہ سے "سن" آیا اور خندقیں کھود کر
اور کشتیاں جمع کرکے موقعہ کا انتظار کرنے لگا [ساتھ ہی ساتھ
اس نے] میر علیکہ ارغون کو سیوستان روانہ کیا۔ میر علیکہ کچھ
لشکر لے کر رات کو شاہی چھاؤنی سے ہوتا ہوا سیدھا بازار سے قلعہ
میں جا پہونچا۔ اس کے قلعہ میں پہونچ جانے کے بعد ہی
شاہی لشکرگاہ کے لوگوں پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ مرزا شاہ حسن
کے آدمی تھے اس سے پیشتر کسی کو مطلق خبر نہ ہوئی۔
آخر حضرت خلد آشیانی نے سرنگ لگانے کا حکم فرمایا [چنانچہ
سرنگ لگانے کے بعد [قلعہ کے] بُرج کا ایک حصہ اُڑ گیا لیکن

اهل قلعہ نے فوراً ہی دوسری دیوار کھڑی کردی ۔ [اس پر]
حضرت جنت آشیانی نے محسوس کیا کہ ارغونوں کا انتظام مضبوط
ہے اور ہمارے پاس تسخیر قلعہ کے [ضروری] آلات و اسلحہ جات موجود
نہیں ہیں۔ پھر ایک طرف توسیوستان کے محاصرہ کے سات ماہ گذرتے
ہی مخالف ہوا اور پانی کے سیلاب کی مصیبت نازل ہوئی
اور دوسری طرف مرزا شاہ حسن نے بھی رسد کی آمد و رفت کے راستے
مسدود کردیئے ۔ [چنانچہ] محاصرہ کے طول کھینچنے ،
دریا میں طغیانی آنے اور لشکر گاہ میں اناج کی قلت ہونے کی
وجہ سے اکثر سپاہی فرار ہونے لگے اور ممتاز افراد میں سے میر
طاہر صدر، خواجہ غیاث الدین جامی اور مولانا عبدالباقی ذکری
وغیرہ مرزا شاہ حسن کے پاس چلے گئے ۔ مرزا نے انہیں نہایت
عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھٹھہ روانہ کیا ۔ میر برک ، مرزا حسن
اور قاسم حسین ، سلطان میرزا یادگار ناصر کی طرف روانہ ہو گئے ۔
اسی اثناء میں بادشاہ کو بھی یہ خبر مل گئی کہ لوگ مرزا [یادگار
ناصر] کو بہکا کر قندھار لئے جا رہے ہیں ۔

مرزا یادگار ناصر جب بکھر کے نواح میں تھا تو بکھر
کے قلعہ کے لوگوں نے دو مرتبہ باہر نکل کر اچانک یادگار ناصر
مرزا پر حملے کئے تھے اور محمد قلی قابوچی ، شیر دل بیگ
اور بہت سے دوسرے آدمیوں کو قتل اور زخمی کردیا تھا ۔
یہ حملے کوک ترخان ، محمود خان کے بھائی امیر بیگ ،
دوست محمد ، ہندو علی کابلی اور جوہر، کی سرکردگی میں
ہوئے تھے ۔ تیسری مرتبہ بھی اہل قلعہ نے باہر آکر روہڑی کے
کنارے ریت پر بڑی بہادرانہ جنگ کی تھی لیکن اس بار مرزا نے

خود سوار ہو کر شدید حملے کئے تھے جس کی وجہ سے [۱۷۳] اہل قلعہ پسپا ہو گئے تھے، ان میں سے کچھ نے گھبراہٹ میں دریا میں چھلانگیں لگائی تھیں اور کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئے تھے۔ انھی دنوں مرزا شاہ حسن نے یادگار ناصر مرزا کے پاس امیر قلی مہردار کو بھیج کر دوستی کا سلسلہ استوار کرنے کی تحریک کی اور کہلا بھیجا کہ "چونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا کوئی فرزند نہیں ہے اس لئے میں اپنی بیٹی کو آپ سے منسوب کرتا ہوں اور چونکہ میری زندگی کے اب تھوڑے ہی دن باقی ہیں اس لئے یہ ملک کہ جس کا مجھ سے تعلق ہے آپ ہی کی ملکیت ہوگا۔ [اس کے علاوہ] میں آپ کو کثیر خزانہ بھی دوں گا اور گجرات کا ملک بھی ساتھ ہی ملکر فتح کیا جائے گا"۔ اس طرح مرزا شاہ حسن کے وعدوں کے فریب میں مبتلا ہو کر یادگار ناصر مرزا، محمد ہمایوں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔

اس طرف لشکر کی تنگ دستی دیکھ کر بادشاہ مسلسل مرزا یادگار ناصر کے پاس لوگوں کو بھیج کر آنے کی ترغیب دیتا رہا اور مرزا مذکور عذر پیش کرتا اور تاخیر کرتا رہا۔ [بالآخر] جب بادشاہ کو یادگار ناصر مرزا کی مخالفت کی خبر ملی تو یہ خبر سنتے ہی وہ سیوستان کے نواح سے کوچ کر کے بکھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں قنبر بیگ ارغون سیوستان کے طرف بھاگ گیا اور کچھ دوسرے لوگ بھی بیوفائی کی راہ اختیار کر کے لشکر سے الگ ہو گئے اور بادشاہ جا کر روہڑی میں منزل انداز ہوا۔ آخر کار یادگار مرزا بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور اس کے پاس جو بھی تھوڑا بہت غلہ تھا وہ اس
نے شاہی ملازموں کے حوالہ کیا۔ غلہ کی نایابی سے لوگ
سخت مصیبت میں مبتلا تھے چنانچہ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے
اپنے خاص عملہ کے لوگوں کو سلطان محمود خان کے پاس
روانہ کیا۔ سلطان محمود نے استقبال کر کے تردی بیگ بکاول
اور دیگر خدمتگاروں کو خلعتیں عطا کیں اور ہر ایک کو کچھ
نقدی اور اناج دے کر رخصت کیا۔ شاہی افراد کے جانے کے بعد
سلطان محمود [خان] نے مرزا [شاہ حسن] کے امیروں کو دیوان خانہ
میں جمع کر کے [ان سے بادشاہ کے] اناج طلب کرنے کی حقیقت ظاہر
کی۔ سب نے کچھ نہ کچھ کہا۔ لیکن سلطان محمود خان نے
سو خروار غلہ شاہی حرم سرا کے لئے بھیج دیا۔ [اس کے بعد] شاہی
لشکر [۱۷۴] غلہ کی قلت اور تنگ دستی کی وجہ سے سندھ کے
شہروں میں پھیل گیا اور ہر گروہ نے کسی نہ کسی طرف کا
رخ کیا۔ [اس افراتفری میں] بہت سے لوگ ضایع ہو گئے۔ دو
تین بار طرفین میں جنگ بھی ہوئی جس میں شاہی فوج کے
لوگ غالب رہے لیکن چونکہ ان کے پاس تسخیر قلعہ کے آلات
نہ تھے اس لئے قلعہ کی مہم میں [البتہ] تاخیر ہوتی رہی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمتوں اور خاص مصلحتوں
کے مطابق ہر ناکامی کی اوٹ میں کامیابی کے کتنے ہی
اسباب مہیّا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب بادشاہ کے ارادہ کے مطابق
ولایت سندھ میں اس کی مراد پوری نہ ہوئی اور تجربہ کی
کسوٹی پر لوگوں کی نالائقی ظاہر ہوئی اور پھر جب

وہ لشکر کی بیوفائی، بھائیوں کی بزدلی اور بیوقوفی نیز زمانہ کی نا موافقت کا مشاہدہ کر چکا تو اُس نے دنیا کے رشتے منقطع کر کے راہِ الٰہی کے سالکوں کی وادی میں قدم رکھنے اور کعبہ شریف کی چوکھٹ سے وابستہ ہو کر حجاز کی مقدس سر زمین میں سکونت اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر دربار کے ملازمین اور مقربین نے عرض کیا کہ حضور کی خاطرِ اشرف میں بیشک یہ بڑا بہتر اور پسندیدہ خیال آیا ہے لیکن لوگوں کی بے سرو سامانی اور پریشانی بھی حضرت کے علم میں ہے۔ ایک بڑی جمعیت ہم رکاب ہے اگر حضرت بادشاہ یہ راہ اختیار کریں گے تو یہ سارے لوگ حادثوں میں پامال ہوجائیں گے اور اس تنگدستی کی حالت میں حجاز مبارک تک پہونچنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ چنانچہ مصلحت اس میں ہے کہ کچھ دن مزید توقف کیا جائے۔ اس پر حضرت بادشاہ نے لوگوں کی عسرت دیکھ کر کسی دوسری طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اسی اثناء میں جودھپور کے راجہ مالدیو کی عرضداشت پیش ہوئی کہ "میں غائبانہ طور پر حضور کی ملازمت قبول کرتے ہوئے حضور کی با برکت آمد کا منتظر ہوں۔ اگر لشکر ھمایونی اس طرف آ کر [اس خطہ کو] مشرف کرے گا تو یہ بندہ بیس ہزار راجپوتوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہو کر جس طرف بھی فوج کشی کا حکم ہوا دل و جان سے حکم بجا لائے گا"۔ [۱۷۵]

اس کی عرضی وصول ہونے کے بعد حضرت بادشاہ ۲۱ محرم

سنہ ۹۴۹ھ کو اچ کی طرف روانہ ہوئے اور مسلسل منزلیں
طے کرتے ہوے شہر اچ میں جا پہونچے۔ وہاں سے پھر
۸ ربیع الاول سنہ ۹۴۹ھ کو مالدیو کی طرف باگ پھیری اور
۱۴ ربیع الاول کو دلاور کے قلعہ میں منزل انداز ہوئے۔
۲۰ ربیع الآخر کو بادشاہی منزل بیکانیر کے میدان میں ہوئی۔
[یہاں] کچھہ لوگ بیکانیر سے ہوکر شاہی چھاؤنی میں واپس
لوٹ آئے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہم نے بیکانیر کے لوگوں
سے ایسی کوئی بات نہیں سنی کہ جو ادب کے لائق ہو۔ اس
پر حضرت محمد همایوں بادشاہ نے سمندر بیگ کو، جو بڑا دانا
تھا، مالدیو کے پاس بھیجا۔ اس نے بھی جلد ہی آکر عرض
کیا کہ ہر چند کہ مالدیو بڑا خلوص ظاہر کر رہا ہے لیکن
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صداقت کا پرتو بھی نہیں ہے۔
چونکہ شاہی لشکر پھلودی سے، جو کہ مالدیو کے پایہ تخت
جودھپور سے تیس کوس کے فاصلہ پر ہے، دو تین منزلیں آگے
بڑھکر دریائے کول کے ساحل پر منزل انداز تھا اس لئے بادشاہ
نے وہاں سے جاسوس بھیجے۔ انھوں نے آکر مالدیو کی غداری
سے با خبر کیا کہ مالدیو نے شیر شاہ کا غلبہ دیکھہ کر اور اس
کے فریب آمیز وعدوں میں آکر شاہی فوج کی راہ روکنے اور
مزاحمت کرنے کے لئے لشکر متعین کیا ہے۔ بادشاہ نے یہ خبر
سنی تو بیحد پریشان ہوا اور اپنے ملازموں سے مشورہ کرنے لگا۔
سارے امیروں کی یہ رائے ہوئی کہ جودھپور سے واپس لوٹ جانا
چاہئے۔ چنانچہ بادشاہ پھلودی واپس آگیا۔ وہاں سے پھر ساتلمیر

آیا اور مالدیو کے لوگوں کو دفع کرنے کے لئے اسرا مامور کئے۔ اسی اثناء میں دوسری سمت سے غنیم کی فوج ظاہر ہوئی۔ بادشاہ نے بہ نفس نفیس سوار ہو کر تھوڑی سے فوج کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور انتہائی شجاعت کے ساتھ اسے نیست و نابود کر کے سرعت کے ساتھ جیسلمیر روانہ ہو گیا۔ [۱۷۶]

یکم جمادی الاول سنہ ۹۴۹ھ کو وہ جیسلمیر پہونچ گیا۔ اس منزل پر پیچھے رہ جانے والے لوگ بھی آملے لیکن بیشتر لوگ ضایع ہوگئے۔ [یہاں] سون کرن جیسلمیری نے [ان پر] دریائے کول کا پانی بند کردیا اور گھاٹ کی نگرانی کے لئے اپنے آدمی مقرر کردیئے تاکہ شاہی لشکر، جو کہ پیاس کی تکلیفیں جھیلتا اور بیابانوں کی مسافتیں طے کرتا ہوا اس ویران مقام پر آکر ٹھہرا ہے، پانی نہ ملنے کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو۔ [لیکن شاہی لشکر کے] کچھ امیروں اور سپاہیوں نے جنگ کر کے سون کرن کے آدمیوں کو وہاں سے ہٹادیا اور دریا کے کنارے قیام کر کے پیاس کی شدت سے نجات حاصل کی۔ وہاں سے پھر وہ عمر کوٹ کو روانہ ہوئے اور بھوک و پیاس کی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے بالآخر ۱۰ جمادی الاول سنہ ۹۴۹ھ کو عمر کوٹ پہونچ گئے۔

رانا بیرسال نے اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر نکل کر استقبال کیا اور شاہی رکاب بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد [ان کے لئے] قلعہ کے درمیانی حصہ کو خالی کرادیا۔ بادشاہ کچھ دنوں قلعہ عمر کوٹ کے باہر تشریف فرما رہا۔ اس کے بعد آخر کار

بلقیس مکانی حمیدہ بانو بیگم کو قلعہ کے اندر بھیج دیا جہاں بزرگی کے افق سے ستارۂ اقبال طلوع ہوا اور ۵- رجب سنہ ۹۴۹ھ کو اتوار کی شب حضرت ظل الٰہی شاھنشاہ جلال‌الدین محمد اکبر خلداللہ ملکہٗ، و سلطانہ تولد ہوئے۔ محمد همایوں بادشاہ اس فرزند ارجمند کی ولادت سے بیحد خوش ہوے۔

مرزا یادگار ناصر، مرزا شاہ حسن کے وعدوں پر اعتماد کرکے اوائل محرم سنہ ۹۴۹ھ میں شاھی لشکر سے علحدہ ھوکر شہر سکھر کی طرف چلاگیا جو کہ قندھار کی سمت ھے۔ لیکن چونکہ یہ وعدے محض فریب تھے اس لئے ان میں سے ایک بھی پورا نہ ھوا۔ مرزا یادگار ناصر نے کچھ توپیں اور قلعہ شکن آلات کہ جو اس کے ساتھ تھے مرزا شاہ حسن کے قلعہ میں رھنے والے امرا کے پاس بھیج دیئے۔ ساتھ ھی ساتھ [اس نے] بادشاہ کے دوسرے خیر خواہ سپہ سالاروں [یعنی] ھالی اور عمر شاہ کو بھی قلعہ میں بھیج دیا۔ [۱۷۷].

ھمایوں بادشاہ کی اُچ کی طرف روانگی کی اطلاع پاتے ھی مرزا شاہ حسن سرعت کےساتھ بکھر آیا۔ یہاں امیروں نے اس کا استقبال کیا۔ ۲۴- محرم سنہ ۹۴۹ھ کو شاہ حسن قلعہ بکھر میں آکر منزل انداز ھوا اور سلطان محمود پر [سخت] عتاب کیا کہ اس نے اس کے غلہ کا ذخیرہ [بادشاہ ھمایوں کو دے کر] کیوں ضایع کیا۔ اس کے بعد اس نے درویش محمد

انبار دار (۱) کو سلطان محمود کے گھر کے سامنے پھانسی پر لٹکایا اور ھالی و عمر شاہ سپہ سالاروں کی ، سکھر کے وسطی دروازہ کے قریب ، کھال کھنچوائی - ھمایوں بادشاہ کے روانہ ہونے کے بعد جو لوگ کہ روھڑی میں رہ گئے تھے [اس کے خوف سے وہ بھی] ادھر آدھر چلے گئے - مرزا شاہ حسن ربیع الآخر کے اوائل میں سیوستان گیا اور وہاں کے قلعہ کی کی مرمت کرا کے کچھ دنوں "سن" میں رہا - اس کے بعد ھمایوں بادشاہ کے واپس ہونے کی خبر سن کر تیزی کے ساتھ ٹھٹھہ روانہ ہوگیا -

چونکہ عمرکوٹ شاہی لشکر کا بوجھ برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتا تھا اس لئے امرا نے مجبوراً سندھ کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور کچھ ھی عرصہ میں موضع جون میں جا پہونچے - چونکہ یہ خطہ دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا اور باغات اور نہروں کی کثرت اور میوؤں اور پھلوں کی لطافت کے اعتبار سے سارے سندھ میں ممتاز تھا ، اس کے علاوہ کچھ دوسری مصلحتیں بھی پیش نظر تھیں ، اس لئے سب نے کچھ دنوں قصبہ جون کے باغات میں قیام کرنے پر اتفاق کیا - [یہاں] مرزا شاہ حسن بھی اپنی فوج کے ساتھ آکر دریا کے دوسرے کنارے پر سامنے خیمہ زن ہوگیا -

کچھ دنون بعد [لوگوں نے] بادشاہ کی خدمت مین عرض کی کہ بٹھورہ میں غلہ اور دیگر ضروریات زندگی سے بھرپور

---

(۱) انباردار = غلہ کی نگرانی کرنے والا ، داروغہ رسد .

ایک چھوٹاسا قلعہ ہے جو کہ تھوڑی ہی توجہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ اس پر بادشاہ نے شیخ علی بیگ جلائر اور اسن تیمور سلطان کو اس مہم پر مامور کیا ۔ دوسری طرف مرزا شاہ حسن نے بھی [اس امر سے] واقف ہو کر مرزا عیسی ترخان کو مقرر کیا ۔ مرزا عیسی اس تقرری کے منظور کرنے میں [۱۷۸] کچھ تامل ظاہر کرنے لگا ۔ چونکہ لوگوں نے مرزا عیسی پر بادشاہ کی خیر خواہی کی تہمت رکھی تھی اس لئے مرزا شاہ حسن نے بھی مرزا عیسی کو بھیجنے پر زور نہیں دیا اور [اس کے بجائے] سلطان محمود خان کو بلا کر ، جو کہ کافی عرصہ سے گوشہ گمنامی و بے التفاتی میں ملول بیٹا تھا ، تشفی دے کر اس مہم پر مامور کیا اور ملا بہلول اور دوسرے لشکر کی مدد کے لئے ، کہ جو اس چھوٹے سے قلعہ میں تھا ، روانہ کیا ۔ [وہاں] جون کے گرد و نواح میں ، ارغونی اور شاہی لشکر کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں اور مرزا شاہ حسن قصبہ جون کے سامنے برّی اور بحری فوج لئے ہوئے مقابلہ کرتا رہا ۔ ایک دن اسن تیمور سلطان ، شیخ علی بیگ ، تردی خان ایک فوج کے ساتھ [مذکورہ] غلہ سے بھرے ہوئے چھوٹے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے ۔ [اسی اثناء میں] باخبر ہو کر سلطان محمود خان نے ، جو کہ ایک لشکر جرار کے ساتھ اس قلعہ کے قریب منزل انداز تھا ، لنڈ میندھرا اور ساکرہ قبائل کی معیت میں صبح کے وقت اچانک ان پر یورش کر دی ۔ تردی بیگ خان نے جنگ میں غفلت ظاہر کی ، البتہ شیخ علی بیگ اپنی

اولاد سمیت استقلال کے ساتھ ڈٹا رہا اور آخرکار اسی جنگ کے میدان میں قتل ہو گیا۔ شیخ علی بھی [اسی جنگ میں] تاج الدین لادی کے ساتھ سخت زخمی ہو کر عالم جاودانی کو رحلت کر گیا اور اس کے علاوہ بہادوں کی ایک اور جماعت بھی اس جنگ میں کام آئی اور شاہ حسن کی فوج کے بھی کچھ لوگ قتل ہو گئے۔ اس واقعہ سے بادشاہ کا دل سخت ملول ہوا ساتھ ہی کچھ دوسرے اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے کہ سندھ سے دل برداشتہ ہو کر اس نے قندھار جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

انھی دنوں ۷۔ محرم الحرام سنہ ۹۵۰ھ کو بیرم خان گجرات سے تنہا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ کے زخمی دل پر مرہم رکھ کر صلح کی گفت و شنید کا آغاز کیا۔ مرزا شاہ حسن نے بھی یہ موقع غنیمت جان کر اور راضی ہو کر لاکھ گنیاں نقد اور دیگر سامان سفر تیار کر کے تین سو گھوڑے اور تین سو اونٹ خدمت میں بھیجے [۱۷۹] اور جون کے سامنے پل تعمیر کرادیا۔ بادشاہ نے پل کی تعمیر اور صلح کی تاریخ "صراط المستقیم" سے اخذ کی جو کہ سنہ ۹۵۰ھ ہے۔ ارغون بھی، جو کہ شاہی لشکر کے سندھ میں دو تین سال قیام کرنے کی وجہ سے تنگ آگئے تھے، صلح ہوجانے کے وجہ سے خوشی سے آسمان پر چھلانگیں لگانے لگے اور انھوں نے اس بات کو عین مقصد اور نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے طرح طرح کی معذرت کے ساتھ اسباب سفر مہیّا کر کے بھیج دیا۔ بادشاہ نے ۷۔ ربیع الآخر سنہ ۹۵۰ھ کو موضع جون سے پل کو عبور کیا اور باقی لشکر

بھی دو دن میں اس پر سے گذر گر ماہ مذکور کی ۹ تاریخ کو
قندھار روانہ ہو گیا ۔

بخشو لانگاہ کے بکھر میں آنے کا ذکر

بخشو لانگاہ نے ملتان کے نواح میں موضع جون پور کے
سامنے [ایک نیا] قلعہ تعمیر کرایا اور ملتان کو ویران کر کے
[وہاں کے] لوگوں کو اس قلعہ میں لا کر آباد کیا ۔ اس کے
بعد وہ ایک زبردست جمعیت اکٹھی کر کے دل میں فاسد منصوبے
بنانے لگا ۔ لانگاہ ، بلوچ ، ناھر قبائل اور سارے فسادی لوگ
اس کے گرد آ کر جمع ہوگئے ۔ چنانچہ تسخیر بکھر کا عزم
مصمم کر کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ ہمیشہ
جاسوس اور دیگر آدمی [ادھر] بھیجتا رہا ۔ آخر کار [ایک عرصہ
بعد] متواتر خبروں کے ذریعے اسے معلوم ہوا کہ بکھر کا قلعہ خالی
ہے ۔ مرزا شاہ حسن ٹھٹھ میں ہے اور اس کے لشکر کے جملہ امرا
وہاں جا کر اکٹھے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ یہ خبر سنتے ہی اس نے لشکر
منظم کر کے اور کشتیاں فراہم کر کے یلغار کردی ۔ پچاس کشتیوں
کو اس نے اپنی روانگی سے پہلے متعین کر کے [اس کے سواروں
کو] حکم دیا کہ تم تیزی کے ساتھ جا کر آدھی رات کو
قلعہ کے گرد پہونچ جاؤ اور جاتے ہی فصیلوں اور بُرجوں پر چڑھ
جاؤ اور ساتھ ہی ساتھ ایک سو تبر بردار سپاہی قلعہ کا دروازہ
توڑ کر آمدورفت کا راستہ کھولدیں ۔ چنانچہ ۱۵ جمادی الثانی
جمعہ کو آدھی رات کے وقت غوغا بلند کر کے بخشو کے آدمیوں نے

قلعہ کے سکھر کی طرف والے دروازہ کو آگ لگادی۔ یہ شور و غوغا سن کر شہر کے لوگ جاگ اٹھے اور فصیلوں اور بُرجوں [۱۸۰] پر چڑھ کر پتھر اور تیر پھینکنے لگے۔ چونکہ وہاں سپاہی بہت کم تھے اس لئے سلطان محمود خان کی والدہ فی‌الفور قلعہ کے دروازہ کے اوپر پہونچ گئی اور [لوگوں نے اس کی ھدایت کے مطابق] کثیر مقدار میں سرکیاں اور بوریاں اکٹھی کرکے اور انھیں مٹی کے تیل میں بھگوکر اور اوپر سے آگ لگا کر بخشو کے آدمیوں پر پھینکنا شروع کیا۔ چنانچہ بخشو کے آدمی اپنے درمیان میں آگ کے انبار لگ جانے کی وجہ سے پریشان ھوکر کشتیوں کی طرف بھاگ کھڑے ھوئے۔ اسی اثناء میں میر جانی ترخان، حمزہ بیگ اور قاضی قاضن کے فرزند قاضی عیسیٰ نے باھر نکل کر ان پر شدید حملے کئے جس کی وجہ سے حملہ آوروں میں سے کچھ تو آگ میں جل مرے کچھ دریا میں غرق ھوگئے اور باقی ماندہ بھاگ گئے۔ دوسرے دن بخشو لانگاہ دوپہر کے وقت نقاروں کی گونج کے ساتھ نمودار ھوا۔ وہ سمجھ رھا تھا کہ اس کے آدمیوں نے آتے ھی قلعہ فتح کرلیا ھوگا۔ لیکن وہ جوں ھی قلعہ کے نزدیک پہونچا تو اھل قلعہ نے اس پر توپیں سر کرنا شروع کردیں۔ اب اسے معلوم ھوا کہ اس کے آدمی کچھ نہیں کرسکے چنانچہ وہ روھڑی کی طرف ھٹ گیا اور تین دن روھڑی میں رہ کر گرد و نواح کو تاخت و تاراج کرکے واپس لوٹ گیا۔

یہ خبر جب مرزا شاہ حسن کو پہونچی تو اس نے میر شاہ محمود ارغون کو بکھر کی نگرانی پر مامور کر کے قاضی قاضن کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ واقعہ جمعرات ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۹۵۰ھ کا ہے۔

میرزا کامران کی آمد کا ذکر

سنہ ۹۵۰ھ کی ابتدا میں جب حضرت خلد آشیانی اپنے بھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے تو مرزا کامران نے شیخ عبدالوهاب پورانی، میر اللہ دوست اور بابا چوچک کو بطور قاصد مرزا شاہ حسن کے پاس بھیج کر اس کی بیٹی کے رشتے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا شاہ حسن نے مرزا کامران کا مطالبہ قبول کر کے شیخ کو رخصت دی۔ اس کے بعد جب حضرت خلد آشیانی عراق سے واپس ہو کر قندھار پہونچے اور مرزا عسکری قندھار میں محصور ہو کر [۱۸۱] عاجز ہوا اور حضرت فردوس مکانی نے کابل پر فوج کشی کی تو مرزا کامران بھی جنگ کے لئے مقابلہ پر آگیا۔ لیکن اس کے امرا [عین موقع پر] اس کی صفوں سے نکل کر حضرت جنت آشیانی کی خدمت میں جا پہونچے جس کی وجہ سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر مرزا کامران میدان سے بھاگ نکلا اور ہزارہ کی راہ سے سندھ چلا آیا۔ مرزا شاہ حسن کو یہ خبر ملی تو اس نے پاتر(۱) میں مرزا کے لئے ٹھیرنے کا انتظام کیا اور درویش محمد دولت خان کو مرزا کامران کی خدمت میں بھیج دیا۔ مرزا اپنے آدمیوں

(۱) سندھی ترجمہ میں اس مقام کا نام ہر جگہ "پاٹ" مرقوم ہے۔

کے ساتھ پاتر میں تشریف فرما ہوا اور شادی کی تحریک کی۔ مرزا شاہ حسن نے اس کام کی انجام دہی کے لئے میر فرخ ارغون کو پاتر روانہ کیا اور پھر مرزا شاہ حسن کی پاکدامن بیٹی کا مرزا کامران سے عقد کردیا گیا۔ شادی کے بعد تین ماہ تک وہاں قیام کرکے مرزا کابل واپس ہوا۔ مرزا شاہ حسن نے ایک ہزار مکمل سلاح بند سوار مرزا کی خدمت کے لئے مامور کئے اور مرزا کے ضعف اور نقصان کا ازالہ کرکے اسے رخصت دی۔

مرزا کامران غزنین پہونچا اور پھر وہاں کا قلعہ فتح کرکے تسخیرِ کابل کی طرف متوجہ ہوکر اچانک کابل کے قلعہ میں داخل ہوگیا۔ بادشاہ ہمایوں اس وقت بدخشاں میں تشریف فرما تھا۔ چھ ماہ بعد مرزا شاہ حسن کے سوار [کابل سے] واپس چلے گئے اور ادھر بادشاہ بدخشاں سے لشکر جرار لے کر کابل کی طرف متوجہ ہوا اور آکر کابل کا محاصرہ کرلیا۔ مرزا کامران اس محاصرہ سے تنگ آکر ہندوستان چلا گیا اور وہاں اسلام شاہ افغان سے ملاقات کرکے اس سے مدد کا طالب ہوا۔ لیکن اسلام شاہ، مرزا کو گرفتار کرنے کے پیچھے پڑگیا جس کی کی وجہ سے مرزا کامران نے بھاگ کر "گھکر" قبائل کے لوگوں کے پاس پناہ لی۔ گھکروں نے کچھ عرصہ مرزا کی حفاظت کی لیکن جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا کامران دل میں خیالاتِ فاسد رکھتا ہے تو اس نے کسی بہانہ سے مرزا پر قابو پاکر اسے اندھا کروا دیا۔

مرزا کامران سنہ ۹۵۷ھ میں دوسری بار بکھر واپس آیا۔ مرزا شاہ حسن نے مرزا کامران کو پہلے کچھ عرصہ [۱۸۲] "سادہ بیلہ" کی پہاڑی پر ٹھہرایا، کہ جو بکھر کے مغرب میں اور دریا کے وسط میں واقع ہے، اس کے بعد بٹھورہ کا پرگنہ مرزا کے باورچی خانہ کے اخراجات کے لئے اور فتح باغ اس کی رہائش کے لئے مخصوص کردیا۔

[کچھ عرصہ] وہاں رہنے کے بعد مرزا کامران نے حج کا قصد کیا اور چوچک بیگم نے بھی مرزا کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی لیکن مرزا شاہ حسن نے بیٹی کو اجازت دینے سے سختی کے ساتھ انکار کردیا۔ بالآخر چوچک بیگم باپ کی اجازت کے بغیر چلی جانے کے لئے کشتی میں جا بیٹھی اور تنہا مرزا کامران کے پاس پہونچنے کا ارادہ کیا۔ اس پر سلطان محمود مہردار اور بعض دوسرے محرم اسے واپس لینے کے لئے جا پہونچے۔ خود مرزا شاہ حسن نے بھی آکر کشتی میں بیٹی کی منت سماجت کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چوچک بیگم نے عرض کیا کہ جب بادشاہ آنکھوں والا تھا تو آپ نے مجھے اس کے حوالہ کیا تھا۔ [اب اگر آج مین اس کا ساتھ چھوڑدوں گی تو] دنیا والے مجھے کیا کہیں گے؟ [یہی نا کہ] مرزا کی بیٹی نے شوھر کی اطاعت سے انکار کردیا [کیا اس طرح لوگ] مجھے بدنام نہ کریں گے؟ مرزا شاہ حسن کو یہ بات پسند آئی اور مجبور ھوکر اس نے کثیر سامان و اسباب کے ساتھ اسے رخصت دےدی۔ مرزا کامران اور بیگم، حرمین

شریفین جا کر دو تین سال مکہ معظمہ میں رہے۔ آخر حج کے دن عرفات میں قیام کرنے کے بعد اور سورج غروب ہونے سے قبل مرزا کامران کا آفتابِ حیات غروب ہو گیا اور پھر مرزا کی وفات کے ساتویں مہینے چوچک بیگم بھی عالمِ جاودانی کو رحلت کر گئی۔ یہ واقعات سنہ ۹۶۴ھ میں پیش آئے۔

ارغونوں کی بغاوت اور مرزا شاہ حسن کی وفات کا ذکر

اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب مرزا شاہ حسن فالج میں مبتلا ہوا تو اوباش اور رذیل لوگ اس کے محرمِ راز اور خدمتگارانِ خاص بن بیٹھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ارغون، ترخان اور دوسرے سارے مخلص لوگ ملازمت سے محروم ہو کر اپنے اپنے گھروں میں رہنے لگے اور اوباش روز بروز ترقی پا کر مغلوں پر دست تعدی دراز کرنے لگے۔ [۱۸۳]

سنہ ۹۶۰ھ کے اوائل میں ٹھٹھ کی نوابی، عربی گاھی کے حوالہ ہوئی اور رعایا کے کاروبار کا انتظام اسماعیل بیتارہ کے سپرد ہوا۔ ان تقررات سے لوگ مایوس اور غمگین ہو گئے اور کتنی ھی مدت اس پر ٹھٹھہ میں حیرت و تعجب کرتے رہے حتٰی کہ عربی گاھی کے بیٹے ارغونوں اور ترخانوں پر ظلم اور مصیبتیں ڈھانے لگے۔ انھی ایام میں انھوں نے ایک حاملہ ارغون عورت کے پیٹ پر لات مار کر اس کا حمل گرا دیا۔

ارغونوں نے یہ واقعہ مرزا شاہ حسن کے گوش گذار کیا لیکن مرزا نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ مگر جب انہوں نے بار بار فریاد کی تو مجبوراً مرزا شاہ حسن نے ٹھٹھہ کے شیخ الاسلام شیخ میرک پورانی کو خط لکھا کہ شریعت کے مطابق تحقیقات کرنے اور جرم ثابت ہونے پر جو سزا مقرر ہو وہ جاری کی جائے۔ اس کے بعد مرزا، نصرت آباد کے قلعہ کو اپنے دو زر خرید اور معتمد غلاموں، شنبہ اور رفیق کی نگرانی میں دے کر خود بکھر روانہ ہوگیا۔ سفر طے کرنے کے بعد وہ مذکورہ سال کی یکم ذوالحج کو ببرلو کے باغ میں تشریف فرما ہوا اور ۳۵ دن وہاں مقیم رہا۔ پھر ۷۔ ماہ محرم سنہ ۹۶۱ھ کو بکھر کے قلعہ میں آیا اور صبح سے سہ پہر تک دیوان خانہ میں جلوہ افروز رہا۔

دوسری طرف ارغون اور ترخان ان رذیل لوگوں کے تسلط سے عاجز آچکے تھے، کہ جو مرزا کی خدمت کے لئے مخصوص ہوچکے تھے، اور انہیں فنا کر دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آتا تھا ۔ چنانچہ سارے امیر، بکھر کے حاکم میر شاہ محمود بیگلار قیام گاہ پر جمع ہوئے۔ وہاں معاملہ کے برے اور بھلے پہلو سامنے رکھ کر اور مرزا کے ملازموں اور خاصخیلیوں کی شکایت کرتے ہوئے انہوں نے کھلم کھلا ظاہر کیا کہ یا تو ہمیں جلا وطن ہو جانا چاہئے اور یا پھر ان لوگوں کو دفن کردینا چاہئے ۔ بالفعل بہتر تو یہ نظر آتا ہے کہ چونکہ مرزا شاہ حسن فالج میں گرفتار ہے اور سواری کی طاقت نہ ہونے کے وجہ سے محافہ میں [۱۸۴] چلتا پھرتا ہے اور

اسے قلعہ میں رکھ کر ہم نے اپنے فرزندوں کو اس کی خدمت پر مامور کردیا ہے اس لئے جو بھی نا پسندیدہ لوگ اس کے گرد آکر جمع ہوئے ہیں ان سب کو قتل کر ڈالیں ۔ میر جانی ترخان نے، کہ جو سب میں ممتاز تھا، کہا کہ میرزا شاہ حسن اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی مانند ہے اس لئے آخر وقت میں خود کو بدنام کرنا مناسب نظر نہیں آتا ۔ جب اس تک وقت تم تحمل سے کام لیتے آئے ہو تو مزید ایک دو سال اور تکلیف کے کاٹ دو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے ۔ اس پر ایلقلی دیوانہ اور بعض دوسرے امرا اس مجلس سے آٹھ کر یہ کہتے ہوتے روانہ ہوئے کہ ہم ابھی جا کر دیوان خانہ کے دروازہ پر ملازموں کو قتل اور زخمی کر کے مرزا کو اندر نظر بند کئے دیتے ہیں ۔ لیکن ان لوگوں کے وہاں پہونچنے سے پیشتر ہی مرزا شاہ حسن دیوان خانہ سے نکل کر کشتی کے ذریعہ باغ کی طرف روانہ ہوچکا تھا ۔ اس کے دو تین دن بعد [مرزا] وہاں سے ٹھٹھہ روانہ ہو گیا ۔

[اس کے چلے جانے کے بعد] بکھر کے حاکم میر شاہ محمد ارغون کے دل میں سرکشی کا خیال پیدا ہوا اور وہ بلوچ اور بڑدی قبائل کے لوگوں کو اکٹھا کرنے لگا ۔ اسی اثناء میں سلطان محمود خان کی والدہ نے، جو کہ ایک دانا عورت تھی، اس کے بغاوت کے ارادہ سے واقف ہو کر میر ملک محمد اور اس کے بھائی میر لطفی کے پاس، جو کہ اباوڑی اور ماتھیلہ میں، تھر، آدمی روانہ کئے [جس پر] وہ فوراً بکھر پہونچ گئے

اور مہر علی اور دیگر مغل بھی وہاں آکر جمع ہوگئے ۔ لیکن میر محمود شاہ کے ہم رکاب افسروں اور دیگر لوگوں نے انھیں سخت ڈرایا دھمکایا ۔ چنانچہ وہاں سے واپس ہوکر اور ہر گروہ نے الگ الگ راہ سے مرزا شاہ حسن کے پاس پہونچ کر اسے صورت حال سے آگاہ کیا ۔ مرزا شاہ حسن نے فی الفور حمزہ بیگ ، درویش محمد اور شیر محمد کو بکھر روانہ کیا اور میر حمید بن میر محمود ساربان کو ایک پروانہ دے کر شاہ محمود کے پاس بھیجا کہ ''ہم نے تجھے یاد کیا ھے خط ملتے ھی خدمت میں حاضر ہو"۔ [۱۸۵]

بالآخر میرشاہ محمود ، جانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر، میر حمید کے ساتھ مرزا کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا اور موضع "سن" کے قریب ملازمت کا شرف حاصل کرکے طرح طرح کی نوازشوں سے سرفراز ہوا ۔

سلطان محمود خان ان دنوں سیوی میں تھا ۔ جب اسے شاہ محمود کی سرکشی کی اطلاع ملی تو اس نے یلغار کرتے ہوئے بکھر جا پہونچنے کا ارادہ کیا کیونکہ اس کی والدہ اور دیگر اعزہ بکھر ھی میں مقیم تھے ۔ لیکن وہ ابھی سیوی سے دو تین منزلیں آگے نکل کر گنجابہ کے قریب ھی پہونچا تھا کہ اس کے ملازم اسے راستہ میں ملے اور اسے اس کی والدہ کا خط دیا ۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ "شاہ محمود نے دل میں فاسد خیالات کو جگہ دی تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کرسکے اس کا بندوبست کرلیا گیا ھے اور اب وہ مرزا کے

خدمت میں ھے ، تم اس طرف سے اطمینان رکھتے ھوئے اپنے ضروری کاموں کی انجام دھی میں مشغول رھو۔ اس پر سلطان محمود خان نے وھاں سے واپس ھوجانے کا ارادہ کیا۔ جب امرا کو سلطان محمود خان کے واپس ھونے کی خبر ھوئی تو انھوں نے آکر [اس سے] دریافت کیا کہ واپسی کا کیا سبب ھے؟۔ جواب میں اس نے اپنی والدہ کا خط انھیں دکھایا ۔ انھوں نے کہا کہ بکھر کی حکومت آپ کو مبارک ھو ، آپ کو وھاں پہونچ کر اس بارے میں بات چیت کرنی چاھئے ۔ سلطان محمود نے کہا کہ اجازت طلبی کے بغیر وھاں جانا مناسب نہیں ھے لیکن انھوں نے کہا کہ حالات کے پیش نظر ھمیں فوراً بکھر کے قلعہ میں پہونچ جانا چاھئے ۔ اگر شاہ محمود قلعہ کے اندر ھوتا تو داخل ھونا بے شک مشکل ھوتا لیکن اب ھمیں جلد قلعہ میں پہونچ کر مرزا شاہ حسن کے پاس عرضداشت بھیجنی چاھئے کہ ھم نے یہ خبر سنی ھے اس کے لئے کیا حکم ھوتا ھے ؟"۔

[اس تجویز کے مطابق] جس دن سلطان محمود خان بکھر پہونچا اس سے چند دنوں پہلے ھی بکھر کی حکومت کا پروانہ میر ملک محمد اور میر لطفی کے نام صادر ھو چکا تھا ۔ [۱۸۲]

اس فرمان کے پہونچنے پر سلطان محمود خان کو سخت پیچ و تاب ھوا یہاں تک کہ اس کے دست جاری ھوگئے اور وہ اسہال دموی کے مرض میں مبتلا ھوگیا ۔ پھر جب میر ملک محمد اور میر لطفی ، کہ جو حکومت میں [باھم] حصہ دار تھے ،

[آپس میں بکھر کی] حکومت تقسیم کرنے لگے تو سلطان محمود خان نے غیرت سے مجبور ہو کر دو آدمی ان کے پاس بھیجے کہ "میں قلعہ کے باھر [موجود] ہوں [خبردار] مجھے نہ بھلا دینا"۔ یہ سنتے ھی میر ملک محمد نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ قلعہ کی چابیاں سلطان محمود خان کے آدمیوں کے حوالہ کردو۔ اس موقع پر میر لطفی نے بہتیرا کہا کہ ھمیں سبکی نہ ظاہر کرنی چاھئے اور حکم کا تابعدار رھنا چاھئے لیکن میر ملک محمد دانا شخص تھا اس نے میر لطفی کے کہنے پر توجہ نہ دی اور کنجیاں بھیج دیں۔

ماہ محرم الحرام سنہ ۹۶۲ھ کی یکم تاریخ کو شہر ٹھٹھہ میں ارغون اور ترخان امرا نے متفق ھو کر مرزا عیسیٰ ترخان کی بیعت اور اطاعت قبول کی اور مرزا شاہ حسن سے منہ موڑ کر باغی ھو گئے۔ انھوں نے مرزا شاہ حسن کے مقربوں، عربی گاھی، شنبہ اور رفیق کو قتل کر کے مرزا شاہ حسن کی حرم ماہ بیگم کو قید کرلیا اور خزانہ پر دستِ تصرف دراز کر کے لشکر میں کثیر سونا تقسیم کیا۔

مرزا شاہ حسن نے ٹھٹھہ کی حکومت پر میر شاہ محمود کو مامور کیا تھا لیکن چونکہ اس کے وھاں روانہ ھونے سے پیشتر ھی لوگ عیسیٰ ترخان کے تابع ھو چکے تھے اور سبھوں نے اس کی ملازمت میں زانو تہ کئے تھے اس لئے مجبوراً میر شاہ محمود بھی سرِ اطاعت خم کر کے اس کے ملازموں اور فرمانبرداروں کے سلسلہ میں داخل ھو گیا اور اتفاق و اتحاد کو شعار بنایا۔ یہ خبر معلوم ھونے پر مرزا شاہ حسن سخت غضبناک ھوا اور فوراً

اس نے سلطان محمود خان کے پاس آدمی بھیجے کہ بکھر میں جو بھی ارغون اور ترخان موجود ہوں ان سب کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ [۱۸۷]

مرزا ان دنوں فالج کے مرض میں گرفتار تھا اور اکثر اوقات دماغ کو شراب کی حرارت سے گرم رکھتا تھا اور نشہ میں چور رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے خاص خیلیوں نے موقع پا کر شرارت اور چغلی کی زبان کھول کر اسے بتایا کہ "ارغونوں نے نمک حرامی کر کے خاص خیلیوں کے ایک گروہ کو جو کہ ساری زندگی [حضور کی] خدمت گذاری کی شرط بجا لاتا رہا ہے، بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کر ڈالا ہے لہٰذا حکومت کے بندوبست اور سیاست کی رعایت کے پیش نظر حکم فرمائیے کہ بعض نمک حراموں کو قصاص میں قتل میں کیا جائے اور فی الحال احمد ولی کو، جو کہ فتنہ اور فساد کی جڑ ہے اور اس وقت شاہی چھاؤنی میں موجود ہے، قید کیا جائے"۔ یہ استدعا قبول کرنے کے لئے انہوں نے بڑی منت و زاری کی [چنانچہ] مرزا شاہ حسن نے احمد ولی کو قید کر کے مستی ساربان کی نگرانی میں قلعہ سیوستان بھیج دیا اور احمد ولی کے عزیز علی حسین ارغون کو قتل کر کے اس کے سر کو نیزہ پر بلند کر کے سارے لشکر میں پھرایا۔ یہ خبر پھیلتے ہی ارغونوں کی بغاوت [کی آگ] دس گنی بھڑک اٹھی۔

مرزا شاہ حسن نے جب سرکشی اور بغاوت میں ارغونوں کی جرأت دیکھی تو بکھر کی حکومت کا پروانہ سلطان محمود خان

کے نام جاری کر کے بکھر میں رہنے والے ارغونوں اور ترخانوں کو قتل کر دینے کا حکم جاری فرمایا۔ سلطان محمود خان یہ فرمان لے کر اپنی والدہ کے پاس گیا اور اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کی والدہ نے کہا کہ بکھر کی حکومت تجھے مبارک ہو مگر خبردار! ان لوگوں کے قتل کرنے میں ہرگز عجلت نہ کرنا البتہ انھیں گرفتار کر کے مرزا کے پاس بھیج دے تا کہ پھر جو مرزا کی رائے ہو اسی کے مطابق عمل کرے۔ سلطان محمود خان، میر جانی ترخان، احمد ترخان حمزہ بیگ اور مراد حسین بیگلار کو بکھر میں رہنے والے دوسرے [ارغون] گروہ کے ساتھ، قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ البتہ اس نے یادگار محمد کوتوال کو، جو کہ میر شاہ محمود کو مخالفت کے لئے بھڑکاتا تھا، قتل کر ڈالا اور قاضی قاضن کی اولاد اور دوسرے مرزاؤں، کو جو کہ قلعہ میں تھے، [۱۸۸] قلعہ کے باہر بھیج دیا اور قلعہ کو اپنی والدہ اور اپنے آدمیوں کے حوالہ کر کے وہاں سے تیزی کے ساتھ مرزا کی خدمت میں روانہ ہوا۔ ابھی وہ بکھر سے دو ہی منزل آگے پہونچا تھا کہ اسے سید جعفر، مشہد سے آتے ہوئے ملے اور روضہ رضویہ کے نقیبوں نے نقاروں کا جو ایک جوڑا سلطان محمود خان کے لئے بھیجا تھا وہ انھوں نے اس کے حوالہ کیا۔ یہ نیک شگون پا کر سلطان محمود خان بے حد خوش ہوا اور اس سے بادشاہت کی فال لے کر سادات کو وافر مقدار میں سونا انعام دیا۔ اس کے بعد وہ ۱۲ جوڑ نقارے اور نو جوڑ طبل ساتھ لے کر منزلیں طے کرتا روانہ ہوا اور اسی سال ۲۲ محرم الحرام

کو مرزا شاہ حسن کی ملازمت کا شرف حاصل کر کے اپنا لشکر اس کے ملاحظہ سے گذارا۔ فی الواقعہ اس نے ایک اچھا لشکر آراستہ کیا تھا۔ مرزا نے خوش ہو کر جنگ کے خیال سے ٹھٹھہ کا قصد کیا۔

[مرزا کے] موضع "ساپاہ" (۱) پہونچنے پر طرفین کے لشکر میں باہم مڈبھیڑ ہو گئی۔ دو تین بار [فریقین میں] جنگ اور مقابلہ ہوا جس میں دونوں جانب کے کثیر آدمی تلف اور برباد ہوئے۔ پھر جب دونوں جانب سے جنگ کی آگ تیزی سے بھڑکنے لگی تو مرزا عیسیٰ ترخان نے خفیہ طور پر سلطان محمود خان کے پاس قاصد بھیجا کہ "ہم نے لاچار ہو کر یہ ملامت کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے۔ آخر اس جنگ کا مقصد کیا ہے کہ جس میں روزانہ کثیر آدمی قتل ہو رہے ہیں؟ بہتر یہ ہوگا کہ ہم آپس میں ملاقات کر کے اپنی برائی بھلائی پر غور کریں"۔ چنانچہ آدھی رات کو انھوں نے آپس میں ملاقات کر کے ایک دوسرے کو ترغیب دینی شروع کی اور طویل گفتگو کے بعد اس نتیجے پر پہونچے کہ مرزا شاہ حسن چند دن کا مہمان ہے اس لئے صلح کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اس وقت ہمارے تمہارے درمیان کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں ہے چنانچہ جو بھی طے ہو اس کے مطابق اس ملک کی حکومت کا فیصلہ کر کے اس سے گریز نہ کریں۔

صبح کے وقت اس ملاقات کی خبر مشہور ہونے سے پہلے

---

(۱) نسخہ ر میں "سابارہ" ہے۔

امیر سلطان اور امیر ابوالخیر وغیرہ نے سوڈھا قبائل وغیرہ کا انبوہ لے کر "پیرار" کے گھاٹ پر [۱۸۹] محمد بیگ ککو اور ایلغی دیوانہ کے ساتھیوں سے، جو کہ طلایہ پر تھے، شدید جنگ کی جس میں مرزا عیسیٰ کی طرف کے کثیر آدمی قتل ہو گئے۔ ان مقتولوں کے سر جب مرزا شاہ حسن کی نظر سے گذرے تو اتفاقاً ان میں کچھ سر مغلوں کے بھی شامل تھے جنھیں دیکھ کر بے اختیار مرزا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ حال دیکھ کر سلطان محمود خان آگے بڑھا اور دوازنو ہو کر عرض کی کہ جب اس طرف کا کوئی آدمی قتل ہوتا ہے تب بھی حضور پرنم ہوتے ہیں اور جب دوسری طرف کا کوئی آدمی قتل ہوتا ہے تب بھی حضور اشکبار ہوتے ہیں۔ آخر ہم کریں تو کیا کریں ؟۔ اسی اثناء میں شیخ عبدالوہاب اور مرزا قاسم بیگ بیچ میں پڑ کر مرزا عیسیٰ ترخان کی خطاؤں اور تقصیروں کی معافی طلب کرنے لگے۔ سلطان محمود خان، میر شاہ محمود اور میر شاہ حسین تکدری نے بھی موقع دیکھ کر عرض کیا کہ ارغونوں نے مرزا کے غلاموں کے حق میں جو بے ادبی کی ہے اس پر میرزا عیسیٰ شرمندہ اور پشیمان ہے۔ اگر اس کی خطائیں معاف فرما کر قید کئے ہوئے ترخانوں کو آزاد فرمائیں تو مہربانیوں کا امیدوار ہو کر وہ خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرے گا۔ مرزا نے یہ عرض قبول کی اور مرزا عیسیٰ نے ماہ بیگم کو مرزا کے خاصخیلیوں سمیت رخصت دے کر لشکر میں پہونچا دیا۔ یہ واقعہ مذکورہ سال ماہ صفر کے آخیر

میں پیش آیا -

ماہ ربیع الاول کی یکم تاریخ کو شیخ عبدالوہاب اور مرزا قاسم نے ترخانوں کا قصور معاف کرا کے انہیں ٹھٹھ روانہ کیا - اسی مہینہ کی دوسری تاریخ کو مرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود خان کی ملاقات ہوئی اور دونوں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر عہد و اقرار کیا کہ وہ آپس میں انتہائی اتفاق سے رہیں گے، اختلاف ونفاق سے دامن بچائیں گے اور جب تک مرزا شاہ حسن زندہ رہے گا تب تک اس کے مطیع و فرمانبردار رہتے ہوئے کوئی بھی فساد یا سرکشی نہ کریں گے - البتہ جب مرزا شاہ حسن [۱۹۰] اپنی طبعی موت سے اس جہان فانی کو چھوڑ کر دارالبقا کی جانب رحلت کر جائے گا تو ہم آپس میں ولایتِ سندھ نصف نصف تقسیم کرلیں گے- لکی سے اوپر کا حصہ سلطان محمود خان سے متعلق ہوگا اور لکی کی پہاڑیوں کے اس طرف کا علاقہ مرزا عیسیٰ کے قبضہ میں رہے گا - اس فیصلہ کا اقرار و اعتراف کر کے یادداشت کی طور پر ایک دستاویز لکھ کر اس پر دونوں نے اور دیگر سربراہوں نے اپنی مہریں ثبت کیں اور ایک دوسرے سے دوبارہ بغلگیر ہو کر رخصت ہوگئے- یہ بھی فیصلہ ہوا کہ دونوں طرف سے آدمیوں کی آمد و رفت قائم رہے گی تاکہ کدورت اور رنجش کا ازالہ ہوجائے-

دوسرے دن مرزا قاسم بیگ ٹھٹھہ جاکر مرزا عیسیٰ ترخان کے بیٹے محمد صالح کو ایک جماعت کے ساتھ مرزا شاہ حسن

کی خدمت میں لے آیا اور محمد صالح نے مرزا کے سامنے شایان۔
شان تحائف اور نذرانے پیش کئے۔ اس طرف سے شیخ عبدالوہاب
نے سلطان محمود خان کے بھائی امیر سلطان کو ٹھٹھہ لے جا کر
مرزا عیسیٰ سے ملاقات کرائی۔ مرزا شاہ حسن نے مرزا صالح کو
گھوڑا اور خلعت عنایت کرکے واپس جانے کی رخصت دی
اور ساتھ ہی ساتھ مُلا یاری کے ھاتھوں ایک جوڑ نقارہ اور ایک
قیمتی خلعت مرزا عیسیٰ کے پاس روانہ کیا۔ دوسرے دن مرزا
شاہ حسن نے میر ذوالنون کا وہ علم کہ جو اُسے سلطان حسین
مرزا بایقرا نے دیا تھا بمعہ نقارہ اور تمن طوق (دس ھزاری پرچم)
سلطان محمود خان کو عنایت کیا اور اپنی مُہر بھی سلطان
محمود کے حوالہ کی۔ امیر سلطان بھی اسی دن ٹھٹھہ سے واپس
آ کر لشکر میں آ ملا اس کے بعد ٹھٹھہ کے لوگ وھاں آزادی
کے ساتھ آتے جاتے رہے۔

شیخ عبدالوہاب علم طب میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔
چنانچہ اُس نے مرزا شاہ حسن کی حالت سے معلوم کیا کہ مرزا
کا مرض تیزی کے ساتھ ترقی کرتا جا رہا ھے اس لئے مناسب
یہی ھے کہ فوراً صلح کرکے سیوستان روانہ ھوا جائے تاکہ لشکر
کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہونچ جائیں۔ سلطان محمود
خان نے یہ حقیقت مرزا شاہ حسن کے گوش گذار کی چنانچہ
مرزا نے کوچ کرنے کی اجازت عطا کی اور اسی صبح کو وہ
وھاں سے روانہ ھو گئے۔ [۱۹۱]

جس دن کوچ کیا گیا اسی دن مرزا کے مرض نے انتہائی شدت اختیار کی اور لحظہ بہ لحظہ یہ شدت ترقی کرتی گئی۔ آخر کار اسی سال کی ۱۱۔ ربیع الاول کو صبح کے وقت جب انھوں نے جا کر موضع "علی پوٹہ" میں قیام کیا تو وہاں دوسرے دن بارہ تاریخ اور دو شنبہ کے دن سہ پہر کی نوبت کے وقت مرزا شاہ حسن کی روح "ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ" (رضا اور خوشی کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع ہو) کی ندا سن کر مرغزار فردوس کی طرف پرواز کر گئی۔ شیخ عبدالوہاب اور مرزا قاسم، جو کہ [اس وقت] اس کے سرھانے [موجود] تھے، باھر آئے۔ سلطان محمود خان نے ان کے ساتھ کشتی میں جا کر جب اس حادثہ کی حقیقت معلوم کی تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا مینھہ برسنے لگا۔ ایک لحظہ کے بعد اس نے مرزا کا منہ کھول کر آہ و بکا کرتے ہوئے اس کے پیروں کو بوسہ دیا اور اس کے پائنتیں فرش پر بیٹھ کر کہنے لگا "شیخ! تم اور مرزا قاسم اللہ تعالیٰ عز و جل کی بارگاہ میں گواہ رھنا کہ میں نے آخر وقت تک مرزا کی مخالفت نہیں کی اور نمک حلالی کرتے ہوئے اس وقت تک اس کے قدموں سے وابستہ رھا ہوں اور میرے سوا کسی بھی دوسرے امیر کو یہ سعادت حاصل نہیں ھے"۔ شیخ عبدالوہاب اسے ھاتھ سے پکڑ کر ماہ بیگم کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ آپ اور سلطان محمود خان آپس میں [مستقبل کا] فیصلہ کریں اور میں جا کر مرزا کے غسل اور تجہیز و تکفین کا انتظام کرتا ہوں۔ اس کے بعد تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر شیخ عبدالوہاب نے

مرزا کی میت تابوت میں رکھ کر شریعت کے مطابق نمازِ جنازہ ادا کی ۔ سلطان محمود خان نے اس خزانہ میں سے جو کہ مرزا کے ساتھ تھا کچھ حصہ لیا اور کشتی میں جو سامان اور جواہرات تھے ان پر بھی متصرف ہو کر اس نے ماہ بیگم پر زور دیا کہ مبادا ارغون اور ترخان آپ کی تعظیم و تکریم بجالانے میں کوتاہی کریں اس لئے آپ بکھر تشریف لے چلیں اور مرزا کی لاش بھی ساتھ لے چلیں ۔ ماہ بیگم نے عذر کیا کہ مرزا کی لاش [۱۹۲] شاہ بیگ کے [مقبرہ کے] پاس مکہ مکرمہ لے جائی جائے گی جس کا فاصلہ ٹھٹھہ سے کم اور بکھر سے زیادہ ہے ۔ بہرصورت ماہ بیگم راضی نہ ہوئی اور اسی دن صبح کے وقت ماہ بیگم، شیخ عبدالوہاب، مرزا قاسم اور خواجہ محمد حسین [وغیرہ] مرزا کی لاش لے جانے کے ذمہ دار ہوئے اور سلطان محمود خان صبح کے وقت وہاں سے کوچ کر کے بکھر روانہ ہو گیا ۔

یہ خبر اسی دن ٹھٹھہ پہونچ گئی چنانچہ مرزا عیسیٰ، لشکر عظیم کے ساتھ سوار ہو کر، ان کے تعاقب میں روانہ ہوا اور سلطان محمود خان کے اتنے قریب آ پہونچا کہ دونوں جانب کے نقاروں کی آوازیں [صاف] سنائی دیتی تھیں ۔ سلطان محمود خان نے لشکر کی صفیں آراستہ کر کے مرزا عیسیٰ کے پاس قاصد بھیجا کہ "تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے؟ اگر جنگ کا ارادہ رکھتے ہو تو صاف بتاؤ تاکہ میدانِ حرب آراستہ کروں"۔ مرزا عیسیٰ نے کہلا بھیجا کہ "میں نے ارغونوں سے سنا تھا کہ

ماہ بیگم اور سلطان محمود خان، مرزا کی لاش لئے جارہے ھیں
چنانچہ میں اس لئے آیا تھا کہ یہ مناسب نہیں ھے کہ [لاش کو]
یہاں سے بکھر لیجاؤ آخر ٹھٹھ بھی تو مرزا کی مملکت ھے ،
لیکن اب معلوم ہوا ھے کہ ماہ بیگم مرزا کا جنازہ ٹھٹھہ لے گئی ھے
اس لئے آپ اطمینان کے ساتھ بکھر روانہ ھوجائیں"۔ اس پر وھاں
سے سلطان محمود خان سرعت کے ساتھ سیوستان آیا ۔ اس طرف
مرزا شاہ مسعود ، شاہ حسین تکدری ، میر ابوالخیر ، میر حمید
ساربان ، خواجہ باقی اور دیگر امرا نے یہ سوچ کر ، کہ ٹھٹھ
مرزا عیسیٰ کے تصرف میں آیا ھے اور بکھر سلطان محمود کے اس
لئے ہم بھی سیوستان پر قابض ھوجائیں، [سیوھن پر قبضہ کرلیا] ۔
سلطان محمود نے ان پر بہت زور دیا لیکن مذکورہ خیال کی وجہ
سے انھوں نے قلعہ کا دروازہ نہ کھولا ۔ لاچار میر ابوالخیر
اور عبدالحمید کو لے کر سلطان محمود خان بکھر روانہ ھوگیا ۔

مرزا عیسیٰ بھی منزلیں طے کرتا ھوا پیچھے چلا آرھا تھا ۔
جب "سن" کے نواح میں پہونچنے پر اسے معلوم ھوا کہ ان
لوگوں نے قلعہ بند ھوکر سلطان محمود خان کو اندر نہیں آنے
دیا تو اس نے اپنے بیٹے محمد صالح ترخان کو جمیعت کثیر کے ساتھ
محاصرہ کرنے کا [۱۹۳] حکم دیا اور پھر بعد میں خود بھی وھاں جا
پہونچا ۔ اہلِ قلعہ عاجز آگئے تو آخر کار راقم الحروف (میرمعصوم)
کے پر دادا سیادت پناہ میر کلاں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرائی۔
اہلِ قلعہ امان لے کر قلعہ سے باھر نکلے اور اس پر مرزا عیسیٰ کا
قبضہ ھوگیا ۔ شرمندگی کی وجہ سے وہ لوگ وھاں نہ رہ سکے

اور حج کی اجازت لے کر "پارکر" کی راہ سے گجرات چلے گئے اور وہاں سے ہندوستان جا کر منعم خان کی ملازمت اختیار کرلی - میر حمید بھی اجازت لے کر ہندوستان چلا گیا -

مرزا شاہ حسن کی لاش کو جسے کہ ٹھٹھ لے گئے تھے، پہلے دریا کے کنارے میر احمد ولی کی حویلی میں بطور امانت رکھا گیا اس کے بعد مکلی کی پہاڑی پر ایک عمارت تعمیر کرا کے تین ماہ بعد مرزا عیسیٰ نے آکر اسے پہلی جگہ سے منتقل کر کے وہاں دفن کیا - اس موقع پر مرزا عیسیٰ اور دیگر جملہ ارغون اور ترخان امرا ماتمی لباس پہن کر پا پیادہ مرزا کے تابوت کے پیچھے مدفن تک گئے - پھر دو سال بعد وہاں سے بھی مرزا کی لاش کو نکال کر مکہ معظمہ لے گئے جہاں اسے اس کے والد شاہ بیگ کے پہلو میں لے جا کر دفن کیا گیا اور اس پر مکہ معظمہ میں ایک خوبصورت عمارت تعمیر کرائی گئی - یہ عمارت مشہور ہے -

مرزا شاہ حسن کے بعض حالات کا ذکر

مرزا شاہ حسن بن شاہ بیگ بن میر ذوالنون ارغون شجاعت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا - بچپن سے لے کر مرض [الموت] میں گرفتار ہونے تک ہر معرکہ میں فتح و نصرت اس کی معاون رہی - لڑائیوں میں اس نے بڑے جوہر دکھائے - اس کی ولادت سنہ ۸۹۶ھ میں ہوئی اور وہ ۶۶ سال زندہ رہا - بچپن ہی سے اسے تحصیل علم کا بے حد شغف تھا - ہمیشہ وہ علوم کے استفادہ و

استفاضہ [۱۹۴] میں بے حد دلچسپی لیا کرتا تھا۔ علم منقول میں اسے بڑا دسترس حاصل تھا چنانچہ کاروبار حکومت کی مصروفتیوں کے باوجود جو سبق پڑھتا تھا، فارسی زبان میں اس کی تقریر [ھوبھو] تحریر کردیا کرتا تھا۔

راقم الحروف نے مرزا مذکور کی فارسی میں تحریر کردہ آن تقریروں کے تقریباً دس جز قاضی دتہ سیوستانی کے کتب خانہ میں دیکھے تھے، جو ان اسباق سے متعلق تھے، کہ جو اس نے قاضی مذکور کے حلقہ درس و تدریس میں حاصل کئے تھے۔ یہ اوراق ممکن ھے کہ آج تک قاضی مرحوم کی اولاد کے پاس محفوظ ھوں۔ مرزا شاہ حسن اشعار کو خوب سمجھتا تھا اور بعض اوقات اس کی طبع موزوں سے بھی کچھ اشعار صادر ھوجاتے تھے جن میں وہ "سپاھی" تخلص کرتا تھا۔ رقم الحروف نے ان میں سے کچھ [اشعار]، اس کے اپنے ھاتھ کے لکھے ھوئے، دستیاب کئے ھیں اور ان سطور کے نیچے تحریر کردیئے ھیں (۱)۔ [اس کی خدمت میں] جو بھی مقدمات پیش کئے جاتے [ان کے فیصلہ کے لئے] وہ شرع شریف کی طرف رجوع کیا کرتا۔ سادات، مشائخ اور علما کا وہ بے حد احترام کرتا تھا اور ان کے وظیفوں اور مشاھروں میں کوئی کوتاھی نہ کرتا تھا اور ھر شخص سے اس کی لیاقت کے مطابق رعایت کرتا تھا۔ سلطنت کے نظم و ضبط کو خاطر خواہ طور پر قایم رکھتے ھوئے اس نے

---

(۱) افسوس کہ یہ اشعار تاریخ معصومی کے کسی بھی نسخہ میں نہیں ملتے۔

کسی بھی آدمی پر ظلم اور زیادتی کا ہونا ناممکن بنادیا تھا۔ اس نے ۳۴ سال تک حکومت کی اور ملکی سیاست کو بڑے اچھے ڈھنگ سے چلایا۔ ابتدا میں وہ قندھار چلا گیا تھا اور وھاں بابر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرکے دو سال وھاں رہا تھا۔ بادشاہ [بابر] ہمیشہ اس کی توصیف کیا کرتا اور کہا کرتا کہ ۔" شاہ حسن بیگ نوکری اور ملازمت کے لئے نہیں بلکہ حکومت کے آداب و قواعد سیکھنے کے لئے ہماری خدمت میں آیا ھے"۔ اپنی زندگی میں اس نے کل دو شادیاں کیں جن میں سے ایک شادی اس نے اپنے سگے چچا مرزا محمد مقیم کی بیٹی [ماہ بیگم] سے کی ۔ [۱۹۵] اس بیوی کے بطن سے ایک بیٹی چوچک بیگم ھوئی ، جو کہ مرزا کامران کے نکاح میں آئی تھی اور [مرزا کامران کے] سندھ میں آنے کے بعد اس کے ساتھ حرمین شریفین چلی گئی تھی اور وھاں جا کر انتقال کر گئی تھی ۔ مرزا شاہ حسن کی بیوی ماہ بیگم پہلے قاسم کوکہ کی زوجیت میں تھی جس سے ناھید بیگم نامی ایک بیٹی پیدا ھوئی تھی۔ اس کے بطن سے بھی اولادیں ھوئیں۔ مذکورہ ماہ بیگم مرزا شاہ حسن کے انتقال کے بعد مرزا عیسیٰ ترخان کے نکاح میں آئی اور کافی مدت اس کے ساتھ رہی لیکن مرزا عیسیٰ کے فوت ھونے کے بعد مرزا محمد باقی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے قید کی گئی اور قید ھی میں عالمِ جاودانی کو رحلت کر گئی۔ مرزا شاہ حسن کی دوسری بیوی میر خلیفہ کی بیٹی اور محب علی خان کی بہن گلبرگ بیگم تھی لیکن چونکہ ان کی آپس میں نہ بن سکی اس لئے دو سال بعد جدائی واقع

ھوگئی - مذکورہ بیگم خلد آشیانی [ھمایوں] بادشاہ کی
پریشانیوں [کے دور] سے قبل ھندوستان چلی گئی تھی جہاں وہ
فوت ھوگئی اور اس کے گلِ حیات کی پنکھڑیاں اجل کے تند
جھونکے سے منتشر ھوگئیں - اس کی قبر دھلی میں ھے - مرزا
شاہ حسن کے، مرزا ابوالمنصور نامی، ایک بیٹا بھی ھوا تھا
لیکن وہ دو سال کی عمر میں ھی فوت ھوگیا تھا جس کے بعد
مرزا شاہ حسن کی نسل میں کوئی [باقی] نہ رھا۔

مرزا شاہ حسن کے ھمعصر بعض سادات ، مشائخ ، قاضی ، فضلاٗ اور شعراء کا ذکر

۱- میر محمودالمعروف بہ شیخ میرک : اس عظیم المرتبت
طبقہ کے سربراہ عالی جناب میر محمودالمعروف بہ شیخ میرک بن
میر ابو سعید پورانی تھے - اجداد کی طرف سے ان کا سلسلہٗ نسب
عرب شاھی سادات سے ملتا ھے - شیخ ابو سعید کی والدہ شیخ
جلال الدین بایزید پورانی کی صاحبزادی تھیں - شیخ میرک
فضل و سخاوت اور زھد و تقویٰ میں اکثر سادات سے ممتاز اور
منفرد تھے - کئی سال وہ سندھ میں شیخ الاسلامی کے عہدہ
پر فائز رھے - ھر آنے جانے والا [۱۹۲] مقامی اور مسافر ان کے
دستر خوان احسان سے بہرہ ور ھوتا رھتا - اکثر طالبانِ علم
اور فضلاٗ انھی کی مساعیِ جمیلہ سے، علم و فضل میں کمال حاصل
کرکے فن کے میدان میں ، اپنے ھمعصروں سے بازی لے گئے -

شیخ صاحب جملہ اقسام کے خطوط میں عموماً اور خط نستعلیق میں خصوصاً بڑی مہارت رکھتے تھے - انھوں نے سنہ ۹۶۲ھ کے ماہ محرم میں عالم بقا کی جانب کوچ کیا -

۲- شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوھاب (۱): یہ میر بایزید اور میر ابوالسعید پورانی کے فرزند اور شیخ میرک کے بھتیجے تھے اور اپنے دور کے سر کردہ اور ممتاز مشائخ تھے- جناب شیخ عبدالوھاب خصائلِ حمیدہ اور اطوار پسندیدہ سے مزین اور آراستہ تھے - ساتھ ھی ساتھ وہ بڑے خوش طبع اور محفل پسند بزرگ تھے - وہ بادشاھوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی حتی الامکان کوشش کیا کرتے تھے اور بدعتوں کو ختم کرنے میں ھمیشہ پیش پیش رھا کرتے تھے - شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوھاب نے سنہ ۹۹۰ھ میں وفات پائی - "جامع فتاویٰ پورانی" جو کہ علم فقہ میں ٹھٹھہ اور بکھر میں بڑی مشہور ھے، شیخ عبدالوھاب پورانی کی ھی تصنیف ھے -

۳- شاہ قطب الدین بن شاہ محمود بن شاہ طیب: یہ خراسان کے سادات رفیع الدرجات میں سے ھیں اور انھوں نے ترکمانیوں کے فسادات کے بعد سندھ میں وارد ھو کر شہر بکھر میں اقامت اختیار کی تھی - ھر جمعہ کو وہ لوگوں کو وعظ و ارشاد فرما کر انھیں راہِ ھدایت کی ترغیب دیا کرتے تھے - وہ بڑے متقی اور پابند شریعت بزرگ تھے - انھوں نے سنہ ۹۷۷ھ میں وفات پائی - ان کی تاریخ وفات "واعظ" ھے - [۱۹۷]

---

(۱) نسخہ ح میں "بایزید بن ابو سعید" تحریر ھے .

۴- سید میر کلاں :- یہ کربلا کے جلیل القدر سادات میں سے ہیں - ان کے بزرگ اسی مبارک خطہ سے آئے تھے- سید میر کلاں جب قندھار پہونچے تو اُن کا گذر میر شیر قلندر کے مزار پر ہوا کہ جن کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے، جن کی کرامتیں اور مناقب مشہور ہیں اور جن کا مزار قندھار سے تین فرسخ پر اشکلچہ میں واقع ہے- سندھ کی فتح کے بعد میر کلاں قندھار سے سندھ تشریف لائے اور آکر سیوستان کے نواح میں اقامت اختیار کی - زیادہ تر ان کا وقت قدوۃ الواصلین مخدوم شہباز قلندر کے مزار پر گذرتا - زھد و عبادت میں ان کا کوئی عدیل نہ تھا - فقیروں اور مسکینوں کی بڑی رعایت کرتے تھے- انھوں نے اپنے بعد کثیر اولاد چھوڑی -

۵- مخدوم محمود فخر پوترہ :- یہ عالم ربانی تھے- سندھ میں اشاعت علم کا سہرہ انھیں کے سر ہے - وہ علوم ظاہری اور باطنی کے حامل تھے اور شیخ الاسلام کی صحبت سے ممتاز تھے - شیخ الاسلام کے حادثہ کے بعد انھوں نے اپنے اصلی وطن گاھن کی اقامت اختیار کی- خضر علیہ السلام سے ان کی ملاقات تھی - جن طلبا نے بھی ان کی خدمت میں علم حاصل کیا وہ سب اپنے مقصود پر فائز ہوے اور اعلیٰ مدارج تک ترقی پا گئے - ھرات سے سندھ تشریف لانے کے موقع پر راہ میں ان سے [متعدد] کرامتیں ظاھر ہوئیں -

۶- مخدوم بلاول :- یہ موضع ٹلٹی میں سکونت رکھتے تھے اور زیادہ تر لوگوں کے پندو وعظ میں مصروف رھا کرتے تھے -

زھد و تقویٰ میں کوئی ان کا ھمسر نہ تھا۔ علم تفسیر اور حدیث میں ماھر تھے اور اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ ان کے جملہ حالات و کمالات [۱۹۸] تحریر کرنے سے قلم قاصر ھے۔ کہتے ھیں کہ ایک بار وہ ٹلٹی سے سلطان العارفین مخدوم شھباز کے اشارہ پر ان کی زیارت کے لئے آرھے تھے۔ راستہ میں دریا پار کرنے کے لئے وہ کشتی میں سوار ھوئے۔ اسی اثناءٔ میں، جیسا کہ ملاحوں کا دستور ھوتا ھے، ایک ملاح نے بعض سواروں کے حق میں فحش اور بیہودہ کلمات استمال کرنے شروع کردئیے۔ یہ آواز مخدوم صاحب کے گوش گذار ھوئی تو انھوں نے اپنی ٹوپی اپنے خادم کو دی۔ جس نے اسے لاکر ملاح کے سر پر رکھ دیا۔ ملاح فی الفور وعظ، نصیحت اور آیات قرآنی کی تفسیر بیان کرنے لگا اور کشتی میں بیٹھے ھوے سارے لوگ حیراں رہ گئے۔ بے شک ایسے ھی بزرگ ھیں کہ جو مرے ھوئے دلوں کو زندہ کردیتے ھیں۔ ان کی وفات سنہ ۹۲۹ھ میں واقع ھوئی۔

۷- مولانا عبدالعزیز ھروی ابھری :- یہ شیخ الاسلام کے واقعہ کے بعد عصمتِ دین کی حفاظت کی خاطر اپنے دو بیٹوں کے ساتھ اندرونِ سندھ تشریف لے گئے اور موضع گاھن میں سکونت اختیار کرکے اس جگہ کے طلبا کو تعلیم دینے میں مشغول ھوگئے۔ علم معقول زیادہ تر انھی سے پھیلا ھے۔ حاکمان وقت انکا بڑا خیال رکھتے اور انھیں راضی رکھا کرتے تھے۔

۸- قاضی ڈتہ میوھانی :- والد کی جانب سے ان کا سلسلہ
نسب پانچویں پشت پر قاضی صدرالدین سے جا ملتا ھے کہ جو
پرگنۂ "خطہ" میں قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ بیشتر بزرگوں کی
صحبت میں رہ کر انھوں نے علم اور تربیت حاصل کی تھی۔
مطول سے استفادہ انھوں نے اپنے والد قاضی شرف الدین عرف
مخدوم راھو کی خدمت میں حاصل کیا اور تفسیر و حدیث کا
مخدوم بلاول کی خدمت میں۔ اس کے علاوہ دیگر اکثر علوم
انھوں نے مخدوم فخر پوٹہ اور عبدالعزیز ھروی کے حلقۂ درس
میں رہ کر حاصل کئے۔ [۱۹۹] وہ اٹھارہ تفسیروں کا علم رکھتے
تھے جن میں سے بعض [کا عالم] انھوں نے درس سے حاصل کیا تھا
اور بعض کا مطالعہ سے لیکن وہ سب ان کے حافظہ میں محفوظ تھے۔
خطِ ترکی وہ بڑی آسانی سے پڑھ لیتے تھے۔ علم جفر اور نجوم
میں بھی انھیں بڑا دخل تھا اور وہ صاحب کشف بھی تھے۔
اکثر کتابوں کی عبارات از بر یاد کر لیتے تھے۔ ان کے والد
صاحبِ حال بزرگ تھے اور وفات کے بعد انھوں نے انھیں مخدوم
بلاول کی صحبت کا اشارہ کیا تھا۔ مرزا شاہ حسن نے کچھ
عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی اور ان
کی ھمیشہ بڑی عزت اور تعظیم کیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات وہ
ایک دوسرے سے مجلسیں کیا کرتے تھے۔ مرزا، علم میں انھیں
[اپنے وقت کا] امام جاراللہ [زمخشری] کہا کرتا تھا۔
راقم الحروف (میر معصوم) نے بھی انھی کے حلقۂ درس میں تعلیم
حاصل کی ھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۹- مخدوم رکن الدین عرف مخدوم متو:- یہ مخدوم بلاول کے خلفا اور حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی بلند پرواز ہمت اور ان کے رفعت پرواز حوصلے ہمیشہ وظائف، طاعات و عبادات میں صرف ہوا کرتے تھے۔ زهد و تقوی کے سالک اور هدایت و ارشاد کے طالب ان سے انتہائی عقیدت اور ان کے سلوک پر [بے حد] اعتماد رکھتے تھے۔ علم حدیث میں وہ اپنے دور میں یگانہ تھے۔ ان کی تصنیفات میں شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور هیں (۱)۔ ان کی وفات سنہ ۹۴۹ھ میں جنت آشیانی بادشاہ [همایوں] کے عین فتراہ (۲) کے زمانہ میں ٹھٹھہ میں هوئی۔

۱۰- قاضی قاضن بن قاضی ابو سعید بن زین الدین بکھری:- ان کے بزرگ سیوستان کے شہروں میں سکونت رکھتے تھے لیکن ان کے جد امجد (نگڑ دادا) قاضی [۲۰۰] ابوالخیر نے، جو صاحب حال و فضیلت تھے، ٹھٹھہ میں آ کر اقامت اختیار کی تھی۔ قاضی صاحب زهد و تقوی سے آراستہ بہت سے بزرگوں کے صحبت یافتہ اور صاحب کشف بزرگ تھے اور انهیں بہتیرے بزرگوں کی صحبت حاصل تھی۔ وہ هر وقت وظائف، طاعت اور عبادت میں مشغول رہا کرتے۔ علم حدیث اور تفسیر میں انهیں بڑا دخل حاصل تھا۔ انہوں نے بہت سے مقامات میں رہ کر علم حاصل کیا تھا۔ علم فرائض کی جزئیات پر وہ خاص طور پر بڑی مہارت رکھتے تھے۔ زیادہ تر عبادت گذاری میں منہمک رہا کرتے تھے۔ ان

---

(۱) یہ کتابیں نایاب هیں۔

(۲) دو بادشاهوں، یا دو حکومتوں کے درمیاں جو وقفہ یا تعطل هوتا هے اسے "فترہ" کہتے هیں۔

کا شجرہ دو پشتوں کے واسطوں کے بعد قاضن سے جا ملتا ہے
اور اس طرح قاضن بن ابو سعید بن قاضی زین الدین بن قاضی قاضن
مختلف فضائل علمی سے آراستہ تھے۔ قرآن مجید و فرقان حمید
انہیں پورا حفظ تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قرأت اور تجوید بھی
بہت خوب جانتے تھے۔ علم حدیث و تفسیر، اصول و فقہ، تصوف
اور علم آلہ (۱) میں بھی وہ کمال دسترس رکھتے تھے۔ انشا میں
وہ اپنے عہد میں یگانہ تھے۔ راہ سلوک میں انھوں نے بڑی ریاضتیں
کی تھیں۔ وہ حرمین شریفین کی زیارتوں سے بھی مشرف تھے۔ اس
کے علاوہ وہ سید محمد جونپوری کے، جو کہ میراں مہدی کے
لقب سے مشہور ہیں، مریدوں اور عقیدتمندوں کے سلسلہ میں
داخل تھے۔ اسی وجہ سے عالمان شریعت ان پر طنز کیا کرتے
تھے۔ شاہ بیگ کے اس دارفانی سے کوچ کرجانے کے بعد مرزا
شاہ حسن کے منظور نظر ہو کر وہ بکھر اور اس کے گرد و نواح
کے قضا کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ان کے پاس جو شرعی
مقدمات آیا کرتے ان کے فیصلہ میں وہ انتہائی احتیاط، امانت
اور دینداری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ [۲۰۱] آخر میں انھوں نے
اس عہدہ سے استعفا دے دیا تھا جس کے بعد یہ عہدہ ان کے
بھائی قاضی نصراللہ کے حوالہ ہوا۔ قاضی قاضن کی وفات سنہ
۹۵۸ھ میں ہوئی۔

---

(۱) وہ علم کہ جس کے ذریعہ دیگر علوم مقصودی میں کمال پیدا
کیا جا سکے، جیسے کہ صرف و نحو وغیرہ۔

۱۱- مخدوم میران بن مولانا یعقوب :- ان کے تیسرے دادا ... (۱) صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے لئے مشہور اور علم معقول و منقول میں جامع تھے۔ ان کی خدمت میں کثیر طلباء نے علم حاصل کیا۔ علوم میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مرزا شاہ حسن نے کچھ عرصہ مخدوم کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ٹھٹھہ میں عالم آخرت کی طرف رجوع ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات "وارث الانبیاء" سنہ ۹۴۹ھ ہے۔

۱۲- مولانا ضیاءالدین بن مخدوم صدرالدین راھوانی :- یہ فضائل و کمالات میں جامع اور علوم شرعی کے جملہ فنون پر حاوی تھے۔ ابتدا میں یہ دینی علوم کا درس دیا کرتے تھے لیکن آخری عمر میں عبادت و تلاوت خانہ میں گوشہ نشیں ہوگئے تھے اور خلق کے لئے آمد و رفت کے دروازے بند کردیئے تھے۔

۱۳- قاضی عبداللہ بن قاضی ابراھیم :- یہ ایک بڑے عالم اور پرھیزگار بزرگ تھے۔ انھوں نے مخدوم عبدالعزیز ابھری ھروی سے فضل و کمال حاصل کیا تھا۔ ان کا مزاج تند تھا اور وہ بڑے متقی اور پرھیزگار تھے۔ ابتدا میں اپنے پرانے وطن دربیلہ میں رھتے تھے لیکن جب شاہ بیگ نے سندھ فتح کیا تو کچھ عرصہ وہ باغبان اور راوت میں بھی آکر رھے تھے۔ سنہ ۹۳۴ھ میں وہ سندھ سے گجرات چلے گئے اور پھر وھاں سے مدینہ منورہ

---

(۱) اصل نسخہ میں اس مقام پر کچھ الفاظ حذف ہوگئے ھیں۔

جا کر رهنے لگے اور بالآخر [۲۰۲] وهیں انتقال کر گئے۔ ان کے تین خلفاء صادق، شیخ صالح، شیخ رحمت‌الله (۱) اور شیخ حمید یہاں رہ گئے۔ شیخ رحمت‌الله اپنے زمانے میں بے مثل اور اپنے عہد میں یگانہ تھے۔ احکامات حج پر انھوں نے تین رسالے تصنیف کئے جو کہ آج بھی مروّج هیں۔ (۲) ان کا مزار ارض مقدس میں هے۔ شیخ حمید فضل و کمال کے زیور سے آراستہ تھے اور علوم عقلی و نقلی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ تفسیر وحدیث میں، خصوصاً علم حدیث میں بڑا دخل رکھتے تھے۔ مظفر بن سلطان محمود گجراتی نے جب، ظل الٰہی (اکبر) کے امیر شہاب خان کو شکست دے کر اس سے احمد آباد چھین لیا تھا اور نواب خانخاناں عالیقدر امرا کی ایک جماعت کے ساتھ آکر اور مظفر کو بھگا کر یہ ولایت پھر شاهی حکومت کے قبضہ میں لایا تھا تو راقم الحروف بھی وهاں متعین کئے جانے والوں میں سے ایک تھا۔

---

(۱) شیخ رحمت‌الله اور شیخ حمید دونوں قاضی عبدالله کے فرزند تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی تقلید میں انھوں نے بھی زیادہ عمر حرمین شریفین میں گذاری اور خدمت دین کرتے رهے۔ (تحفتہ‌الکرام ص ۱۴۲)

(۲) ان رسالوں میں سے ایک "المنسک المتوسط" عربستان میں آج تک رائج هے اور ملا علی قاری جیسے علامۂ وقت نے اس کی شرح لکھی هے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ "بمع شرح" مخدوم امیر احمد کے پاس حیدرآباد میں موجود هے اور احکامات حج کے بارے میں ایک نادر و جامع کتاب هے۔

چنانچہ اس علاقہ کے فتح ہوجانے کے بعد راقم الحروف نے ان بزرگ کی خدمت کا شرف حاصل کیا تھا اور دیگر کتب احادیث بمع مشکواۃ شریف اول تا آخر انھی کی خدمت میں پڑھ کر اجازت حاصل کی تھی۔ شیخ موصوف نے نواب کامیاب خان اعظم کے ساتھ، کہ جن کا نام عزیز کوکہ تھا، حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی اور پھر مکہ شریف ھی میں رہ گئے۔ وھاں وہ احادیث کے درس میں مشغول ھیں اور اس وقت علماء مکہ میں علم حدیث کے رھبر مانے جاتے ھیں۔

۱۴- قاضی شیخ محمد اوچوی :- یہ اپنے وقت کے مقتدر علماء میں سے ایک تھے۔ آچ اور ملتان کے فتنوں کے بعد انھوں نے بکھر کو اپنا وطن بنایا اور کچھ مدت بعد ٹھٹھ کا محکمۂ قضا ان کے سپرد ھوا۔ علوم دینی کے وہ جید عالم تھے۔ عربی زبان اچھی طرح جانتے تھے اور [۲۰۳] مقدمات فیصل کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد حکومت کی ابتدا میں دستِ قضا نے ان کا دفترِ حیات تہ کردیا۔

۱۵- مولانا مصلح الدین لاری :- یہ انتہائی دانشمند اور متجر عالم تھے اور علوم عربیہ میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ وہ مرزا شاہ حسن کو بھی تعلیم دیتے رھے ھیں۔ سنہ ۹۵۱ھ میں اجازت لے کر وہ حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ شرح شمائل نبوی، حواشی تفسیر بیضاوی، شرح منطق

فارسی اور دیگر رسالے (۱) ان کی تصنیفات میں سے ھیں۔

۱۶- شیخ عبداللہ متقی بن مولانا سعد سندھی دربیلوی :- یہ علوم مکتبی کے ماھر اور علوم تفسیر و حدیث میں اپنے عہد میں بے نظیر تھے۔ سنہ ۹۴۷ھ میں وہ سندھ سے گجرات گئے اور قاضی عبداللہ علیہ الرحمۃ کی صحبت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد مدینۂ طیبہ میں قاضی قاضن کی صحبت میں وقت گذارتے رہے۔ ھر علم میں ان کی تصنیفات اور رسالے [بیان کئے جاتے ھیں] ۔

۱۷- مولانا یونس سمرقندی :- یہ اہلِ علم و عرفان کے پیشوا اور عالمانِ عصر کے قائد تھے۔ مرزا شاہ حسن کے عہدِ حکومت میں ماوراءالنہر سے سندھ تشریف لائے۔ کچھ عرصہ وہ مرزا شاہ حسن کو بھی شرح مواقف اور دیگر علوم کا درس دیتے رہے ھیں۔ ان کی وفات سنہ ۹۵۱ھ میں واقع ھوئی۔

۱۸- سید تاج الدین :- یہ بکھر کے صحیح النسب سادات میں سے تھے اور منصب نقابت (سادات کی سرداری) پر فائز تھے۔ یہ واجب التعظیم نقیب، ظاھری و باطنی اسبابِ سعادت کے حامل ھونے کی وجہ سے جملہ سادات میں ممتاز تھے۔ آج کل بھی سادات [۲۰۴] بکھر کی نقابت انھی بزرگ کے اولاد سے وابستہ ھے۔ بکھر میں ان کی کثیر اولاد موجود ھے۔

۱۹- سید حیدر: یہ سن میں رہتے تھے۔ بارہ سال کی عمر سے مولانا عمر ھلیہ اور مخدوم بلال کی صحبت میں رھے اور ان

---

(۱) ان میں سے کوئی بھی رسالہ یا کتاب دستیاب نہیں۔

کی نگاہِ تربیت حاصل کر کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے - ان سے کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں - سنہ ۹۳۷ھ میں عالم آخرت کو رحلت کر گئے -

۲۰ مخدوم یوسف طیونہ: یہ اپنے عہد کے زاھدوں میں سے تھے - علم قرأت پر انھیں بڑا عبور حاصل تھا اور وہ سخت ریاضت کرتے تھے - ان کی کرامتیں مشہور ھیں - انھوں نے سنہ ۹۳۸ھ میں انتقال کیا -

۲۱- مخدوم عربی ھالہ کنڈی: یہ صاحبِ حال و مرتبہ بزرگ تھے -

۲۲- مولانا ابوبکر بن داؤد برید: راہِ سلوک میں ان کا کوئی ھمسر نہیں تھا - سخت ریاضتیں کر کے وہ بلند مرتبہ پر فائز ھوگئے تھے - اھلِ ارشاد کی ایک جماعت ان کی صحبت میں رہ کر صاحبِ حال ھوئی جن میں ایک مشہور بزرگ مخدوم نوح بھی شامل ھیں - رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ -

۲۳- شاہ جہانگیر ھاشمی - شاہ طیب ھروی کی اولاد میں یہ ایک شیریں زبان اور بلیغ شاعر تھے - مرزا شاہ حسن کی اوائلِ حکومت میں خراسان سے آکر انھوں نے سندھ کی اقامت اختیار کی - فن شعر میں یہ اپنے دور میں بیمثل تھے - تحفۃ الاحرار کے جواب میں مظھر الآثار (۱) انھی کی [افتاد] طبع کا نتیجہ ھے - [اس کے علاوہ ان کا مجموعۂ کلام] دیوان ھاشمی ھے - سنہ ۹۴۶ھ

---

(۱) یہ مثنوی سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شایع ھوچکی ھے .

[۲۰۵] کے وسط میں کیچ و مکران کی راہ سے انھوں نے سفر حجاز کا قصد کیا لیکن راستہ ھی میں لٹیروں کے ھاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

۲۴- شاہ حسین تکدری: یہ مرزا شاہ حسن کے حلقۂ امرا میں شامل تھے۔ جدت طبع، جودتِ ذھن، مکارم اخلاق اور محاسنِ آداب کے لحاظ سے وہ اپنے دور کے فضلا کے سردار تھے۔ فن شعر و تاریخ میں انھیں کمال دسترس حاصل تھا۔ روضۃ السلاطین انھی کی تصنیفات میں سے ھے۔

۲۵- میر شاہ مسعود صدر: مرزا شاہ حسن کے ایام حکومت میں یہ ایک خوش طبع طالب علم تھے اور گاھے گاھے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

۲۶- مولانا فخری ھروی: یہ ایک خوش طبع اور مقتدر شخص تھے۔ فنون صنایع و بدایع اور عروض و قافیہ میں ان کی کچھ تصانیف ھیں۔

۲۷- حیدر کلوج: مشہور شاعر اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا ایک مطلع ھے:

دلا مجنون صفت خود را خلاص از قیدِ عالم کن
رہ صحرائے محنت گیر و رو در وادیٔ غم کن

انھوں نے بھی آکر سندھ میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ ان کا مزار موضع پاتر میں ھے۔

۲۸- مولانا میر محمد زرگر، ۲۹- ملاجانی بندری، ۳۰- ملا ظھوری: یہ تینوں خوش بیان شاعر تھے۔

مرزا عیسیٰ ترخان کے حالات کا ذکر

مرزا محمد عیسیٰ بن میر عبدالعلی ترخان ، شاہ بیگ کا پروردہ اور اس کے اعلیٰ امرا کے زمرہ میں شامل تھا ۔ جب آمر آمرانی نے ٹھٹھہ کا رخ کیا تھا اور مرزا شاہ حسن کے ان امرا نے ، جو کہ ٹھٹھہ میں تھے ملتان آدمی بھیج کر ، مرزا کو صورت حال سے [۲۰۲] باخبر کیا تھا تو اس وقت لشکر ملتان میں مرزا عیسیٰ ہی تھا کہ جو غنیم کے دفعیہ کی استدعا کرکے کمال جرأت و مردانگی کا اظہار کرتے ہوئے یلغار کرتا ملتان سے ٹھٹھہ پہونچا تھا اور وہاں خوفناک جنگ کے بعد ان کے لشکر کو منتشر کر کے ان میں سے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا ۔ مرزا شاہ حسن کے وہاں پہونچ جانے کے بعد آمر آمرانی نے چالیس ہزار سپاہیوں سے میدان جنگ آراستہ کیا تھا جن میں سے دس ہزار سپاہی اس میدان میں کام آگئے تھے ۔ مرزا شاہ حسن کے فوت ہوجانے کے بعد ماہ جمادی الاول سنہ ۹۶۲ھ کی ابتدا میں مرزا عیسیٰ تخت حکومت پر متمکن ہوا ۔ ارغونوں اور ترخانوں نے اس کی بیعت کرکے [جملہ امور کے] حل وعقد اور قبض و بسط کی عنان ، امرا کے اسی سردار کے دست اقتدار میں دے دی ۔ مرزا عیسیٰ ترخان میں بہت سی اعلیٰ صفات تھیں ۔ سپاہیوں اور رعایا کے ساتھ ہمیشہ وہ نرمی سے پیش آتا تھا اور ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق رعایت کرتا تھا ۔

ایک سال کا عرصہ گذرنے کے بعد ارغونوں کی ترغیب و تحریص پر اس نے سلطان محمود خان کی مخالفت کی اور جمعیت کثیر ساتھ لے کر ماہ ربیع الثانی سنہ ۹۶۳ھ کی ابتدا میں حدود بکھر میں جا پہونچا۔ بکھر کے سامنے منزل انداز ہو کر اس نے پندرہ دن تک محاصرہ جاری رکھا۔ سلطان محمود خان قلعہ بند ہو بیٹھا۔ دو ایک بار فریقین مین جنگ بھی ہوئی لیکن اسی اثناء میں فرنگیوں کے گروہ نے، جسے کہ مرزا عیسیٰ نے گوا سے بلایا تھا، ٹھٹھہ کو آکر لوٹ لیا اور شہر کو آگ لگا کر لوگوں کو قید کر کے لے گئے۔ جس دن وہ ٹھٹھہ کو لوٹنا چاہتے تھے اس سے ایک دن پیشتر انھوں نے دارو چھڑک کر دریا میں آگ لگادی جس کی وجہ سے دریا کی بالائی سطح پر آگ بھڑک اٹھی۔ یہ خبر سنتے ھی مرزا عیسیٰ بسرعت تمام واپس ھوا۔ [۲۰۷] سلطان محمود خان اس کا تعاقب کرتا ہوا سیوستان تک آیا اور اس ملک کی، ربیع کی بیشتر فصل کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس موقع پر سیادت پناہ میر کلاں نے درمیان میں پڑ کر ان کی صلح کرائی اور نئے سرے سے عہدنامہ ہوجانے کی وجہ سے سلطان محمود خان بکھر واپس لوٹ گیا۔

سنہ ۹۶۷ھ کی ابتدا میں مرزا عیسیٰ ترخان کے بیٹوں مرزا محمد باقی اور مرزا محمد صالح کے درمیان سخت منازعت ہوگئی۔ مرزا عیسیٰ ترخان نے مرزا محمد صالح کی حمایت کی چنانچہ مرزا محمد باقی لڑائی میں شکست کھا کر سوڈھوں کے علاقہ ونگی کی طرف چلا گیا۔ جو ارغون اس کے حمایتی تھے وہ بھی

اس کے ساتھ عمر کوٹ چلے آئے۔ اس کے بعد جیسلمیر کی راہ سے مرزا محمد باقی بکھر آ نکلا اور یہاں اس نے سلطان محمود خان کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ۔ خان مذکور نے اسے آغوشِ عنایت میں لے کر اس پر نوازشیں کیں اور ایک سال سکھر میں ٹھہرا کر اور واجبی نگہداشت اور رعایت کر کے انسانیت کی شرطیں بجا لایا ۔ مرزا عیسیٰ نے محمد صالح کی دلجوئی کی خاطر مرزا محمد باقی کے فرزندوں کو بھی ٹھٹھ سے بکھر بھیج دیا ۔ [اس عرصہ میں] ہر چند کہ مرزا محمد باقی نے ھندوستان جانے کی بڑی کوشش کی لیکن محمود خان نے اس خیال سے اجازت نہ دی کہ مبادا وھاں سے وہ کوئی لشکر اس طرف لائے اور چونکہ اس کا گذر بکھر ھی کی راہ سے ھوگا اس لئے یقیناً ملک کے نظام میں خلل واقع ھوگا۔

سنہ ۹۷۰ھ میں مرزا محمد صالح ترخان نے، جو کہ چوٹی کا بہادر تھا اور کتنی ھی لڑائیوں اور مقابلوں میں شجاعت اور ھمت کے جوھر دکھا کر فتوحات حاصل کر چکا تھا اور مرزا کامران کے بیشتر کوکہ جیسے کہ مزید کوکہ بن مراد کوکہ وغیرہ اس کی ملازمت میں تھے، مرید نامی ایک بلوچ کے ھاتھوں کہ جس کے باپ کو اس نے قتل کیا تھا، شربتِ شہادت نوش کیا۔ یہ مطلع اسی کا ھے۔ [۲۰۸]

برآن عزمم کہ در ملکِ جنون از سر قدم مانم

متاعِ ھوش و دانش را ببازارِ عدم مانم

[مرزا محمد صالح کے قتل ھوجانے کی خبر پا کر] سلطان

محمود خان نے [مرزا عیسیٰ سے] مرزا باقی کی خطاؤں کے معاف کرنے کی درخواست کی۔ مرزا عیسیٰ نے راضی ہو کر شیخ عبدالوہاب پورانی اور اپنے بھانجے میر یار محمد خان کو قاصد بنا کر سلطان محمود خان کے پاس بھیجا اور شکر گذاری و احسان مندی کا اظہار کر کے اپنے بیٹے سے ملنے کا تقاضا کیا۔ سلطان محمود خان نے بادشاہی آداب کے مطابق سامان سفر تیار کر کے مرزا محمد باقی کو ٹھٹھہ بھیج دیا۔ اس نے جا کر اپنے والد بزرگوار سے ملاقات کی۔ مرزا عیسیٰ نے سیوستان اس کی جاگیر مقرر کی اور اسے رخصت عطا فرمائی۔

سیوستان پہونچنے کے بعد ارغونوں نے مرزا عیسیٰ سے بیوفائی اور سرکشی اختیار کر کے مخالفت اور جنگ کے میدان میں قدم رکھا۔ چنانچہ جب صلح کا نقارہ خاموش ہو گیا اور ارغون [ایک موقع پر] دریا سے گذر رہے تھے تو مرزا عیسیٰ کے آدمیوں نے اچانک ان پر آتشبازی سے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ان کے کثیر آدمی تلف ہو گئے اور وہ شکست کھا کر ابتر اور پریشان حال میں بکھر آئے اور سلطان محمود خان کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کی۔ سلطان محمود خان نے پہلے تو ان لوگوں کو قید کر لیا لیکن پھر اپنی والدہ کے مشورہ سے انھیں قید سے آزاد کر کے تسلیاں دیں اور ان میں سے ہر ایک کو گھوڑا اور خلعت عنایت کر کے اپنے کافی ملازموں کے ہمراہ سیوستان روانہ کر دیا۔ سلطان محمود خان کے آدمیوں نے ارغونوں کے ساتھ ملکر سیوستان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دو ایک بار وہ

وہ قلعہ پر حملہ اور بھی ہوئے لیکن نتیجہ کچھ نہ حاصل ہوا۔
پھر جب دریا میں باڑھ آگئی تو مرزا عیسیٰ نے لشکرِ عظیم کے ساتھ
آکر ان لوگوں کو وہاں سے ہٹادیا۔ اس کے بعد [۲۰۹] موضع رفیان
میں دونوں فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی جس میں سلطان
محمود خان کے کافی آدمی قتل ہوگئے۔ مرزا عیسیٰ ترخان
موضع دربیلہ کے سامنے خیمہ زن ہوکر جنگ کرتا رہا اور سلطان
محمود خان نے بھی اپنے مزید آدمی اور امرا روانہ کردیئے جنھوں
نے موضع دربیلہ میں قلعہ بناکر خوفناک جنگ چھیڑ دی۔ بالآخر
شیخ عبدالوهاب اور ماہ بیگم کی دانشمندی سے صلح ہوگئی۔
مرزا عیسیٰ ٹھٹھہ واپس لوٹ گیا اور سلطان محمود خان کے
آدمی بکھر چلے گئے۔

سنہ ۹۷۵ھ میں مرزا عیسیٰ طبعی موت سے فوت ہوگیا۔
انتقال کے وقت اس نے ارادہ کیا کہ اپنے چھوٹے بیٹے جان بابا
ترخان کو ولیعہد بنائے لیکن ماہ بیگم نے کوشش کی کہ
چونکہ محمد باقی بڑا بیٹا ہے اس لئے وہ ولیعہد ہو۔ مرزا عیسیٰ
نے اسے مشکل سمجھتے ہوئے معذرت طلب کی اور کہا کہ
وہ ظالم ہے جس کی وجہ سے خلق اور لشکر کو بڑی تکلیف
اور نقصان پہونچائے گا اور تم خود بھی اس کے ہاتھوں ہلاک
ہوگی۔ بالآخر ویسا ہی ہوا جیسا کہ اس کی زبان
سے نکلا تھا۔ ملکی مصلحت کی وجہ سے کچھ دنوں مرزا
عیسیٰ کے فوت ہوجانے کی خبر مخفی رکھی گئی۔ پھر جب
مرزا محمد باقی سیوهن سے ٹھٹھہ پہونچا تو اسی دن صبح کے

وقت مرزا عیسیٰ کی لاش کو لے جا کر اس مقبرہ میں دفن کردیا گیا کہ جو اس کے لئے بنایا گیا تھا۔

مرزا محمد باقی کا اپنے باپ کے موروثی [تختِ] سلطنت پر بیٹھنے کا ذکر

مرزا محمد باقی نے تخت حکومت پر بیٹھتے ھی اختیارات کی باگ ارغونی امرا، جیسے کہ مرزا قاسم اور میر کوچک وغیرہ، کے ھاتھوں میں سونپ دی۔ ارغون نہایت بے باک تھے اور سخت لا پرواھی سے کام لیتے تھے۔ چونکہ حکومت کی ابتدا تھی اور انھوں نے اس کی سیاست اور قھر کا رنگ نہ دیکھا تھا اور ابھی اس کے رعب اور خوف نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا تھا اس لئے [۲۱۰] وہ زبانی نصیحتوں اور تنبیہوں سے [اپنی] نا مناسب حرکات سے باز نہ آئے۔ [بالآخر] ملکی حالات اور انتظامات کی ابتری اور بربادی دیکھ کر اس کے غصہ اور سیاست کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی بربادی اور بیخ کنی کا فیصلہ کرکے اس نے ان کے آدمیوں کے قتل کئے جانے اور ان کا مال لوٹ لئے جانے کے عام احکامات جاری کردیئے۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ سندھی اور ماھی گیر لوگ انھیں لوٹنے کے بعد ان کے بال بچوں کے ساتھ جو چاھیں وہ کریں۔ [چنانچہ اس مصیبت سے] محفوظ رہ جانے والے ارغون جلاوطن ھوکر بکھر چلے آئے۔

مرزا عیسی کے فوت ھوجانے کے بعد محمد باقی کی

تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں ناھید بیگم اپنی والدہ سے ملنے کے لئے ھندوستان سے آئی ۔ سلطان محمود خان بھی ارغون امرا کی ترغیب و تحریص پر محمد باقی سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا اور نصرپور پہونچ کر اس نے وھاں کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا ۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ حضرت بادشاہ، شیخ فرید کے گھاٹ تک آ پہونچے ھیں اور ملتان کے مشائخین کی زیارت کا ارادہ رکھتے ھیں ۔ چنانچہ احتیاط کو کام میں لاتے ہوئے اپنی کشتیاں تیار کرا کے، سلطان محمود خان وھاں سے کوچ کرکے واپس لوٹ آیا ۔

[اسی اثناء میں]مرزا باقی کے بھائی مرزا جان بابا اور داماد میرزا شادمان نے، جو کہ اپنے زمانہ کے بہادروں میں سے ایک تھا اور باپ کی طرف سے اس کا نسب میر ذوالنون کے بھائی سلطان علی سے جا ملتا تھا، علم بغاوت بلند کیا اور بکھر جا پہونچے۔ سلطان محمود خان ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور ھر ایک کو نقد و جنس اور خلعت و گھوڑا انعام دے کر ھر ایک کے لئے جاگیر مقرر کی۔ پھر جب ان لوگوں نے مدد کی درخواست کی تو ان کی عرض قبول کرتے ہوئے اس نے اپنے اکثر بہترین آدمی ان کے ساتھ کردیئے ۔ وہ جب ٹھٹھ کے گرد و نواح میں پہونچ کر مرزا محمد باقی کی چھاؤنی کے سامنے خندقیں کھود کر [جنگ کے لئے] مستعد ہوئے تو ارغون امرا نے اختلاف کر کے جان بابا کو بھلا دیا۔ اس پر سمیجا قبائل کی ایک جمعیت کے ساتھ مرزا جان بابا ان سے علیحدہ ھو گیا جس کے بعد دریا کی طغیانی کے وجہ سے [تنہا]

خود میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر سلطان محمود خان کے آدمی بھی واپس لوٹ گئے ۔ [۲۱۱]

سنہ ۹۷۶ھ میں مرزا محمد باقی ترخان نے اپنی عفت مآب بیٹی کو، حضرت ظل الٰہی شہنشاہ [اکبر] کی بیگماتِ حرم کے زمرہ میں شامل کرنے کا انتظام کرکے، ماہ بیگم اور ناھید بیگم کے ساتھ بھیج دیا ۔ ساتھ ھی ساتھ بادشاھی استعمال کے لایق ھرقسم کے تحائف اور ھدیئے بھی وافر مقدار میں روانہ کئے ۔ یہ خدمت یادگار مسکین خان ترخان کے سپرد ھوئی ۔ یہ لوگ جب ”لک علوی“ (لکی) کے قریب پہونچے تو مرزا جان بابا بھی ان سے آملا ۔ ان لوگوں کے روانہ کرنے سے پہلے مرزا محمد باقی نے ناھید بیگم سے رشتہ جوڑتے ھوئے اس کی بیٹی رایجہ بیگم کو، جوکہ پہلے مرزا نجات خان کے نکاح میں تھی اور بعد میں اس سے علٰحدگی اختیار کرلی تھی ، اپنی زوجیت میں لے لیا ۔ دونوں کے درمیان خاص محبت پیدا ھوگئی تھی جس کی وجہ سے مرزا، ناھید بیگم کی طرف سے مطمئن ھوگیا تھا ۔ [لیکن] جان بابا ترخان نے سمیجا اور سوڈھا وغیرہ قبائل کے لوگوں کو جمع کرکے مرزا محمد باقی پر شیخون مارا ۔ مرزا محمد باقی نے کشتی کے پیچھے سے دریا میں چھلانگ لگائی اور جا کر ایک درخت پر چڑھ گیا ۔ سمیجہ قبائل کے لوگوں نے کشتی میں جا کر رایجہ بیگم کو قتل کر ڈالا ۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد ناھید بیگم نے ھندوستان جانے کا قصد کیا ۔ مرزا محمد باقی نے ماہ بیگم اور ناھید بیگم کو

اپنی بیٹی کے ساتھ، یادگار مسکین مرزا کی معیت میں، ھندوستان روانہ کیا۔ [اسی اثناء میں] یادگار مسکین مرزا اور مرزا جان بابا نے ایک دوسرے سے مل کر بیگمات کو راضی کرلیا اور ان سے کہا کہ کہ آپ لوگ سندھ سے کیوں نکل جائیں اور مرزا محمد باقی کس لئے حکومت کا مستقل مالک بن کر بیٹھ رہے؟۔ [چنانچہ انھوں نے] جہیز اور سوغات کی چیزوں کو کھول کر فوج اور لوگوں میں تقسیم کردیا اور [سب مل کر] مرزا محمد باقی سے جنگ کرنے کے لئے تیار ھوئے۔ قصہ کوتاہ ماہ بیگم نے ھاتھی پر سوار ھوکر علم بلند کیا اور میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے صفیں آراستہ کیں۔ اتفاقاً تھوڑے ھی عرصہ میں [۲۱۲] مرزا باقی کو فتح حاصل ھوگئی اور ماہ بیگم کا لشکر فرار ھوگیا۔ مرزا جان بابا اور یادگار مسکین پہلے ھی حملہ میں ککرالہ کی طرف بھاگ گئے، جو کہ ساحلِ سمندر پر جام ڈیسر(۱) کی اقامت گاہ ھے، ماہ بیگم گرفتار ھوگئی اور ناھید بیگم کچھ مختصر جمعیت کے ساتھ بکھر نکل گئی۔

اس فتح کے بعد ٹھٹھہ واپس آکر مرزا محمد باقی نے ماہ بیگم کو [خوب] معتوب و مخاطب کیا۔ اسی عرصہ میں سلطان محمود خان لشکر عظیم کے ساتھ ٹھٹھہ آ پہونچا۔

---

(۱) اصل متن میں "جام مہر" ھے جو کہ غلط ھے۔ صحیح "جام ڈیسر" ھے، جیسا کہ تشریحات میں تحفتہ الکرام کے حوالہ سے درج ھے۔

اس طرف مرزا محمد باقی نے ٹھٹھہ کے بزرگ اعلیٰ سید علی کو درمیان میں لا کر مرزا جان بابا اور یادگار مسکین مرزا کو صلح کے ساتھ قابو میں کر کے قتل کرادیا اور ماہ بیگم بھی [بالآخر] گوشۂ زندان سے سامانِ حیات اٹھا کر کنجِ لحد میں منتقل ہوگئی۔

سلطان محمود خان اسی دوران میں اپنا لشکر جمع کر کے ٹھٹھہ روانہ ہوا اور ٹھٹھہ کے سامنے جا کر خیمہ زن ہوگیا۔ چونکہ مرزا محمد باقی نے خود ہی اپنے دست و بازو کاٹ دیئے تھے اس لئے اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ البتہ کشتیوں کا ایک بیڑہ بنا کر شہر اور سلطان محمود خان کے لشکر گاہ کے درمیان دریا میں چکر لگاتے ہوئے وہ شہر کی حفاظت کرتا رہا۔ اسی درمیان میں [اس پر] سلطان محمود خان کے لوگوں نے دو تین بار حملے کئے جن میں مرزا عیسیٰ کا داماد فقیر محمد ترخان اور سلطان محمد ترخان قتل ہوگئے۔ ادھر سلطان محمود خان "پیر آر" کے قریب آکر ٹھیرا ہی تھا کہ خبر آئی کہ ترسون محمد خان کے بھائیوں نے قلعہ آچ کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں مزید ٹھیرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہوئے بکھر کا رخ کیا اور مرزا محمد باقی دو تین سال تک ٹھٹھہ پر استقلال کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ [۲۱۳]

سنہ ۹۷۸ھ میں [مرزا محمد باقی نے] دوسری بار جہیز اور سوغاتوں کا سامان تیار کر کے اپنی بیٹی کو شیخ عبدالغفور بن

شیخ عبدالوهاب اور ملا تردی کی معیت میں خلائق پناہ کی بارگاہ میں روانہ کیا لیکن قبولیت کے شرف سے محروم رہ کر وہ اسے ٹھٹھہ واپس لے آئے ۔

اپنی زندگی کے آخری سال میں مرزا محمد باقی نے دوبارہ ارغونوں کی تربیت کرکے انھیں اپنے سایۂ عاطفت میں پناہ دی جس کی وجہ سے جو بھی ارغون مختلف ممالک اور شہروں میں منتشر ہوگئے تھے وہ سب آکر [اس کے گرد] جمع ہوگئے۔ اس نے حسب حیثیت ہر ایک پر توجہ کرتے ہوئے ان کے لئے گذارہ اور جاگیریں مقرر کیں ۔

سنہ ۹۹۲ھ میں سلطان خواجہ کا بھائی شاہ خواجہ حج سے واپس ہوکر ہرمز کی راہ سے ٹھٹھہ پہونچا اور شیخ عبدالرحمان ولد شیخ میرک کے گھر میں آکر مقیم ہوا ۔ عبدالرحمان میرک سے جتنا بن پڑا اس نے شاہ خواجہ کی مہمانی اور تواضع میں مبالغہ اور تکلف کیا ۔ چنانچہ بارگاہِ خلائق پناہ میں پہونچے کے بعد شاہ خواجہ نے میرک مذکور کو مہربانیوں اور خصوصیات سے بھرپور خط لکھا ۔ یہی امر اس بزرگ زادہ کی شہادت کا باعث ہوا ۔ سنہ ۹۹۳ھ میں مرزا محمد باقی دیوانہ ہوگیا اور خودکشی کے ارادہ سے [اس نے] خود کو تلوار اور خنجر سے زخمی کرکے اپنی جان مالکِ ارواح کے سپرد کی۔

اس کے مرجانے کے وجہ سے ولایت ٹھٹھہ میں سکون و آرام پیدا ہوگیا ۔ امرا اور سرکردہ افراد نے متفق ہوکر حکومت کے لئے مرزا جانی بیگ کو منتخب کرکے ، [محمد باقی کے]

سگے بیٹوں کے ہوتے ہوئے اس کی بیعت کی اور وہ اپنے طالع فیروز کی قوت سے عنفوانِ شباب ہی میں مسندِ حکومت پر فروکش ہوا۔ اس کے بزرگوں نے سالہا سال میں جو زر و جواہر جمع کئے تھے وہ اس نے ابر نیساں کے طرح رعایا اور خلق پر نچھاور کردیئے۔ اس کی حکومت کے سایہ میں لوگ بڑے آرام اور دلجمعی کے ساتھ رہنے لگے۔ ٹھٹھہ کے لوگ سپاہی، رعایا اور سردار، کہ جو مرزا محمد باقی کے عہد حکومت میں ایک رات بھی [۲۱۴] آرام سے نہ سو سکے تھے وہ اس جوان بخت بادشاہ کے عہد میں بستر امن پر چین کی نیند سونے لگے۔

مرزا عیسیٰ اور مرزا محمد باقی ترخان کے عہد کے فضلا کا ذکر

۱۔ [میرک عبدالباقی اور عبدالرحمٰن]: مرحوم شیخ میرک پورانی کے فرزند میرک عبدالباقی اور میرک عبدالرحمٰن عرف میر کان فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔ فنون علوم، ہنرمندی اور صنعت گری میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا اور متانتِ طبع و لطافت ذہن میں وہ بے مثل اور انسانیت و مروت میں بے نظیر تھے۔ قلتِ آمدنی کے باوجود ہر آنے جانے والا شہری یا مسافر ان کے دسترخوانِ احسان سے بہرہ اندوز ہوتا رہتا تھا۔ ان کے گھر میں کھانے بڑے عمدہ تیار ہوا کرتے

تھے۔ خصوصاً سیوّیاں ۔ ان سیوّیوں میں ایسی چاشنی پیدا کی جاتی کہ ان کی لذت لوگوں کو [ھمیشہ] یاد رھا کرتی اس کے علاوہ مرکبات اور مربہ جات بھی وافر اور بہت عمدہ تیار ھوتے تھے ۔ راقم الحروف کو بھی ان کا تجربہ ھے ۔ میرک کلاں علم تصوف میں اور بالخصوص علم فصوص (۱) میں اپنا عدیل نہ رکھتے تھےاور میرک خورد جملہ علوم میں کمال مہارت رکھتے تھے خصوصاً علم ھئیت اور علم فلسفہ میں۔ ایک مرتبہ مولانا عبدالخالق گیلانی جو کہ ملا مرزا جانی اور شاہ فتح اللہ کے ھمعصر تھے جب ادھر سے گذرے اور ان سے بحث و مباحثہ کا موقع ملا تو بعض شبہات اور پیچید گیوں کو جو کہ ملا عبدالخالق کے ذھن میں رہ گئی تھیں انھوں نے اپنی جودت طبع سے زائل کردیا تھا ۔ تحریر اقلیدس کی اشکال میں بہت سی شکلیں خود انھی کی مرتب کردہ ھیں ، جو سبھوں کے نزدیک پسندیدہ ھیں ۔ اشعار میں بھی انھیں کافی دخل تھا ۔ میرک عبدالباقی کی وفات سنہ ۹۸۳ ھ میں اور میرک عبدالرحمٰن کی شہادت سنہ ۹۹۱ ھ میں عیدالفطر کے دن واقع ھوئی ۔

۲۔ ذکر میاں سید علی: یہ شیراز کے انجوی سادات میں سے تھے اور ان کے بزرگ [۲۱۵] وھاں سے نقل سکونت کرکے

---

(۱) " فصوص الحکم " جو کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی علم تصوف میں مشہور تصنیف ھے ۔ اس کتاب میں اکثر مسائل صرف اشاروں اور اصطلاحی عبارتوں میں بیان کئے گئے ھیں اس لئے علم تصوف کی یہ مشکل ترین کتاب سمجھی جاتی ھے۔

سندھ آگئے تھے۔ میاں سید علی علم، زھد اور سخاوت کے حامل تھے۔ (۱) ھر سال ماہ ربیع الاول کی شروعات میں بارہ دن تک وہ فقرا و مساکین کو سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ و سلم کی روح پر فتوح کی نذر میں خوب کھانا تقسیم کیا کرتے تھے اور مکلی کے بزرگوں کے مزارات پر محفل سماع منعقد کیا کرتے تھے۔ سماع سے ان کے ذوق کی انتہا یہ تھی کہ قاضیوں اور مفتیوں کی ممانعت کے باوجود بھی وہ اس سے باز نہ رہ سکتے تھے۔ سندھ میں سماع کا طریقہ یہ ھے کہ کچھ لوگ مل کر اپنی زبان میں لحن کے ساتھ ابیات پڑھتے ھیں اور باقی ماندہ لوگ خاموشی سے ان کی سماعت کرتے ھیں۔ بعضوں پر وجد و حال بھی طاری ھوجاتا ھے اور جن پر حال طاری ھوتا ھے وہ گھوڑوں کی طرح میدان کرتے (۲) ھیں اور مست ھوجاتے ھیں۔ اس حالت میں ھر آدمی ایک دوسرے کی کمر میں ھاتھ ڈالکر [اور حلقہ بنا کر] ان کی حفاظت کرتا ھے اور [وہ لوگ] ناچتے اور آواز بلند کرتے رھتے ھیں۔ اس موقع پر دو تین سو آدمیوں کے ایک ساتھ آواز

---

(۱) اس مقام پر نسخہ "ح" میں یہ عبارت زائد ھے :- "چنانچہ اکثر فضلا اور مسافر ان کے دستر خوانِ احسان سے پورا حصہ حاصل کرتے ھیں۔ ان کے گذارہ کے لئے جو قطعہ مقرر تھا اس کی پیداوار کا نصف ھر سال وہ علحدہ کر کے اھل فضیلت اور زائرین حرم کو دیا کرتے تھے۔ ھر موسم میں وہ حقداروں میں موسمی پھل اور میوے تقسیم کیا کرتے تھے۔ جناب میر سید علی نے بارہ حج کئے تھے اور ان کی پیشانی پر بزرگی کی علامتیں ظاھر تھیں۔"

(۲) گھوڑوں کی طرح میدان کرنے کا مفھوم ھے مست و مدھوش ھو کر حلقۂ سماع میں تیزی سے دائرے میں گھومنا۔

نکالنے کی وجہ سے ایک عجیب قسم کا غلغلہ پیدا ہوتا ہے جو ایک میل یا اس سے بھی زیادہ دور تک سنائی دیتا ہے۔ مذکورہ شاہ صاحب کی وفات سنہ ۹۷۱ھ میں واقع ہوئی ان کی تاریخ وفات "فات الحاتم بجودہ" سے نکلتی ہے۔ ان کے صالح فرزند سید جلال الدین محمد بھی تقویٰ اور کمال کے زیور سے آراستہ ہیں اور باپ کے طریقہ پر گامزن ہیں۔ وہ جملہ علوم میں یگانہ روزگار اور وحید عصر ہیں۔ متانت طبع اور لطافت ذہن کے لحاظ سے وہ بے نظیر اور کمال انسانیت و سخاوت کے حامل ہیں۔ قلت آمدنی کے باوجود لوگوں کو ان سے ان کے والد کے زمانہ سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ سید جلال اپنے والد سے زیادہ شریعت کے پابند ہیں۔ [۲۱۲]

۳۔ مولانا عبدالرحمان :- یہ علوم نقلیہ میں بے نظیر ہیں اور اپنا بہترین وقت علوم دینی کے افادہ میں صرف کرتے ہیں۔

۴۔ مولانا کریم الدین :- یہ بزرگ فضائل و کمالات میں جامع اور زہد و تقویٰ سے مزین و آراستہ ہیں۔

۵۔ مولانا عبدالخالق گیلانی :- یہ مولانا العلامی مولانا عبداللہ یزدی کے شاگرد رشید ہیں۔ ابتدائے حال میں وہ سنہ ۹۷۲ھ میں قندھار سے بکھر آئے اور راقم الحروف کے مکان میں درس دینے میں مشغول رہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ٹھٹھہ کا عزم مصمم کرکے مخدومی شیخ میرک کی خدمت سے مشرف ہوئے اور چند سال ان کی حویلی میں سکونت اختیار کرکے

تحصیل علم میں مصروف رہے۔ ٹھٹھہ کے اکثر فضلا نے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں علمی مطالب میں کامیاب ہوکر وہ اپنے ہمعصروں سے بازی لے گئے۔ سنہ ۰۰۰۰۰ (۱) کے آخر میں وہ دکن کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں کے نامور بزرگوں میں شمار ہونے لگے اور وہیں سفر آخرت اختیار کیا۔

ان کے شاگرد رشید قاضی محمود ٹھٹھہ میں موجود ہیں۔ قاضی صاحب موصوف کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ ان کا مرتبۂ علم و فضل، توصیف سے بے نیاز ہے۔

۶- مولانا یوسف یہ نہایت دیندار اور پرہیزگار ہیں اور علومِ شرعیہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

۷- مخدوم فضل اللہ:- یہ علم کے جملہ اقسام اور عمل و تقویٰ کے زیورات سے مزین تھے اور ہمیشہ دینی تعلیم کا شغل رکھتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۰۰۰۰۰ (۱) میں ہوئی۔ [۲۱۷]

۸- قاضی شیخ احمد اور قاضی کاشانی: یہ بزرگ اپنے کمالات کے اظہار سے بے نیاز ہیں۔

سلطان محمود خان کے، شروع سے لے کر جہانِ آخرت کو انتقال کر جانے تک کے، حالات کا ذکر

سلطان محمود خان بن میر فاضل بن عادل بن احمد، خواجہ

(۱) ان دونوں مقامات پر جملہ نسخوں میں خلا ہے۔

اصفہانی کی نسل سے تھا۔ اس کے بزرگ خراسان کی سکونت رکھتے تھے۔ جن کا شجرہ بادشاھان چین سے جا ملتا ھے جو کہ اصفہان کی شہنشاھیت کا ایک صوبہ تھا۔ جس زمانہ میں حضرت صاحبقران امیر تیمور گورگان تسخیر عراق کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اصفہان کے کچھ صوبے سرکشی اختیار کرکے اطاعت اور فرمان برداری سے منکر ھوگئے تھے تو صاحب۔ قران نے ان لوگوں کے تاخت و تاراج اور قید کئے جانے کے احکامات صادر کرکے اپنی افواج۔ قاھرہ میں سے ایک فوج اس کے لئے متعین کی تھی۔ [چنانچہ] اسی لوٹ مین خواجہ عادل کا والد خواجہ احمد، میر ذوالنون کے والد میر حسن بصری کے ھاتھ لگا تھا۔ میر مذکور نے اسے اپنی اولاد کی طرح رکھ کر اس کی تربیت اور نگہداشت کی۔ خواجہ احمد کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے ملک محمود نان دہ (روٹی بخشنے والا) سے جا ملتا ھے۔ ولایت اصفہان میں ملک محمود اپنی کثرت سخاوت و عنایت اور دستگاہ کے وجہ سے بےحد مشہور تھا۔ کہتے ھیں کہ انیس واسطوں سے اس کا شجرہ عدی بن حاتم طائی سے جا ملتا ھے۔ والعلم عنداللہ۔ فی الحقیقت سلطان محمود خان کو بھی اس کی، سخاوت کا ورثہ ملا تھا۔ خواجہ احمد کے دو بیٹھے تھے عاقل خواجہ اتکہ اور عادل خواجہ، خواجہ عادل کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ میر فاضل کے پانچ بیٹے تھے: بابا احمد، سلطان محمود خان، میرعبدالفتاح، امیر سلطان اور میرعبدالواحد۔ ان میں سے ھر ایک کی ماں علحدہ تھی۔ سلطان محمود خان کی والدہ کاسی شال اور مستنگ کے افغانوں میں سے تھی۔ [۲۱۸]

کمسنی کے زمانہ میں جب کہ اس کی عمر ابھی صرف چودہ سال کی تھی، اپنے بہادرانہ کارناموں کے وجہ سے وہ شاہ بیگ کا منظور نظر ہوگیا تھا۔ جب شاہ بیگ نے تسخیر سندھ کا ارادہ کیا تو باغبان، کاھن، ٹلٹی اور ٹھٹھہ پر فوج کشی کے موقع پر اس نے میدان کارزار میں ھمت اور بہادری کا مظاھرہ کرتے ھوئے سب سے پہلے غنیم کے لشکر پر حملے کئے۔ شہر بکھر کو فتح کرنے کے بعد قندھار واپس جاتے وقت شاہ بیگ نے اپنے عالی مرتبہ امرا سے وھاں کی اقامت اختیار کرنے کے لئے بہت اصرار کیا۔ لیکن سبھوں نے انکار اور استغفار کیا اس موقع پر اس نے کم سنی کے باوجود یہ خدمت قبول کی اور صرف ستر آدمیوں کے ساتھ گیارہ مہینوں تک قلعہ کی حفاظت کرتا رھا اور مخالفوں کے انبوہ کثیر کا دل میں کوئی اندیشہ نہ لاتے ھوئے نہایت جرأت اور مردانگی کے ساتھ شاہ بیگ کے سندھ واپس آنے تک قلعہ کو بچاتا رھا۔ اس دوران میں گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ باھر نکل کر اس نے بارھا "دھاریجہ" اور "سوڈھا" قبائل کے لوگوں سے جنگ کی اور سارے معرکوں میں فتحمند رھا۔

سنہ ۹۲۷ھ میں جب شاہ بیگ سفر آخرت کو روانہ ھوگیا اور اس کی جگہ مرزا شاہ حسن موروثی ملک کا مالک ھوا تو اسوقت بھی سلطان محمود خان نے آمر آمرانی کی جنگ میں داد مردانگی و شجاعت دیتے ھوئے خوب تلوار چلائی اور آچ اور دلاور کے قلعوں نیز ملتان کے گرد و نواح میں بہادری اور

شیرانہ جسارتوں کے جوہر دکھاتے ہوئے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

سنہ ۹۴۴ھ میں وہ اپنے آدمیوں کی ایک فوج لے کر "ساتلمیر" کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا اور ان لوگوں کو لوٹنے اور قید کرنے کے بعد راستہ میں ایک جگہ منزل انداز ہوا۔ اس دوران میں اچانک غنیم نے شب خون مارا اور اپنے قیدیوں کو چھڑا کر جنگ کرنے لگا۔ سلطان محمود خان نیند سے بیدار ہوکر پا پیادہ باہر نکلا۔ اسی اثناء میں اس کی دستار سر سے گر پڑی۔ چونکہ دستار کھل گئی تھی اس لئے اس کا ایک سرا سلطان محمود خان کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا سوڈھوں کے سردار کمال (۱) کے ہاتھ لگا۔ [اس موقع پر] سلطان محمود خان دستار باندھتے ہوئے اس کی طرف چلتا جاتا تھا اور دستار کے جو پیچ [۲۱۹] زمین پر گر پڑے تھے انھیں اٹھاتا جاتا تھا۔ اس طرح جب وہ اس کے نزدیک جا پہونچا تو چونکہ اس وقت سلطان محمود کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہ تھا اس لئے اس نے ایک مٹھی ریت کی اٹھاکر اچانک اس کی آنکھوں پر ماری جس پر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملنے لگا اور سلطان محمود خان دستار باندھکر نکل گیا۔ راقم الحروف نے سلطان محمود خان سے سنا کہ اس موقع پر اسے نفیرچی ملگیا جسے اس نے نفیری بجانے کا حکم دیا۔ چنانچہ کچھ سپاہی اس کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ حسن علی پورانی نے اپنا گھوڑا سلطان محمود خان کے حوالہ کیا

---

(۱) اصل متن مین "جکمال" ہے لیکن نسخہ ر میں "کمال" ہے اس لئے اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

اس نے پھر سے مستعد ہو کر غنیم پر ایسا حملہ کیا کہ کافروں کے بیشتر آدمی قتل ہو گئے اور جو مال اور قیدی کہ وہ پہلے لایا تھا ان پر دوسری جماعت سمیت دوبارہ قبضہ کرلیا۔

گجرات اور کھنگار کی جنگ میں بھی اس نے بڑی دلیری اور شجاعت دکھائی تھی بلکہ کسی بھی میدان میں وہ اپنی طرف سے کسی کوتاھی پر راضی نہ ہوتا تھا۔ جنت مکانی بادشاہ بھی جب سندھ میں وارد ہوے تھے تو اس وقت بھی مردانگی کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہوئے اس نے بکھر کی قلعہ داری میں بیداری اور ہوشیاری کا [پورا] حق ادا کیا تھا۔ اس کے بعد روھڑی کے قلعہ کے باھر اس کا، شاھی لشکر کے اسن تیمور سلطان اور شیخ علی بیگ جلائر سے، جو مقابلہ ہوا تھا اس میں بھی اس نے شاندار حملوں اور بے مثل شجاعت کا مظاھرہ کیا تھا۔ چنانچہ شیخ علی بیگ اسی کے ھاتھوں قتل ہوا تھا۔

سنہ ۹۵۰ھ میں جب مرزا شاہ حسن نے حکومت سیوی مذکورہ خان کے حوالہ کی تو اس نے وھاں جا کر بلوچوں کے کتنے ھی قلعے، کہ جو برسوں سے ان کے قبضہ میں تھے، فتح کئے اور پہاڑ کے باغیوں اور سرکشوں کی گوشمالی کر کے انھیں اپنا فرمانبردار بنایا۔

۹۶۱ھ میں جب ارغوں اور ترخان مرزا شاہ حسن سے مخالفت اور منازعت کرنے لگے تو اس موقع پر بھی سیوی سے اپنے لشکر سمیت آکر اس نے ان لوگوں [۲۲۰] سے سخت معرکہ کئے اور انھیں مطیع بنایا۔ پھر جب مرزا شاہ حسن

مرض فالج میں گرفتار ہو کر چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور سوائے بات کرنے کے اس کے قویٰ میں حرکت کی طاقت نہ رہی تو اس نے مرزا عیسیٰ سے صلح کر کے آپس میں عہد نامہ کیا۔ مرزا شاہ حسن کے انتقال کرجانے کے بعد ۹۶۲ھ میں بکھر، ماتھیلہ اور ان کے جملہ قصبہ جات کی حکومت اس کے تصرف میں آئی ۔ اسی سال وہ ماہ ربیع الثانی میں بکھر آیا اور امرا کی تعزیت کی رسمیں انجام دے کر حکومت اور سلطنت کی مسند پرمتمکن ھوا۔ بکھر کا نواحی علاقہ کہ جو بلوچوں اور سموں وغیرہ کے مظالم سے ویران ہوچکا تھا تھوڑے ھی عرصہ میں آباد ہو گیا ۔ سلطان محمود خان نے فسادیوں اور سرکشوں کا بندوبست کرکے ان سرکشوں کا اس طرح قلع قمع کیا کہ اس کی زندگی کے آخیر تک وہ لوگ اس کے مطیع و فرمانبرار رہے۔

سنہ ۹۶۳ھ میں جب بہادر خان، قباد خان، یعقوب بیگ، شاہ تردی بیگ، مظفر خان اور ترسون محمد خان قندھار سے بکھر آئے تو سلطان محمود خان نے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آکر اس جماعت کی ضروریات کا انتظام کیا اور اسے ہندوستان روانہ کیا ۔ اسی سال کے آخر میں وہ شاہ ابوالمعالی کو قید کر کے بکھر لایا اور سات ماہ تک قید میں رکھا ۔ پھر جب بادشاہ سلامت کا حکم صادر ہوا تو اسے ملتان کی راہ سے بارگاہ کی جانب روانہ کردیا ۔

۹۶۴ھ کی ابتدا میں ارغونوں کے بہکائے میں آکر مرزا عیسیٰ ترخان ایک بڑا لشکر لے کر بکھر آیا اور پندرہ دن

مسکین ترخان کے تخت کے سامنے اقامت اختیار کر کے لڑتا رہا ۔ اس دوران میں ایک مرتبہ [دونوں فوجوں کی] صفوں میں باہم جنگ بھی ہوئی ۔ [۲۲۱] چونکہ مرزا شاہ حسن کے امیروں سے ، جو کہ اس کی خدمت میں تھے، سلطان محمود خان کو بدظن کیا گیا تھا کہ مرزا عیسیٰ انھی لوگوں کے بلاوے پر آیا ہے اور ماہ بیگم نے بھی اس بارے میں کچھ لکھا تھا ، اس لئے وہ خود قلعہ سے باہر نکلا ۔ اس جنگ میں مرزا عیسیٰ کا جو بھی آدمی سلطان محمود خان کے ھاتھ آتا وہ اسے قتل کرادیتا ۔ لیکن سلطان محمود خان کا جو آدمی مرزا عیسیٰ کے ہتھے چڑھتا اسے وہ چھوڑدیتا ۔ جنگ ختم ھونے کے بعد مرزا عیسیٰ نے میر مقصود قبق کو ایلچی بنا کر بھیجا اور سلطان محمود خان کی والدہ کو لکھا کہ اگر سلطان محمود خان مجھ سے آکر ملاقات کرے تو کدورت دور کر کے میں واپس چلا جاؤں ۔ لیکن سلطان محمود خان نے سختی ظاھر کی اور درشت کلمات لکھ کر شاہ قطب الدین کے داماد میر حاج کے ھاتھوں مرزا عیسیٰ کے پاس بھیج دیئے ۔

[اسی زمانہ میں] ملا محب علی کی چغلی پر ، کہ جو اس عہد کا مطلق العنان وکیل تھا ، میر لطفی ، ملا منشی اور درویش محمد ، شیر محمد ، احمد غزنوی معہ فرزندوں کے قتل کردیئے گئے ۔ انھی دنوں فرنگیوں کی ایک جماعت نے کہ جسے مرزا عیسیٰ نے مدد کے لئے طلب کیا تھا، ٹھٹھ میں پھونچ کر جمعہ کے دن جب کہ چھوٹے بڑے [سب] جامع مسجد

میں موجود تھے ، مسجد کے ارد گرد اور شہر کی اکثر گلیوں میں دارو چھڑک کر چاروں طرف سے شہر میں آگ لگادی ۔ اکثر لوگ کہ جو مسجد میں تھے قتل ہوگئے اور کتنے ہی شہری ، آگ میں جل گئے اور فرنگیوں نے سارے شہر کو لوٹ کر برباد کردیا ۔ یہ خبر سنتے ہی مرزا عیسیٰ غصہ میں آکر واپس ہوا ۔ ایک ہفتہ بعد سلطان محمود خان بھی بکھر سے لشکر لے کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوا اور سیوستان تک پہونچ کر دریا کے دونوں کناروں کی ربیع کی فصل کو پامال کرکے برباد کریا ۔ اس کے بعد اس نے سیوستان کے چاروں طرف کے باغات کو بھی ویران کردینا چاہا لیکن راقم الحروف کے دادا سیادت پناہ سید میر کلاں کی سفارش پر اس ارادہ سے باز آیا ۔ واپسی کے وقت شیخ الاسلام عبدالوہاب پورانی مرزا عیسیٰ کی جانب سے ایلچی ہوکر آئے اور دربیلہ کے قرب و جوار میں سلطان محمود سے [۲۲۲] ملاقات کرکے صلح و اتفاق کی بنیادیں مستحکم کیں اور نئے سرے سے عہد و پیمان مضبوط کرکے [انھوں نے] نئی دستاویز لکھ کر اور اس پر مہر لگا کر اس کے حوالہ کی ، کہ آج کے بعد پھر کبھی وعدہ خلافی نہ ہوگی ۔

مذکورہ سال کے آخر میں بیرم خان کے آدمیوں نے خواجہ معظم کو لاکر بکھر میں رکھا ۔ چھ مہینے بعد اسے گجرات جانے کی اجازت ملی ۔ اسی سال شاہ محمد خان قندھاری ، قندھار کو سلطان حسین مرزا بن بہرام مرزا کے حوالہ کرکے خود ہندوستان چلا گیا ۔

سنہ ۹۶۵ھ میں خان جہان کا باپ ولی بیگ بکھر آیا۔ سلطان محمود خان نے اس سے خصوصیت کی راہ اختیار کی اور نہایت خوشی اور دوستی کی روش سے پیش آیا۔

اسی سال ولی بیگ کی کوشش سے خانخانان بیرم خاں کی عزیز گوہر تاج خانم بنت شاہ تردی بیگ، سلطان محمود خان کے نکاح میں آئی۔ [اس موقع پر] عجیب طریقہ سے شہر اور بازار میں آئین بندی کرکے محرابیں بنائی گئیں اور متعدد محفلیں آراستہ کرکے [سلطان محمود خان نے] طرح طرح سے حظ حاصل کیا۔

اسی سال وہ ظل الٰہی شہنشاہ طہماسپ کی جانب سے خانی کے خطاب، علم، نقارہ، دس هزاری پرچم اور خلعت کی نوازشات سے ممتاز اور سرفراز ہوا۔

سنہ ۹۶۵ھ مین ملا محب علی بارگاہ عالم پناہ میں ایلچی ہوکر گیا اور بلوچوں کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے آچ، ججو واهن اور بھٹی واهن کے علاقے سلطان محمود کی جاگیر مقرر ہوئے۔

چونکہ سلطان محمود خان کے آدمیوں اور خان ناهر کے مابین ادائیگی اور[۲۲۳] لین دین پر تنازعہ ہوگیا تھا اس لئے خان ناهر کو تنبیہ و تاکید کرنے کے لئے سلطان محمود خان سنہ ۹۶۶ھ میں سیتپور روانہ ہوا اور جاکر دو ماہ تک قلعہ سیتپور کا محاصرہ جاری رکھا جس میں ناهر خان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ جب اہل قلعہ عاجز آگئے تو سیادت پناہ خواجہ کلاں، مسکین مودودی فضائل دستگاہ مولانا عبداللہ

مفتی اور میر یار محمد صدر کی سفارش پر ناھر خان گلے میں تلوار حمائل کرکے قلعہ کی فصیل پر آیا اور عجز و انکسار ظاھر کرتے ھوئے چار لاکھ لاری (۱) ادا کرنے کے ساتھ تقصیر کی معافی طلب کی جس پر خان موصوف صلح کی بنیاد رکھ کر بکھر واپس لوٹ آیا۔

اسی سال اس نے اپنے بھائی امیر سلطان، کو جس کے بارے میں اسے شک پیدا ھو گیا تھا، ھندوستان جانے کی رخصت دی اس کا عزیز ابوالخیر [اس موقع پر] بغیر اجازت ھندوستان چلا گیا۔

سنہ ۹۶۶ھ میں اسے خبر ملی کہ بیرم خان مکہ شریف کے ارادہ سے روانہ ھوا ھے اور اس راہ پر آرھا ھے۔ [یہ خبر سن کر] سلطان محمود خان نے یہ خیال کیا کہ چونکہ جنت آشیانی کو یہ جگہ پسند آگئی تھی اور انھوں نے یہاں کافی عرصہ قیام کیا تھا حتیٰ کہ تنگی اس حد کو جا پہونچی تھی وہ موتیوں کے عوض جوار خریدنے لگے تھے اور بیشتر لوگ اس تنگی میں تلف ھوگئے تھے چنانچہ ایسا نہ ھو کہ بیرم خان کو بھی یہ جگہ پسند آجائے اور وہ یہاں کی اقامت اختیار کرے۔ یہ خیال کرکے اس نے ببرلو کے چار باغ کو ویران کرنے کا حکم دے کر برباد کرادیا۔ سلطان محمود کا ولی بیگ سے رشتہ ھونے کی وجہ سے بیرم خان کا بکھر آنے کا ارادہ تھا لیکن یہ خبر سن کر کہ سلطان محمود خان نے چار باغ کو ویران کر دیا ھے وہ پٹن کی راہ سے گجرات کی طرف چلا گیا۔

---

(۱) ایک رائج الوقت سکہ۔

سنہ ۹۶۸ھ میں مرزا محمد باقی ترخان ، باپ اور بھائی سے رنجیدہ ہوکر بکھر چلا آیا ۔ سلطان محمود خان اس سے نوازش اور مہربانی کے ساتھ پیش آیا اور اسے مناسب مقام پر جگہ دے کر [اس کے ساتھ] مروت اور انسانیت کا سلوک کیا ۔ [۲۲۴]

سنہ ۹۶۹ھ میں شاہ طہماسپ کا ایلچی حق بردی بیگ لعلوں کا ھار، تاج، مرصع کمر بند، قیمتی خلعت، چتر، اتاغم (۱) جیغۂ زلف (۲) عقار (۳) اور دیگر انواع و اقسام کے عطیات اور شاھی انعامات لے کر آیا۔ سلطان محمود خان اس کا استقبال کر کے ان مہربانیوں سے مشرف ہوا اور ایک سال تک بردی بیگ کو اپنے پاس [مہمان] رکھ کر اور دوسرے سال عمدہ تحائف مہیّا کر کے سید ابوالمکارم کے ساتھ عراق روانہ کیا۔ شاہ طہماسپ نے حق بردی بیگ کو دوسری مرتبہ پھر ابوالمکارم کے ساتھ بھیجا اور سلطان محمود خان کو "خان خانی" کے خطاب اور طرح طرح کی نوازشوں اور مہربانیوں سے سرفراز کیا۔

۹۷۰ھ میں مرزا محمد صالح ایک بلوچ کے ھاتھوں زخمی ہوکر شہید ہوگیا۔ چنانچہ اسی سال سلطان محمود خان نے

---

(۱) ایک قسم کا پھول کہ جو بعض خاص پرندوں کے پروں سے تیار کرتے ھیں۔

(۲) عمامہ یا صافہ میں لگانے کا ایک زیور، طرہ ۔

(۳) سرخ یا مختلف رنگوں کا ایک قسم کا قیمتی کپڑا : شاندار پردے وغیرہ ۔

مولانا عبداللہ مفتی اور میر عبدالمجید کو مرزا صالح کی تعزیت کے لئے مرزا عیسی خان کے پاس بھیج کر مرزا محمد باقی کے گناہ معاف کردینے کے لئے درخواست کی۔ مرزا عیسی نے یہ عرض قبول کر کے شیخ عبدالوہاب اور میر یار محمد تر خان کو سلطان محمود خان کے پاس بھیج کر بے حد نرمی کا اظہار کیا۔ واپسی پر مولانا عبداللہ نے آخرت کا سفر اختیار کیا۔ ان عزیزوں کے بکھر میں پہونچنے کے بعد سلطان، محمود خان نے مرزا محمد باقی کو انتہائی عزت و اکرام کے ساتھ روانہ کردیا۔

سنہ ۹۷۳ھ میں ارغون، مرزا عیسی کے مخالف ہوگئے اور تقریباً ایک ماہ تک تنازع اور فسادات کرتے رہے۔ آخرکار سربراہوں اور ممتاز افراد نے اس فتنہ کو ٹال کر فساد کا غبار صاف کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کچھ پرگنے ارغونوں کے قبضہ میں رہیں گے۔ لیکن دریا پار کرتے وقت مرزا محمد باقی نے ان پر آتش بازی سر کی جس کی وجہ سے ان کے بہت سے آدمی تلف ہوگئے اور [۲۲۵] بہت سے جلا وطن ہوکر کیبک، عوض، شاہ منصور، تیمور اور مراد حسین کے ساتھ بکھر چلے آئے۔ ان کے آتے ہی پہلے تو سلطان محمود خان نے ان سب کو گرفتار کرلیا لیکن پھر اپنی والدہ کے مشورہ سے انھیں قیمتی خلعتیں اور عراقی گھوڑے عطا کر کے مہربانیوں اور نوازشات کے ساتھ پیش آیا۔ پھر ان لوگوں کی درخواست پر اپنے آدمی ان کے ساتھ کئے جنھوں نے جا کر سیوستان کا محاصرہ کرلیا۔ تقریباً چار پانچ ماہ محاصرہ جاری رہا۔ لیکن جب دریا میں باڑھ آئی تو مرزا عیسی

نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ آکر انہیں وہاں سے نکال دیا۔ موضع رفیان کے سامنے دونوں فریقوں کی آپس میں جنگ ہوئی جس میں سلطان محمود خان کے خاصے آدمی قتل ہوئے اور وہ شکست کھا گئے۔ مرزا عیسی دربیلہ کے سامنے خندقیں کھود کر بیٹھ رہا۔ اسی اثناء میں فریقین میں خط و کتابت جاری ہوئی اور گلہ آمیز خطوط کے بعد بالآخر انہوں نے آپس میں صلح کا فیصلہ کیا جس پر مرزا عیسی ٹھٹھہ واپس لوٹ گیا۔ مرزا عیسی کے اس دارفنا سے دارالبقا کو رحلت کر جانے اور مرزا محمد باقی کے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے واقعات اپنی جگہ پر بیان کئے جا چکے ہیں۔

مذکورہ حقایق کی تفصیلات اور ناہید بیگم کا اپنی والدہ سے ملاقات کے لئے آنا

اس سے کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ماہ بیگم، حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے ہاتھ آ گئی تھی اور وہیں اس کی لڑکی ناہید بیگم کی ولادت ہوئی تھی لیکن ماہ بیگم اسے کابل ہی میں چھوڑ کر قندھار بھاگ آئی تھی۔ چنانچہ اب جبکہ حضرت ظل الہٰی خلافت پناہی جلال الدین اکبر بادشاہ غازی نے ہندوستان فتح کیا تو ناہید بیگم کو ٹھٹھہ آکر اپنی والدہ سے ملاقات کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ حضور سے اجازت حاصل کر کے اور ٹھٹھہ آکر اس نے ماہ بیگم سے ملاقات کی

اور مرزا محمد باقی سے اپنی بیٹی کا رشتہ بھی کردیا۔ اس کی یہ بیٹی محمد باقی کے بھائی جان بابا کی شبخون والی جنگ میں قتل ہوگئی ۔ محمد باقی نے اپنی بیٹی کو ناھید بیگم کے ساتھ [۲۲۲] بارگاہ معلیٰ کی طرف روانہ کیا۔ اسی اثناء میں ارغونوں نے بغاوت کی اور ناھید بیگم کو اپنے ساتھ شامل کرکے ٹھٹھہ پر فوج کشی کی لیکن محمد باقی سے انھوں نے شکست کھائی ۔ فرار ہوکر وہ بکھر چلے گئے اور محمد باقی نے ماہ بیگم کو ایک کوٹھری میں قید کرکے اس کا کھانا پانی بند کردیا جس کی وجہ سے وہ آخرکار اسی حالت میں دنیا سے رحلت کرگئی۔

[ادھر] سلطان محمود خان نے ناھید بیگم سے کہا کہ اگر تم میرے نام شاھی فرمان لے آؤ تو میں تمھارے ساتھ چل کر محمد باقی سے تمھارا انتقام لوں۔ ناھید بیگم نے بارگاہِ معلیٰ میں پہونچ کر حال بیان کیا اور سلطان محمود خان کے نام پروانہ حاصل کرکے بغیر کسی مزید کمک کے صرف سلطان محمود خان کے قول پر اعتبار کرتے ہوئے بکھر روانہ ہوگئی۔ محب‌علی خان اور مجاھد خان سے بھی‌اس نے درخواست کی کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ حضرت بادشاہ نے ملتان کے قرب و جوار کے مواضعات فتح پور اور کھرور ان کی جاگیر مقرر کرکے انھیں بھی رخصت دی۔ اِدھر ارغونوں کی جو جماعت محمد باقی کے پاس سے بھاگ کر سلطان محمود خان کے پاس آئی تھی اور سلطان محمود خان نے ان سے بدگمان

ہو کر انھیں پا پیادہ بکھر سے نکال کر ہندوستان جانے کی اجازت دی تھی، وہ جماعت راستہ میں محب علی خان، مجاہد خان اور ناہید بیگم سے آ ملی۔ چونکہ ان کا ٹھٹھہ جانے کا ارادہ تھا اس لئے انھوں نے ان دو تین سو ارغونوں کو بھی دلاسہ دے کر اپنے ساتھ [شامل] کرلیا۔ یہ خبر جب سلطان محمود خان کو ملی تو چونکہ اس نے اس جماعت کو نکال دیا تھا اس لئے وہ سخت غضبناک ہوا۔ اسی اثناء میں محب علی خان، مجاہد خان اور ناہید بیگم کے خطوط پہونچے کہ تمھارے وعدہ کے مطابق ہم آ رہے ہیں اور اباوڑی تک آ پہونچے ہیں کہ جو بکھر سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے لیکن سلطان محمود خان سخت برہم ہوا اور جواب میں انھیں سخت قسم کے خطوط لکھے۔ سلطان محمود خان کے ایسے خطوط جب محب علی خان، مجاہد خان اور ناہید بیگم کو ملے تو انھیں پڑھ کر وہ سخت حیران ہوئے کہ ہم نے تو محض سلطان محمود خان کی دلیری پر اعتبار کرتے ہوئے حضرت شہنشاہ سے بغیر کمک کے اجازت حاصل کی [۲۲۷] مگر اب وہ ہم سے اس طرح پیش آرہا ہے۔ آخر کار ان کے ساتھ جو آدمی تھے انھیں اور ارغونوں کو بلا کر انھوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ سبھوں نے کھرور واپس لوٹ جانے اور وہاں سے حضرت [بادشاہ] کی خدمت میں عرضداشت بھیج کر کمک طلب کرنے کی رائے دی۔ اسی دوران میں انھوں نے قلچ بہادر اوزبک کو بھی اپنے ساتھ لے لیا کہ جو [تازہ] ولایت سے آیا تھا چنانچہ اس سے بھی انھوں نے رائے پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ

میں مسافر ہوں، آپ لوگوں کی جو رائے ہوگی اس کا تابع رہوں گا۔
لیکن جب اس سے بار بار زور دے کر پوچھا گیا تو اس نے کہا
کہ میں سپاہی آدمی ہوں۔ ایک گروہ میرے ہمراہ کیجئے تا کہ
میں جا کر سلطان محمود خان کے لشکر سے ایک معرکہ کروں۔ اگر
میں قتل ہوجاؤں تو آپ لوگ واپس چلے جائیں لیکن اگر مجھے فتح
نصیب ہوئی تو پھر [ظاھر ھے کہ آپ کا] مقصد حاصل ہوجائے گا۔
مجاھد خان بھی چونکہ بہادر انسان تھا اس لئے اس نے بھی کہا
کہ یہ نہایت مناسب تجویز ھے، سب سے پہلے میں اس سے اتفاق کرتا
ہوں اور آگے بڑھتا ہوں۔ اس طرح ارغونی جماعت میں سے پچیس
افراد نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم آگے بڑھیں گے اور بالآخر تیس آدمیوں
کا گروہ جس نے کہ جنگ کرنے کا اقرار کیا تھا مقدمہ کی حیثیت
سے آگے ھوا اور باقی ماندہ ایک سو بیس آدمی ان کے پیچھے ہولئے
اور یہ فیصلہ کرکے وہ اباوڑی سے کوچ کرکے ماتھیلہ کی طرف
روانہ ہوئے۔ سلطان محمود خان کا تقریباً دو ہزار کا لشکر
جو کہ ماتھیلہ کے قلعہ میں سلطان محمود خان کے غلام مبارک خان
کے ساتھ تھا وہ باھر نکل کر ان سے جنگ کے لئے مستعد ھوا۔
مجاھد خان اور قلچ بہادر نے آگے بڑھ کر دھاوا بولا اور شدید
جنگ کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح دی اور مبارک خان
فرار ھوکر لشکر سمیت ماتھیلہ کے قلعہ میں چلا گیا۔ مجاھد خان
نے یہ فتح [مقدمہ کے] انھیں چند آدمیوں کے ساتھ حاصل کی اور
دوسری جماعت کے جنگ کرنے کی نوبت ھی نہ آئی۔ [اس طرح]
"کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" [کا قول]

اس جگہ ظاہر ہوا۔ مبارک خان نے ماتھیلہ کے قلعہ میں محصور ہو کر سلطان محمود خان کی خدمت میں حقیقت حال [۲۲۸] تحریر کی۔ چنانچہ اس نے اہل "ماتھیلہ" کی مدد کے لئے زین العابدین سلطان کی سرکردگی میں دو تین ہزار سوار روانہ کردیئے۔ جب زین العابدین لنجواری میں پہونچا، جو بکھر سے ۱۸ کوس کے فاصلہ پر ہے، تو مجاھد خان کو اس کی آمد کی خبر ملی۔ اسی اثناء میں سلطان محمود خان کا ایک عزیز ابوالخیر گور، کہ جو بے حد باھمت تھا، ملتان سے آکر مجاھد خان سے ملا جسے اس نے ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ زین العابدین سلطان سے جنگ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ سلطان زین العابدین، لنجواری سے کوچ کرنا ھی چاھتا تھا کہ اسے ابوالخیر کی آمد کی خبر ملی۔ اس پر اپنے خاص عملہ کو لنجواری کے قلعہ میں متعین کرکے وہ ابوالخیر سے جنگ کرنے کے لئے ایک کوس آگے بڑھ آیا۔ [یہاں] ان کے مابین [پہلے] سخت جنگ ھوئی لیکن ابوالخیر کے حملہ کرتے ھی سلطان زین العابدین کی سپاہ بھاگ کھڑی ھوئی البتہ زین العابدین ایک گروہ کے ساتھ جم کر کچھ دیر جنگ کرتا رھا۔ اس موقع پر سلطان محمود خان کا ایک عزیز حیدر بیگ نامی سخت حملے کرنے کے بعد بالآخر قتل ھوگیا۔ سلطان زین العابدین نے [جب یہ] دیکھا کہ [اس کے] میمنہ، میسرہ اور قلب کے بیشتر سپاھی بھاگ چکے ھین اور اس کے ساتھ کوئی بھی نھیں رھا ھے تو وہ بھی پلٹ کر لنجواری جا پہونچا اور مجاھد خان کے سپاھی حیرت انگیز فتح حاصل کر کے مرزا مجاھد خان کے پاس لوٹ آئے۔ اس شکست

سے ماتھیلہ کے قلعہ میں محصور لوگوں کے دل ٹوٹ گئے اور یکم صفر ۹۸۰ھ کو مبارک خان پناہ طلب کر کے قلعہ سے باھر نکلا اور مجاھد خان قلعہ میں داخل ھوکر ماتھیلہ پرگنہ پر متصرف ھوگیا ۔

ادھر ماہ مذکور کی ۲۰ تاریخ کو نواب اعتماد خان ، جو کہ حضرت شہنشاہ کی جانب سے سلطان محمود خان کی دختر کو لانے پر مامور ھوا تھا ، بکھر پھونچا اور قیمتی شاھی خلعت ، مرصع نیام ، زین و لگام سمیت گھوڑا اور چار ھاتھی اپنے ساتھ لایا ۔ سلطان محمود خان بھی اپنی حیثیت کے مطابق شاھانہ جھیز اور تحائف کی فراھمی میں لگ گیا [۲۲۹] اورطرح طرح کے قیمتی کپڑے ، انواع و اقسام کے جواھرت اور زرکار ھتھیار مہیّا کر کے اس نے ھر طرح تیاری کی مثلاً جشن و مسرت کا اھتمام کر کے عام محلفیں منعقد کیں اور خلق کو خوب جی کھول کر کھلایا پلایا ۔ پندرہ دن تک اس کا دستر خوان دونوں وقت ھر ایک کے لئے کھلا رھا ۔ ھر روز تقریباً پانچ سو مویشی باورچیخانہ میں صرف ھوتے تھے ۔ جس دن محفل نکاح منعقد ھوئی اس دن کثیر علما ، مشائخ اور سرکردہ افراد اکٹھے ھوئے اس نے ھر ایک کو مناسب تحائف پیش کئے اور باورچیوں نے نہایت لذیذ کھانے پکا کر دیوان خانہ کے صحن میں تقسیم کئے ۔ اس کے بعد اعتماد خان کو تیس ھزار روپئے نقد و جنس میں انعام دے کر [اس نے] پندرہ رجب ،سال رواں، کے دن حرم محترم کو سلطان زین العابدین ،

نوروز خان اور دیگر معتمد افراد اور عصمت پناہ پردہ نشین خواتین کے ساتھ جیسلمیر کی راہ سے روانہ کیا ۔

یہ لوگ جب جیلسمیر پہونچے تو اس وقت حضرت ظل الٰہی شہر ناگور میں تشریف فرما ہوکر شکار میں مشغول تھے اور میر محمد خان اتکہ کو سروھی کی تسخیر کے لئے بھیج کر خبروں کا انتظار کر رہے تھے - اسی اثناء میں اچانک ایک راجپوت نے ایلچی کے بھیس میں میر محمد خان پر خنجر کا وار کر کے اسے زخمی کردیا ۔ چنانچہ حضرت بادشاہ فوراً ہی اس طرف باگ موڑ کر منزلیں طے کرتے ہوئے تسخیر گجرات کے لئے روانہ ہوگئے ۔

ادھر ان لوگوں کو روانہ کرنے کے بعد سلطان محمود خان نے مبارک خان کو، جسے کہ اس نے ملک و دولت کا سارا کاروبار سپرد کر رکھا تھا ، مکمل اعتماد کے ساتھ ڈیڑھ ہزار مکمل ھتھیار بند اور بہادر سواروں کی جمیعت دے کر آلنوٗر پر مامور کیا تاکہ وہاں رہ کر وہ مخالفت کو رفع دفع کرتا رہے ۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سلطان محمود خان کے قصر دولت و حکومت کے انہدام کا فیصلہ کرچکی تھی اس لئے وہ لشکر مخالفوں سے متفق ہوکر اس سے باغی ہوگیا ۔ [۲۳۰]

تفرقہ و پریشانی اور سلطان محمود خان کے عالم فانی سے جہانِ جاودانی کی طرف انتقال کر جانے کا بیان

اس جہانِ پر ملال کی بقا آفتاب کے کمال کی مانند

سریع الزوال ہے اور آفتاب جاہ و جلال ابر کی دھوپ کی مانند ناپائیدار ہے ۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی حاکم کے زوال سے وابستہ ہوجاتی ہے تو کثیر افواج سے اس کا ثبات ہرگز ممکن نہیں رہتا اور جب مالک الملک لا یزال کا ارادہ کسی امیر کے لشکر کو منتشر کرنے کا ہوتا ہے تو باوجود صحیح عقلی تدابیر کے وہ ہرگز نہیں ٹھیر سکتا ۔

اذا ما ارادالله تغیر دولته فان قضاءالحق لا یدافع
فکیف بقاءُ الملک من دون حکمته ولا ینفع التدبیر والحکم قاطع

[جب خدا کسی دولت (مملکت) میں کوئی تغیر پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کی تقدیر پر کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوتا ۔ خدا کے حکم کے بغیر ملک میں استقامت کیسے رہ سکتی ہے کہ جب اس کا حکم قاطع کسی تدبیر سے ٹل ہی نہیں سکتا] ۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب بادشاہ قدیر کی تقدیر، سلطان محمود خان کی دولت اور زندگانی کے انہدام سے متعلق ہوگئی تو کثیر اسباب اور آدمیوں کے ہوتے ہوئے ..... (۱) ۔

سلطان زین العابدین اور نوروز خان کو جو کہ ملک کے لئے پشتہ تھے اپنی بیٹی کے ساتھ بارگاہ عالم میں روانہ کرنے کے بعد حکومت کی باگیں اس نے مبارک خان اور اس کے بیٹے بیگ اوغلی کے ہاتھوں میں دے دیں ۔ مبارک خان کی

---

(۱) اس مقام پر جملہ نسخوں میں خلا ہے ۔

بیوی جو کہ ایک دانا عورت تھی وہ بھی اس سفر میں خان کی بیٹی کے ہمرکاب جاچکی تھی -

اذھر بیگ اوغلی ھمیشہ شغل مے نوشی میں مشغول رہا کرتا تھا - چنانچہ کچھ اوباش لوگوں نے آکر اسے بھکایا کہ سلطان محمود خان اب ضعیف ھو چکا ھے اگر وہ نہ رہے گا تو یقیناً تو اس ملک کا مالک بن جائے گا - غرض اس نے نمکحرام ھوکر اپنے مالک کو قتل کرادینے کا ارادہ کرکے سلطان محمود خان کے کچھ ملازموں کو اپنے ساتھ ملالیا -

جب اس بات کو کچھ دن گذر گئے تو یہ خبر مشہور ھونے لگی - سلطان محمود خان کے ایک تمغاچی نامی ھندو ملازم نے بیگ اوغلی کی خیانت اور دست درازی کا حال [۲۳۱] اس کے حضور میں عرض کیا - یہ خبر پاتے ھی بیگ اوغلی ، شام کے وقت دروازہ خواجہ خضر سے ، کہ جو اس کی نگرانی میں تھا ، باھر نکل کر اور اپنی بہن اور بیوی کو ساتھ لےکر راتوں رات "آلسُوْر" میں مبارک خان سے جا ملا اور اس سے [جاکر] کہا کہ [چونکہ] سلطان محمود خان نےمجھے اور تجھے قتل کردینے کا قصد کیا ھے اس لئے یہ خبر پاکر میں وھاں سے نکل آیاھوں اب ھمیں اپنی آزادی کی فکر کرنی چاھئے - اس رات یہ بدبخت سپاھیوں کو بار بار بلاکر انھیں سلطان محمود خان کی مخالفت کی ترغیب دیتا رھا - مبارک خان کا ارادہ تھا کہ بال بچوں سمیت ناگور پہونچ کر وھاں سے حضرت شہنشاہ کی ملازمت میں حاضر ھو مگر کچھ

لوگوں نے اسے ورغلایا کہ سب لوگ تجھ سے متفق ھیں اس لئے تجھے یہاں سے سوار ھو کر بکھر پہونچنا چاھئے اور وھاں جا کر عنانِ حکومت اپنے ھاتھ میں لینا چاھئے۔ چنانچہ اسی صبح کو مبارک خان دمامے بجاتا روھڑی آ پہونچا اور لشکر کی صفیں آراستہ کر کے قلعہ کے سامنے ڈٹ گیا۔ سلطان محمود خان نے مبارک خان کے پاس پروانہ بھیجا کہ میں نے تجھے دو سو سیاہ لیروں (۱) میں خرید کر اس مرتبہ تک پہونچایا ھے لیکن اب تو نمکحرامی پر آمادہ ھے؟ بہتر ھے کہ اپنی تقصیر کی معافی طلب کر کے حرمین شریفین کی راہ اختیار کر۔ بیگ اوغلی نے اس پر نامناسب جواب لکھ کر بھیجا۔ لیکن تھوڑی ھی دیر بعد سلطان محمود خان کے ملازم اس سے جدا ھو کر دریا کے کنارے کنارے قلعہ کی طرف چل دیئے اور وہ پریشان ھو کر گجرات کا ارادہ کر کے الور روانہ ھو گیا۔ کچھ لشکر بھی اس کے ساتھ ھولیا۔

مورخہ ۲۲ رجب سنہ ۹۸۰ھ کو بیگ اوغلی کچھ آدمی ساتھ لے کر محب علی خان اور مجاھد خان کے پاس جا پہونچا اور ان سے سلطان محمود خان کی مخالفت اور ان کی موافقت کا اظہار کیا۔ چنانچہ مجاھد خان اسی صبح کو سوار ھو کر اور اپنے آدمی ساتھ لے کر روھڑی روانہ ھوا۔ اس طرف سے مبارک خان ان کے استقبال کے لئے آیا۔ دونوں لشکروں کے مل جانے کے بعد محب علی خان [۲۳۲] اور مجاھد خان آ کر

---

(۱) رائج الوقت سکّے

روہڑی میں منزل انداز ہوئے۔ سلطان محمود خان جو کہ قلعہ میں تھا اس پر بڑا متاسف ہوا مگر پھر وہ سکھر کے سارے باشندوں کو بکھر کے قلعہ میں لے آیا جس کی وجہ سے قلعہ سپاھیوں اور دوسرے آدمیوں سے بھر گیا۔ انھی دنوں نواب سعید خان اچانک روہڑی سے توپ کے گولے جتنے فاصلہ پر آکر منزل انداز ہوا۔ [اس موقع پر] ارغون جو کہ مبارک خان اور بیگ اوغلی سے جلے بیٹھے تھے انھوں نے محب علی خان اور مجاھد خان پر ظاھر کیا کہ سعید خان، مبارک خان کے بلاوے پر آیا ھے۔ آج رات کو مبارک خان یہاں سے نکل کر اس کے پاس چلا جائے گا اور پھر تمھارا معاملہ درست نہ ھوسکے گا۔ اس پر محب علی خان اور مجاھد خان نے انھیں بھاری بیڑیوں میں قید کرکے ان کے مال و متاع پر قبضہ کرلیا۔ خواجہ مناج کا بیٹا روہڑی سے بھاگ کر مذکورہ خان کے پاس چلا گیا تھا۔ چنانچہ [انھوں نے] خواجہ مناج کو بھی قید کرلیا۔ کچھہ عرصہ بعد سعید خان نے موضع گندران میں لوٹ مار کی جس پر سلطان محمود خان نے اسے لکھا کہ آپ کس لئے آئے ھیں؟ [یہ خط پاکر] معذرت کرکے اور وھاں سے ڈیرہ اٹھاکر وہ ملتان چلا گیا۔ اس کے بعد مجاھد خان طاقت حاصل کرکے جنگ کرنے کے لئے مستعد ھوگیا۔

سلطان محمود خان نے اپنے بھتیجے محمد قلی بیگ کو غراب میں سوار کرکے جنگ کے لئے روانہ کیا۔ اتفاقاً جنگ کے دوران میں آگ کا ایک گولہ اڑتا ھوا اس کے بارود کے ذخیرہ پر آ گرا

جس پر آگ کا ایک بڑا الاؤ بھڑک اٹھا اور محمد قلی بیگ
اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آگ میں جل کر اور دریا میں
ڈوب کر اپنی جانیں مالک الارواح کے حوالہ کیں اور عجیب
قسم کی شکست کھائی۔ کچھ عرصہ بعد مجاھد خان کے
آدمیوں نے کچھ کشتیاں حاصل کرلیں اور پھنواری کے قریب
سے، جو کہ بکھر سے پانچ کوس پر ھے، دریا پار کرکے وہ سکھر
جا پھونچے۔ پھر جب بھی جنگ ھوتی بکھر کے لوگ شکست
کھاکر بھاگ جاتے۔ بالآخر ایک دن انھوں نے سکھر کے دریا
پر پل بنا کر اپنا سارا لشکر اس پار عبور کرادیا۔ [اس طرف سے]
ترکوں کی وہ جماعت کہ جو [۲۳۳] سلطان حسین مرزا قندھاری
کے ایلچی خواجہ محمد رحیم کے ساتھ بکھر آئی تھی وہ بھی
قلعہ سے باھر نکل کر ان کے مقابلہ پر آئی۔ سلطان محمود خان
اپنے بھائی امیر سلطان کے برج پر جا بیٹھا کہ جو مشرق کی
طرف تھا۔ مجاھد خان نے سپاھیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر
صف کے قلب پر حملہ کیا اور جنگ چھڑ گئی۔ بکھر کے چند
جوانوں نے بھی ھمت کے ساتھ وھاں پھونچ کر خوب حملے
کئے لیکن چونکہ ایک تو بکھر کے لشکر کا کوئی سردار نہ
تھا دوسرے قسمت نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا چنانچہ وہ شکست
کھاکر بھاگے اور کتنے ھی آدمی میدان جنگ میں قتل ھوگئے۔
یہ جنگ دیکھ کر سلطان محمود خان نے قلعہ بند ھوکر بیٹھ
رھنے کا فیصلہ کیا اور قلعہ کے اسلحہ جات اور آلہ جات [کی مدد] سے
جنگ کرنے لگا۔ جب قلعہ بندی کو کافی عرصہ گذرا تو لوگوں

میں بیماری پھیل گئی جس کی وجہ سے اکثر نے صاحبِ فراش ہوکر عدم کی راہ لی۔ پھر جب قلعہ میں سخت غلاظت اور وبا پھیلی تو مصلحت وقت کے پیش نظر اس نے کچھ لوگوں کو باہر جانے کی اجازت دے دی۔ [اس عرصہ میں] کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی چیزوں کی بھی سخت قلت پیدا ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ گھی اور گوشت دو روپیہ سیر اور مچھلی تیس ٹکے سیر فروخت ہونے لگی۔ دوسری طرف مبارک خان، اوغلی بیگ اور مناج خان کہ جو فساد کی جڑ تھے محب علی خان کے ملازموں کے ہاتھوں بری طرح برباد ہوگئے۔

ادھر سلطان محمود خان کے آدمی جب اجمیر میں حضرت شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرم کے ساتھ تحائف پیش کئے تو وہ حضور کو بہت پسند آئے اور قبول ہوئے اور اس نے بکھر کی حکومت کا فرمان سلطان محمود خان کے نام پر جاری کرکے میرجی تواچی کے ہاتھوں روانہ کیا۔ محب علی خان اور مجاهد خان نے فرمان ذیشان سے انحراف کرتے ہوئے حکم کے خلاف عمل کیا۔ [اس عرصہ میں] میرجی تواچی بھی قلعہ میں محصور رہا۔

رجب سنہ ۹۸۰ھ کی ابتدا سے لے کر رمضان ۹۸۲ھ تک سلطان محمود خان استسقا کے مرض میں مبتلا رہا اور کوئی بھی علاج معالجہ اس پر کارگر نہ ہوا۔ آخر زندگی سے مایوس ہوکر [۲۳۴] اس نے عالم پناہ کی بارگاہ میں عرضداشت بھیج کر کوئی گماشتہ روانہ کرنے کی استدعا کی تاکہ وہ قلعہ اس کے

حوالہ کرے۔

[اسی اثناء میں جب] قلعہ کے مالک اور اہل قلعہ کی حالت بے حد نازک ہوگئی تو میر ابوالخیر نے، کہ جس کے گھر میں سلطان محمود خان کی ہمشیرہ تھی، تیس سواروں کے ساتھ سیت پور کی راہ سے گنجابی جاکر [وہاں سے] تھوڑا بہت سامان حاصل کیا۔ مجاہد خان اس کی آمد سے فکر مند ہوگیا اور بکھر کی مہم کے مقابلہ میں اسے دفع کرنا زیادہ ضروری سمجھتے ہوئے محب علی خان کو قلعہ کے محاصرہ پر چھوڑ کر خود اس طرف متوجہ ہوا۔ مجاہد خان کی والدہ صایمہ بیگم نے اس موقع پر [سخت] مظالم ڈھانے شروع کردیئے۔ [یہاں تک کہ] جو بھی بیمار قلعہ سے باھر نکلتا وہ اس کا پیٹ چاک کراکے سونا تلاش کرتی۔ اھل قلعہ نے جب یہ حال دیکھا تو انھوں نے قلعہ کے اندر ھی مرجانا بہتر سمجھا اور صبر کرکے بیٹھ گئے۔ سلطان محمود خان کا مرض روز بروز ترقی کرتا جا رہا تھا، کسی طبیب نے اسے مشورہ دیا کہ ایسی حالت میں شراب بہت مفید ھے اس لئے اسے انگوری شراب استعمال کرنی چاھئے۔ لیکن اس نے عالموں اور بزرگوں کو بلا کر کہا کہ چالیس سال گذرے کہ میں نے شراب سے توبہ کی ھے چنانچہ اس وقت بھی میں اس فعل کو ھرگز بہتر نہیں سمجھتا۔ آخرکار جب مرض نے شدت اختیار کی، ھاتھوں پیروں میں ورم آگیا اور پھر ورم دل تک پہونچ گیا تو ۸ صفر ۹۸۲ھ کو سنیچر کے دن اور دوپہر کے وقت وہ اس دارفانی سے جہان جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔

محب علی خان نے یہ خبر سن کر لشکر جمع کیا اور کشتیوں میں سوار ہو کر قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ لیکن اہل قلعہ نے مردانہ وار شدید جنگ کر کے انہیں پیچھے ہٹادیا۔ امرا، سادات، علما، مشائخ اور سربراہوں نے یہ قسم کھائی کہ وہ قلعہ کو محب علی خان اور مجاھد خان کے ہرگز حوالہ نہ کریں گے بلکہ بارگاہ سے جو بھی [۲۳۵] آدمی آئے گا اس کے سپرد کریں گے۔ جب اس بات پر اتفاق ہوگیا تو [انہوں نے] خزانہ سے سپاھیوں کو تنخواھیں دے کر قلعہ کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگادی۔ حتیٰ کہ بارہ جمادی الاول سنہ ۹۸۲ھ کو دو شنبہ کے دن گیسو خان بکھر [کی طرف] آ پہونچا ۔ جب وہ قلعہ سے دس کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو محب علی خان نے غراب اور کشتیاں بھیجیں تا کہ اسے اس طرف جانے سے روک کر روھڑی لے آئیں اور ملاقات کے بعد جو طے ہو ... (۱) گیسو خان نے قلعہ کے امرا کے پاس آدمی بھیجے جنھوں نے دریائی کشتیاں آراستہ کرکے استقبال کے لئے بھیجیں چنانچہ وہ جنگ کرتا ہوا شہر میں داخل ہوگیا ۔ جب گیسو خان قلعہ میں آگیا تو شہر بکھر کے لوگوں کے چہروں پر روز بروز تازگی کے نشانات ہویدا ہونے لگے۔ اس طرف مجاھد خان نے گنجابی کے قلعہ کو صلح کے ساتھ حاصل کر کے بعض فدائیوں کے ھاتھوں میر ابوالخیر کو قتل کرادیا ۔ اسی اثناء میں اس نے گیسو خان کے قلعہ بکھر میں پہونچ جانے کی خبر سنی اور سرعت کے

---

(۱) اس مقام پر جملہ نسخوں میں خلا ھے۔

ساتھ واپس ہوا ۔ باقی حالات حصہ چہارم میں اپنے مقام پر مذکور ہوں گے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بکھر کے حاکم سلطان محمود خان کی صفات کا کچھ ذکر

سلطان محمود خان بڑا جامعِ صفات حکمران تھا ۔ وہ جتنا جری تھا اتنا ھی سخی بھی تھا ۔ بچپن سے لے کر روزِ وفات تک دولت و فراغت میں رہتے ہوئے وہ سخاوت کا حق ادا کرتا رہا ۔ اس کی عالی ھمتی مشہور ہے ۔ اس کے مزاج میں تندی کا بھی بڑا غلبہ تھا ۔ جب غصہ میں آتا تو خود پر قابو نہ رکھ سکتا تھا ۔ خونریزی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا تھا بلکہ ادنیٰ وھم اور بدگمانی پر بھی لوگوں کا گھر بار برباد کردیتا تھا۔ ھر چند کہ وہ خود ظلم کرتا تھا لیکن دوسروں کے مظالم کا روادار نہ ھوتا تھا ۔ سپاھی ، علما اور عوام اس کے عہد حکومت میں آسودہ حال تھے۔ قرآن پاک کے اس نے ایک ھزار ایک ختمے پورے کئے تھے۔ شہر بکھر کو اس نے بڑے خوبصورت انداز میں آراستہ کیاتھا۔ اس خوش نصیب کی ولادت سنہ ۸۹۸ھ میں ھوئی تھی اور اس نے [۲۳۲] ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ راقم الحروف نے اس کی تاریخ "در بہشت آسود" سے (۹۸۲ھ) اخذ کی ھے ۔ اس کے جوش کی یہ حالت تھی کہ ایسے اوقات میں اکثر مرزا شاہ حسن کے حکم پر اس کے پیروں

میں بیڑیاں ڈال دیا کرتے تھے اور وہ ان بیڑیوں کے باوجود مرزا شاہ حسن کے دیوان خانہ کے برج کے سامنے سے، جس کے نیچے ایک خطرناک کنڈ ہے، خود کو قلعہ سے گراتا اور دریا کے دوسرے کنارے پر شکستہ ٹیکری کے سامنے تیرتا ہوا جا نکلتا۔ یہ بات لوگوں کے مشاہدے میں آ چکی ہے۔

سلطان محمود خان کے عہدِ حکومت کے معاصر علما اور سادات کا ذکر

۱۔ شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ محمود بن شاہ طیب ہروی:

یہ کافی عرصہ تک شیخ الاسلام کے مقدس عہدہ پر فائز رہے۔ ان بزرگوار کا ذکر مرزا شاہ حسن کے ہمعصر بزرگوں میں ہو چکا ہے۔

۲۔ میر سید صفائی بن سید مرتضیٰ الحسینی الترمذی: یہ نقابت اور کثرت ذوق کی صفات سے موصوف تھے اور مسافر اور پڑوسی ان کے دسترخوانِ احسان سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ "التعظیم لا مراللہ و الشفقۃ علیٰ خلق اللہ" کے مقتضا کے مطابق عمل کرتے اور محتاجوں اور زیر دستوں کی امداد کرنے میں فی سبیل اللہ بے حد سعی کیا کرتے تھے۔ شاہ قطب الدین کے انتقال کے بعد یہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے اور چند سال استقلال کے ساتھ گذار کر ذیقعد ۹۹۱ھ میں عالم آخرت

کو رحلت کر گئے۔

شاہ قرشی سید صفائی کافراخت فلک لوائے نورش
ناگاہ ازین جہان فانی افتادہ بآن جہان عبورش
تاریخ چو جستمش ز نامی گفتا "پُر نور باد گورش"
[۹۳۷]

وہ جامع مسجد کہ جو ان کے مکان کے برابر واقع ہے انھی کے منبع احسان کی نیک یادگار ہے۔

۳- شیخ میر غورمانی: شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی کی اولاد میں سے ھیں اور شیخ عبدالوھاب پورانی کی ھمشیرہ ان کے عقد میں آئی تھیں۔ یہ نہایت خوش طبع اور لطیفہ گو تھے۔ علم موسیقی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ سلطان محمود خان کے اوائلِ حکومت مین وہ ٹھٹھہ سے بکھر آئے اور دو سال گذار کر ھندوستان جانے کا قصد کیا۔ سنہ ۹۸۰ھ کے آخر میں وہ ھندوستان ھی میں فوت ھوئے۔

۴- مولانا عبداللہ مفتی: یہ اصل ملتانی تھے اور ملتان کے واقعہ کے بعد بکھر آئے۔ ھمیشہ دینی اور یقینی علوم کے درس میں مصروف رھا کرتے تھے۔ فی الحقیقت مولانا علوم عقلی مین بھی بڑی قابلیت کے مالک تھے۔ مولانا کے طبع کی روانی اور ذھن کی پرواز میں بڑی رفعت تھی۔ حسین صورت کے لئے مولانا دل میں بڑی تڑپ اور جذبۂ شوق میں بڑا ھیجان رکھتے تھے۔ وہ ھمیشہ بزرگوں کے مزارات پر زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ سنہ ۹۷۰ھ میں انھوں نے طبعی موت پر اس دنیا

کو الوداع کہا ۔

۵۔ قاضی داؤد: یہ فتح پور کے تھے جو کہ سیوی کے نواح میں ہے۔ سلطان محمود خان کے اوائل حکومت میں انھوں نے شہر بکھر کے قضا کا منصب قبول کیا تھا اور شرعی مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ فی الواقعہ یہ بزرگ اپنے عہد میں یگانہ تھے اور انتہائی دینداری، امانت، پرہیزگاری اور درویشانہ صفات کے حاصل تھے۔ [مقدمہ میں] کسی فریق کی پاسداری یا چشم پوشی نہ کرتے تھے اور شریعت اور تقویٰ کے سخت پابند تھے۔ ماہ شوال سنہ ۹۸۱ھ میں بکھر کے میدان میں ان کی دستاویز حیات پر موت کی مُہر ثبت ہوئی۔

۶۔ میر محمود پورانی: یہ بلند اقبال سادات میں سے تھے۔ پہلے ہرمز کی راہ سے ٹھٹھہ پہونچ کر شیخ بایزید پورانی کی دختر نیک اختر سے شادی کی [۲۳۸] اس کے بعد آکر بکھر کی سکونت اختیار کی۔ وہ بڑے زاھد اور متقی تھے اور ہمیشہ گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ لوگوں کی آمد و رفت پسند نہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی عیدین کے مواقع پر منعقد ہونے والی مجالس عالیہ میں سلطان محمود خان سے ملاقات کرنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ یہ سنہ ۹۷۷ھ کے اوائل میں دارالفنا سے دارالبقا کو روانہ ہوئے۔

۷۔ میر ابوالمکارم ولد میر غیاث الدین محمد سبزواری:

یہ سلطان محمود خان کے امرا کے زمرہ میں داخل تھے۔ سلطان

محمود خان نے انھیں [ایران و] عراق کے بادشاہ شاہ طہماسپ کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا تھا اور انھیں شاہ کی جانب سے "سلطانی" کا خطاب عطا ہوا تھا۔ وہ نہایت خوش طبع، علمی کمالات سے آراستہ اور طبع موزوں کے حامل تھے۔

۸- میر یونس محمد ارغون: ابتدا میں یہ جنت آشیانی محمد همایوں بادشاہ اور مرزا محمد زمان کی ملازمت میں تھے۔ اس کے بعد مرزا شاہ حسن اور سلطان محمود خان کے امرا کی لڑی میں منسلک ہوگئے۔ ترکی اور فارسی اشعار اچھے کہتے تھے۔ آخر عمر میں قناعت اور گوشہ نشینی اختیار کی اور سنہ ۹۸۵ھ میں عالم فانی کو الوداع کہا۔ وفات سے دو دن پہلے انھوں نے خود اپنی تاریخ وفات کہی کہ۔

"رُستم از قیدِ این و آن اے دل"

۹- مولانا یار محمد عرف مولانا یاری: مولانا ہرات کے تھے بڑے خوش طبع اور بلاغت میں انتہائے کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ فن انشا میں اپنے عہد میں بے نظیر تھے اور اشعار بڑے اچھے کہا کرتے تھے تھے۔ ان کے اشعار میں سے ایک یہ ہے:

گجرات خوش دیارے اما بشرط یارے

بے یار چون توان بود در این چنین دیارے

سلطان محمود خان نے انھیں ایلچی بنا کر بارگاہِ معلی کو روانہ کیا تھا لیکن چونکہ یہ [۲۹۳] وہ فرائض انجام نہ دے سکے

اس لئے وہاں سے واپس آکر سیت پور میں مقیم ہو گئے اور وہیں فوت ہوے۔

۱۰۔ مخدوم قاضی عثمان [ساکن] دربیلہ: یہ علوم منقول اور متداول کی جملہ اقسام میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ہمیشہ درس و استفادہ علوم میں مشغول رہا کرتے تھے۔ یہ صفاتِ حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے موصوف تھے اور علمی کمال اور کبرسنی کے باوجود بے حد متواضع اور منکسر [المزاج] تھے۔ دنیاوی باتوں کے قطع نظر جو کچھ انہیں حاصل تھا وہ ان کے ہمعصروں میں سے کسی کے پاس بھی نظر نہ آتا تھا۔ فی الواقعہ وہ "ترک مافی ایدی الناس" پر عمل کرتے ہوئے کسی بھی شخص سے کم یا زیادہ نذرانہ یا بخشش قطعی نہ قبول کرتے تھے۔ فضلا اور طلبا کی جماعت ہمیشہ ان کے یہاں رہا کرتی تھی جس کے خورد و نوش کا انتظام وہ خاطر خواہ طور پر کیا کرتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۰۲ھ میں ہوئی۔

۱۱۔ مخدوم عباس ہنگورجہ: مخدوم صاحب کا اصل وطن قصبہ پاتر (پاٹ) تھا۔ سنہ ۹۴۷ھ میں وہ تشریف لا کر ہنگورجہ میں مقیم ہوئے۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق بڑی اچھی طرح اور مکمل طور پر کیا کرتے۔ زہد و تقویٰ میں یہ خود اپنی نظیر آپ تھے۔ دن اور رات کے جملہ اوقات میں وہ طرح طرح کی عبادتوں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ تلاوت

حدیث کے موقع پر وہ بڑے عجز و انکسار سے کام لیا کرتے [خصوصاً] قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کہتے وقت بے اختیار ہو جاتے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگ جاتی۔ [۲۴۰] جس کی وجہ سے سننے والے کو احادیث سننے کی تاب نہ رہتی ۔ مولانا بلند مرتبہ پر فائز تھے ۔ وہ شعبان سنہ ۹۹۸ھ کو عالم آخرت کی طرف سدھارے، ان کی عمر ۹۶ سال تھی ۔

۱۲- مولانا ابراھیم بن مولانا جمال الدین مفتی : یہ بڑے عابد و زاھد اور گوشہ نشین تھے ۔ علم فقہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ اکثر لوگ کہ جو [مختلف مسائل میں] فتوے حاصل کرنا چاتھے تھے اپنے اپنے استفتاء کو انھی کے فتاوی سے مزین کرتے تھے ۔ [اس عہد کے] قاضیان اسلام انھی کی روایات پر کار بند ہوتے تھے ۔ مولانا انتہائی پرھیزگاری اور تقوی سے موصوف تھے ۔ انھوں نے ۹۸ سال کی عمر میں عالم آخرت کا سفر اختیار کیا ۔

۱۳- مولانا قاسم دیوان : ابتدا میں انھوں نے مخدوم میران کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی اور مطول پڑھنے کے بعد ولایت روانہ ہوگئے۔ پھر مولانا محمود سرخ کے مدرسہ میں پھونچ کر ان کی خدمت اختیار کی اور علوم معقول و منقول کے حصول کے بعد سندھ واپس آگئے ۔ یہاں کافی مدت درس و تدریس میں مشول رہے ۔ جب سلطان محمود خان حکومت

سیوی پر مامور ہوا تو اُس نے مولانا کو اپنی رفاقت کی تکلیف دے کر قرآن پاک اور دیگر کتب انھی سے پڑھیں۔ مولانا بکھر میں اشاعت علم کرتے رہتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ [۲۴۱]

حصہ چہارم

سلطان محمود خان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد ولایت سندھ کے بندگان درگاہ کے زیر تصرف آنے اور بکھر پر مامور ہونے والے حاکموں کے بیان میں

پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ گیسو خان ۱۲ جمادی الاول سنہ ۹۸۲ھ میں بکھر آیا اور فرمانِ عالیشان جاری ہوا کہ ولایت بکھر کو محب علی خان اور مجاہد خان مین نصفانصف تقسیم کرکے تسخیر ٹھٹھہ کا رخ کیا جائے اور محمد باقی ترخان کو قابو میں لایا جائے۔ ان دنوں مجاہد خان ولایت گنجابہ میں تھا۔ جب اسے بکھر میں گیسو خان کے پہونچ جانے کی خبر ملی تو وہ بسرعت تمام بکھر روانہ ہوا۔ مجاہد خان کے پہونچنے سے پیشتر گیسو خان نے شہر سکھر کو خالی کرادینے کا ارادہ کیا لیکن مجاہد خان کے آدمیوں نے [اس فعل کو] مجاہد خان کے آنے تک موقوف رکھنا چاہا۔ یہ بات گیسو خان کو پسند نہ آئی اور اس نے اپنا لشکر سکھر روانہ کردیا۔ مجاہد خان کے مختار، وکیل خان نے [اس سے] اس دیوار کی آڑ لے کر جنگ کی کہ جو سکھر کے چاروں طرف بنائی گئی

تھی۔ [اس جنگ میں] دونوں جانب کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد مجاہد خان آکر اپنے آدمی روھڑی لے گیا اور سکھر کی طرف کا سارا علاقہ گیسوخان کے تصرف میں چھوڑ گیا۔ ہر چند کہ روھڑی کا علاقہ اور بکھر کا پرگنہ محب علی خان اور مجاہد خان کے زیر تصرف آچکا تھا لیکن پھر بھی جو لوگ کہ ان کے گرد جمع ہوگئے تھے وہ دل شکستہ ہوگئے۔

اسی اثناء میں کچھ ارغون بکھر بھاگ آئے جنھیں گیسو خان نے شاہ بابا ولد جان بابا ترخان کے شہ پر قتل کرادیا۔ گیسو خان [بڑا] تند مزاج اور بدخو واقع ہوا تھا۔ [۲۴۲] ایک دن دربار عام میں اس نے یحیٰی تواجی پر سختیاں کرکے اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈلوادیں تھیں۔ دو ماہ بعد جب مجاہد خان، محب علی خان کو عیال و اطفال کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر تسخیر ٹھٹھہ کے لئے روانہ ہوا اور لشکر فراہم کرنے کی غرض سے چند دنوں رانی پور میں جا کر مقیم ہوا تو اہل بکھر کی ترغیب و تحریص پر گیسو خان نے روھڑی پر حملہ کرنے کی غرض سے ۲۰ رمضان سنہ ۹۸۲ ھ کو جمعہ کے دن اپنا لشکر دو حصوں میں تقسیم کرکے دریا کو عبور کیا۔ [اس کے لشکر کا] ایک حصہ شہر کے باغ کے سامنے روھڑی کی طرف متوجہ ہوا اور دوسرا حصہ کشتیوں اور غرابوں میں بیٹھ کر جنگ اور آتشبازی کے لئے مستعد ہو کر خواجہ خضر کے آستانہ کے سامنے سے گذرا۔ محب علی خان کے سپاہی سوار ہو کر عید گاہ کے سمت گئے ہی تھے کہ

اچانک بحری فوج نے غرابوں سے نکل کر مجاھد خان کی
کشتیوں میں آگ لگادی۔ جب آگ کے شعلے بلند ھوئے تو وہ
سوار کہ جو باھر نکلے تھے اپنے گھروں کی جانب پلٹے۔ اس
اثناء میں گیسو خان کے سواروں نے آگے بڑھکر شہر میں آتشبازی
کی بوچھار کردی جس کی وجہ سے ھر جگہ آگ بھڑک اٹھی۔
محب علی خان سوار ھوکر فرار ھوگیا اور بکھر کے لشکر نے
چاروں طرف سے روھڑی میں داخل ھوکر لوٹ مار کی اور
تیسرے پہر تک شہر کو برباد کرکے اور محب علی خان کا
علم اور نقارہ حاصل کرکے قلعہ کو واپس چلے گئے۔ مجاھد خان
یہ خبر سن کر یلغار کرتا ھوا روھڑی آیا۔ ھر چند کہ [اس واقعہ
پر] اسے بڑا ملال اور افسوس ھوا لیکن شاھی رعایت کی وجہ
سے اس نے گیسو خان سے تعرض نہ کیا۔ اس طرف گیسو خان
نے قلعہ بکھر میں بے اعتدالیاں شروع کردیں۔ چنانچہ جب عالم
پناہ کی بارگاہ میں اس کی شکایات پہونچیں تو اس کی جگہ
ملک کی نگرانی نواب ترسون محمد خان کے حوالہ ھوئی۔ محرم
سنہ ۹۸۳ھ کے اوائل میں محمد طاھر خان بن شاہ محمد
سیف الملوک، محمد قاسم خان اور مرزا محمد سلطان نے شہر
روھڑی میں منزل انداز ھوکر بکھر کی جاگیر کے متعلق فرمان
عالیشان کی نقل گیسو خان کے پاس بکھر بھیجی۔ پہلے تو
اس نے انکار کیا اور [۲۴۳] ان لوگوں کو معطل رکھا لیکن
جب گفت و شنید شروع ھوئی تو گیسو خان نے سیادت پناہ
سید صفائی اور بکھر کے جملہ مخدوموں کو طاھر خان، قاسم خان

اور مرزا محمد خان کو نصیحت کرنے کے لئے بھیجا ۔ خوانین تو مخدوموں کو خدا سے طلب ہی کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سبھوں کو بٹھا کر کہا کہ جو بھی صورت حال ہے اس کے مطابق وہ ایک یاد داشت تحریر کر کے عالم پناہ کی درگاہ کو بھیج دیں۔ مخدوموں نے پہلے تو انکار کیا اور معافی چاہی کہ ہم یاد داشت جب لکھیں گے کہ جب دونوں فریق حاضر ہوں لیکن پھر جب خوانین نے فرمایا کہ گیسو خان کے وکلا تو موجود ہیں ان کے سامنے صرف حقیقی واقعات قلمبند کریں اور اس سے زائد ہم آپ لوگوں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتے، تو مجبوراً مخدوموں نے معاملہ شروع کیا۔ گیسو خان نے جب دیکھا کہ کام خراب ہو رہا ہے اور یہ یاد داشت بربادی کا باعث بنے گی تو اس نے لاچار ہو کر آدمی بھیجے کہ آپ یاد داشت نہ بھیجیں میں قلعہ حوالہ کرتا ہوں۔ خوانین نے کہلا بھیجا کہ ہم یاد داشت لکھوا کر رکھے لیتے ہیں۔ اگر تم نے قلعہ حوالہ نہ کیا تو اس کے بعد ہم اس پر مہریں ثبت کرا کے حضور میں بھیج دیں گے۔ بالآخر بے بس ہو کر گیسو خان مذکورہ خوانین کو قلعہ میں لے آیا ۔

چونکہ شاہی احکامات تھے کہ گیسو خان، ترسون خان کے بھائیوں اور دیگر سادات اور بزرگوں کے ساتھ سلطان محمود خان کے خزانہ اور کاروبار کی جملہ تفصیلات کی تحقیق کرے اور ان سب لوگوں کی مہروں کے ساتھ کاغذات مکمل کر کے بارگاہ میں روانہ کرے ۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خزانہ کی

جانچ پڑتال کی گئی۔ سلطان محمود خان کے حرم سرا کے افراد بھی حکم نامہ کے مطابق بارگاہ کی جانب [روانہ ہونے کے لئے] مستعد ہوئے۔ خان جہان کی ہمشیرہ، جو سلطان محمود خان کے حرم میں تھی، حکم کے مطابق لاہور روانہ ہوئی۔ اسی اثناء مین خواجہ ملک خواجہ سرا، رائے سنگ درباری اور منشی بنوالیداس بھی خزانہ کی تحقیق اور سلطان کے حرم کو روانہ کرنے کے لئے آ پہونچے اور روھڑی میں دوبارہ خزانہ کی جانچ پڑتال کر کے یکم رجب کو ناگوری کی راہ سے روانہ ہوگئے۔ [۲۴۴]

ترسون خان کو دربار سے رخصت دیئے جانے کے موقع پر کسی وزیر نے [حضور میں] عرض کیا کہ سیف الملوک کی اولاد سرحد کے لئے مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ حضور عالی نے بکھر کی بجائے آگرہ کی حکومت ترسون خان کے حوالہ کر کے بنوالیداس کے نام عارضی حکم نامہ جاری کیا کہ وہ حکومت بکھر کا خزانچی رہتے ہوئے مال اور معاملات کا انتظام سنبھالے۔ اس کے بعد اپنے ذاتی اعتماد کے بنا پر حضور نے میر سید محمد [مروھوی] میر عدل کو ہزاری منصب سے سرفراز کر کے بکھر کی حکومت اس کے سپرد کی۔ وہ چونکہ سید اور عالم تھا اس لئے بکھر کے اماموں کی صدارت کا فرمان بھی اس کے نام جاری ہوا تاکہ وہ ہر ایک کے لئے اس کی لیاقت کے مطابق وجہ معاش مقرر کرے۔ اسی سال ۱۱ رمضان شریف کو وہ بکھر میں وارد ہوا اور مخدوموں اور بزرگوں کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آکر تقریباً پچاس ہزار ایکڑ زمین سادات، علما،

مشائخین ، سرداروں اور دیگر باشندوں کو ان کے حسب حال عطا کی۔ اس کے عہد حکومت میں مخادیم بڑے فارغ البال رہے۔

اوائل حکومت میں اس نے سیوھن کی طرف لشکر روانہ کیا کیونکہ کاکڑہ پرگنہ کے منگنیجہ قبائل کے لوگ میر عدل کے آدمیوں سے بری طرح پیش آئے تھے۔ [واقعہ اس طرح ھے کہ] سید محمد میر عدل نے دستورالعمل میں رعایا سے سختی اختیار کی تھی اور دانہ بندی کے دستور کے مطابق بغیر کسی امتیاز کے ہر ایک بیگھہ زمین پر پانچ من مالیہ عاید کرکے لوگوں کی فصلوں پر کارندے مقرر کردیئے تھے جنھوں نے رعایا پر بے حد سختیاں کی تھیں۔ چنانچہ جب میر عدل کے یہ کارندے گنبٹ اور بھچراہ کے درمیان والی گڑھی میں آکر ٹھرے تو منگنیجہ قبائل نے بغاوت کرکے ان پر تیر برسائے جس کی وجہ سے میر عدل کے بہت سے آدمی قتل ہوگئے اور ان بد بختوں نے جملہ مومنوں اور کافروں کو گڑھی کے اندر کے کنویں میں ڈال کر اسے مٹی سے بھردیا۔ اس واقعہ سے غضبناک ہوکر میر عدل نے اپنے آدمیوں کو سیوی سے طلب کیا [۲۴۵] جو کاکڑہ کے لوگوں سے انتقام لینے کے لئے روانہ ہوئے اور تھوڑی ہی توجہ سے منگنیجہ جلا وطن ہوکر بھاگ گئے۔ بالآخر کچھ مدت بعد ان کا پیچھا چھوڑ کر میر عدل کا بیٹا سید ابوالفضل جوکہ اس لشکر کا سردار تھا بکھر کے قلعہ میں واپس لوٹ آیا۔ کچھ عرصہ بعد میرعدل نے فصد کھلوائی جس میں زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے [سخت] ضعیف ہوگیا اور بالآخر سنہ ۹۸۴ھ

کے ماہ شعبان کی آٹھویں تاریخ کو وہ خدائے پاک کے جوارِ رحمت میں جا کر آرام پذیر ہوا۔ اس کے فوت ہوجانے کے بعد حضرت شہنشاہ ظل الہیٰ نے بکھر کی حکومت، وراثت کے دستور کے مطابق، اس کے بیٹے سید ابوالفضل کے حوالہ کی جس نے کاکڑہ کے سربراہوں کو قید کر کے ان کے دو ایک آدمی ہاتھی کے پیروں تلے دبوا کر مروا دیئے۔

مورخہ ۲ ذوالقعد سنہ ۹۸۵ھ کو بارگاہ کا ایک معتمد اعتماد خان خواجہ سرا بکھر کی حکومت پر مامور ہوا۔ چونکہ وہ تند مزاج تھا اس لئے اس نے سپاہیوں، رعایا اور اماموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ بعض مخادیم اس سے ناراض ہو کر عالم پناہ کی بارگاہ کی طرف رجوع ہوئے [اس دوران میں] ہر چند کہ اس نے آدمی بھیج کر ان سے معافی طلب کی لیکن مخادیم کو اطمینان حاصل نہ ہوا اور انہوں نے سفر کا مصمم ارادہ کیا۔ پھر جب حضرت ظل الہیٰ کی بارگاہ میں پہونچ کر انہوں نے اس بد بخت کی شکایت بیان کی تو حضرت کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ چونکہ اس نے ایسے بزرگوں کو رنج پہونچایا ہے، اس لئے وہ [کسی نہ کسی وقت] ضرور قتل ہوگا۔ بالآخر جیسا کہ ظل الہیٰ کی زبان الہام بیان سے صادر ہوا تھا ویسا ہی ہوا۔ یہ حادثہ اس طرح عمل میں آیا کہ وہ ہمیشہ طنز و تمسخر کا شیوہ اختیار کر کے معزز لوگوں کو بھی نازیبا اور رکیک الفاظ سے مخاطب کیا کرتا تھا۔ چنانچہ سپاہیوں کے ایک گروہ نے متفق ہو کر ۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۸۶ھ کو دن کے وقت اسے دیوان خانہ

میں قتل کر ڈالا۔

اعتماد خان کے بعد حضور عالی نے ولایت بکھر کو مشترکہ طور پر مسند عالی فتح خان مہارت اور راجہ ٹوڈر مل کے عزیز مسند عالی راجہ پرمانند کی جاگیر مقرر فرمایا۔ [۲۴۲]

مذکورہ سال کے ماہ رجب میں یہ دونوں مسند عالی بکھر میں آئے اور اپنے متعلقہ علاقوں پر متصرف ہوئے۔ دو سال بعد پرمانند حسب الحکم دربار کی ملازمت کے لئے عالم پناہ کی بارگاہ کو روانہ ہوگیا اور دھاریجہ قبائل اس کے بھائی مادھوداس کے مخالف ہوکر جاکر آلور کے قلعہ میں محصور ہوگئے۔ دو تین بار جنگ ہوئی جس میں طرفین کے کافی آدمی قتل ہوئے۔ آخر جب اوباشوں نے یورش کردی تو مسند عالی فتح خان نے فسادیوں کو دفع کرنے کے لئے اپنے آدمی روانہ کئے چنانچہ وہ لوگ شکست کھا کر منتشر ہوگئے۔ انھی ایام میں فتح خان بارگاہ کی جانب روانہ ہوا اور جب حضرت کی حاضری سے مشرف ہوا تو اس کا عہدہ بڑھا کر پرمانند کی جاگیر بھی اسے تنخواہ میں عطا ہوئی۔ فتح خان نہایت سادہ لوح اور زر دوست شخص تھا۔ وہ ہمیشہ میٹھی زبان استعمال کرتا۔ لوگوں کے ساتھ اس نے اچھا سلوک اور برتاؤ کیا۔ سمانہ کے مضافات کے زمینداروں میں اس کا ایک نا تجربہ کار اور نادان وکیل شہاب خان تھا۔ وہ فرید ڈھر کی ترغیب و تحریص پر خان ناھر کے لوگوں سے مل گیا اور لشکر لے کر کن کوٹ کے قلعہ پر حملہ آور ہوا یہ قلعہ ابراھیم خان ناھر کے قبضہ میں تھا۔

یہاں زبردست جنگ ہوئی جس میں فتح خان کے خاصے آدمی قتل ہوگئے ۔ شہاب خان بھی بھائیوں سمیت اس جنگ میں کام آیا ۔ یہ خبر جب بارگاہ کے درباریوں کے گوش گذار ہوئی تو انھی ایام میں اس کی جاگیر منتقل ہوکر نواب محمدصادق خان کی تنخواہ میں مقرر ہوئی اور حضور نے بکھر کا ملک نواب محمد صادق خان کو تنخواہ اور جاگیر میں دے کر اسے ٹھٹھہ فتح کرنے کی خدمت کا حکم دیا ۔

مذکورہ نواب ۱۲- ربیع الاول سنہ ۹۹۴ھ کو منگل کے دن بکھر میں وارد ہوا ۔ مخدوموں اور بزرگوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ بھی سب کی عزت و تعظیم بجالایا ۔ کچھ عرصہ بکھر میں قیام کرکے اور وہاں کے معاملات کو درست کرکے اسی سال وہ ماہ ذی الحجہ میں سیوستان روانہ ہوا ۔ خان مذکور کے جانے سے پہلے اس کے آدمیوں نے [۲۴۷] دو ایک بار جاکر مرزا جانی بیگ کے لوگوں سے جنگ کی جس میں مرزا جانی بیگ کے خاص آدمی جیسے کہ سلطان محمود خان برندق ، کوچک بن سبحان قلی اور عبداللہ کانجرجہ وغیرہ ان معرکوں میں مارے گئے ، دستم کا باپ رستم گرفتار ہوا اور محمد صادق خان کی فتح ہوئی ۔ جب وہ خود روانہ ہوا تو مرزا کے لشکر کے سردار سبحان قلی ارغون نے دریا کے کنارے قلعہ بناکر اور اسے اسباب و اسلحہ جات سے آراستہ کرکے کثیر غراب اور کشتیاں قلعہ کے نیچے جمع کردیں ۔ جب محمد صادق خان کا لشکر ان کے قریب پہونچا تو وہ جنگ کےلئے غرابوں سے باھر نکلا

لیکن ارغون لشکر نے اس مرتبہ بھی شکست کھائی اور ان کے کثیر افراد قتل اور زخمی ہوئے۔ [خود] سبحان قلی [بھی] زندہ گرفتار ہوا اور بارہ غراب بھی ہاتھ آئے۔

ان فتوحات سے خوش ہو کر محمد صادق خان نے سیوستان کا محاصرہ کیا۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا تو اس نے ایک بڑی سرنگ لگائی جس کے وجہ سے قلعہ کے سامنے کا دروازہ اور فصیل اڑ گئی۔ محمد صادق خان نے حکم دیا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص قلعہ میں اندر نہ جائے۔ چنانچہ دھواں اور ابخرات زائل ہوئے تو اہل قلعہ نے ہاتھوں ہاتھ نئی دیوار کھڑی کر کے توپیں اور گولے سر کرنے شروع کردیئے۔ جو لوگ کہ قوت بازو سے فصیل اور دروازہ پر جا چڑھے تھے وہ سب زمیں پر آگرے مگر انھیں کوئی گزند نہ پہونچا۔ اسی عرصہ میں مرزا جانی بیگ بھی خشکی کی افواج اور بحری لشکر لے کر مہران کے سامنے [اس مقام پر] آگیا کہ جو سیوھن سے ٦ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ چنانچہ محمد صادق خان نے محاصرہ چھوڑ کر مرزا جانی بیگ کے مقابلہ کی طرف توجہ دی۔ جب وہ لکی کے پہاڑوں کے سامنے پہونچا تو مرزا جانی بیگ نے محمد صادق خان کی چھاؤنی کے سامنے غراب لا کر توپیں اور گولے سر کرنے شروع کردیئے۔ چند دنوں بعد کہ جب وہ ایک دوسرے کے مد مقابل ہو کر جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے، شاہی فرمان آپہونچا کہ مرزا جانی بیگ نے شایان شان تحائف [۲۴۸] بارگاہ میں بھیج کر عجز و انکسار و اخلاص ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ محمد صادق خان بکھر واپس آگیا اور کچھ عرصہ کے بعد جہاں پناہ کی بارگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے ایک سال بعد جاگیر میں تبدیلی آئی دونوں سالوں کی خریف کی وہ فصلیں کہ جو خان موصوف کی جاگیر سے متعلق تھیں ٹڈی دل کی مصیبت کا شگار ہوگئیں جس کی وجہ سے بکھر میں سخت گرانی اور قحط پھیل گیا۔ بیشتر لوگ ملک چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے اور سمیجہ بلوچ قبائل نے دریا کے دونوں کناروں پر کوئی بھی زراعت باقی نہ چھوڑی۔

ماہ ربیع الثانی سنہ ۹۹۶ھ میں یہ جاگیر نواب اسماعیل قلی خان کی طرف منتقل ہوئی اور اس کا بیٹا رحمان قلی بیگ بکھر میں آیا۔ وہ چونکہ ایک بلند اقبال امیر زادہ تھا، اس لئے بکھر کے لوگوں سے نہایت شفقت کے ساتھ پیش آیا اور اہل قلعہ کو سلوک اور معاش سے ممنون کیا۔ بکھر کی ویرانی اس کی کوششوں سے آبادی میں تبدیل ہونے لگی۔ [اس کے بعد] جب اسماعیل قلی خان ملتان چھوڑ کر درگاہ کو واپس چلا گیا تو پھر جاگیر میں تغیر رونما ہوا اور وہ شیرویہ سلطان کے حوالہ ہوئی۔

اوائل محرم سنہ ۹۹۷ھ میں شیرویہ سلطان بکھر میں وارد ہوا۔ چونکہ وہ شرابی تھا اس لئے سارا کاروبار اپنے زرخرید غلاموں کے سپرد کرکے وہ شب و روز فسق و فجور اور لہو ولعب میں مشغول رہا کرتا۔ دربار میں وہ بہت کم بیٹھا کرتا اور اس میں آنے کی اجازت کسی کو گاہے گاہے ہی ملتی تھی۔ اکثر فقرا کے وظائف معطل ہوکر رہ گئے تھے۔ ایک بار وہ

مال اور معاملات کے انتظام کے لئے باہر نکلا اور کچھ مدت ایک دکان میں قیام کرکے وصولیابی کرتا رہا اس کے بعد [اس نے] اپنے بیٹے محمد حسن کو سیوی پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ [وہاں] افغانیوں نے لشکر جمع کرکے اس سے جنگ کی۔ شیرویہ کے بیٹے کے مقدمہ میں بڑدی بلوچ تھے جو کہ پہلے ہی حملہ میں کنارہ کرگئے اور غنیم نے بغیر کسی رکاوٹ کے قلب پر حملہ کردیا۔ [۲۳۹] [اس حملہ میں] بہتیرے [آدمی] قتل اور کثیر آدمی گرفتار ہوگئے جس کی وجہ سے وہ شکست کھاکر بالآخر پیچھے پلٹے۔ چونکہ ان دنوں گرم ہواؤں کا موسم تھا چنانچہ کافی آدمی لُو اور پیاس کا شکار ہوکر مرگئے اور باقی ماندہ [لوگ] جو [واپس آسکے وہ بھی کافی عرصہ بعد اپنی اصلی حالت میں آئے۔

جب اس کے مظالم کی زیادتی حد کو پہونچ گئی تو اچانک عالم الغیب کی جانب سے اس کے تبادلہ کی خوشخبری اہل بکھر کو ملی اور لوگ اس شریر سے نجات پاکر امن کی زندگی گذارنے لگے۔ ملک بکھر دوسری مرتبہ نواب محمد صادق کی جاگیر میں منتقل ہوا۔ مورخہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۹۸ھ کو نواب محمد صادق خان کا فرزند مرزا محمد زاھد بکھر میں وارد ہوا اور ائمہ و رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرکے اس نے ظلم کے مارے ہوؤں کے دلوں پر عدل کا مرہم رکھا۔ مرزا زاھد نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق تھا۔ علما و فضلا سے اکثر صحبت رکھتا تھا ۔ محمد صادق خان کی سند کے مطابق اس

نے سبھوں کی تنخواہیں اور وظائف جاری کر کے ظالموں کے دست تعدی کو مظلوموں پر دراز ہونے سے روک دیا۔ محمد صادق خان کا وکیل خواجہ محمد معصوم بھی صفات حمیدہ سے مزین تھا اور ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی تہ تک پہونچنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ بکھر کے لوگ [دوبارہ] مطمئن ہو کر کاشت و زراعت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اسی سال ربیع میں اچانک آفت سماوی نازل ہوئی اور اتنی رعایتوں کے باوجود رعایا کے لئے تاریک دن آ گئے اور کچھ ہی عرصہ بعد پیداوار کے نایاب ہوجانے کی وجہ سے دوسری بار قحط، گرانی اور تنگی نمودار ہوئی۔

اسی اثناء میں بادشاہ کی رگِ حمیت جنبش میں آئی۔ چونکہ جب ہمائے سلطانی نے تختگاہ لاہور پر اپنی منزل کا سایہ کیا تھا تو مرزا شاہ حسن کی طرح مرزا جانی بیگ نے بھی فریضہ اطاعت ادا نہ کیا تھا اور اپنی خود مختاری کا دم بھرنے لگا تھا اس لئے [بادشاہ نے] نواب خانخانان کو ٹھٹھہ کی تسخیر اوربلوچوں کے استیصال کے لئے مامور کیا جس نے اسی سال ۲۲ شوال کو خریف کے وسط میں بکھر آ کر [۲۵۰] ضروری امور اور کاروبار پر توجہ دی۔ انھی ایام میں مولف تاریخ نے بھی گجرات سے آ کر [بادشاہ کی] ملازمت کا شرف حاصل کیا۔ حسن اتفاق سے والدہ نے بھی کچھ تحائف بھیجے تھے چنانچہ انھیں بھی نگاہِ انور میں لایا۔ حضرت نے کمال توجہ سے دریافت کیا کہ تمھیں والدہ سے جدا ہوئے کتنے سال گذرے ہیں۔ عرض

کیا کہ تقریباً بیس سال ہوے ہوں گے۔ اس پر عنایت فرما کر حکم دیا کہ [میرمعصوم] والدہ کی خدمت میں جا کر دوبارہ درگاہ کی ملازمت میں واپس آجائے اور بخشی اس کی جاگیر کسی دوسرے پرگنہ میں منتقل کریں (۱)۔ اس موقع پر محمد صادق خان نے دستگیری کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ بکھر جا رہا ہے اس لئے اگر اس کی جاگیریں بھی اس طرف منتقل کردی جائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ بکھر تو خانخانان کی جاگیر مقرر ہو چکا ہے۔ نواب خانخانان اس موقع پر حاضر تھا اس نے عرض کیا کہ اگر حضور اسے بکھر کی سرکار سے جاگیر عطا کریں تو خادم کو منظور ہے چنانچہ حضور نے حکم فرمایا کہ اسے بکھر کی سرکار سے جاگیر دی جائے۔ حکم کے مطابق بخشیوں نے دربیلہ کاکڑہ اور چانڈوکی راقم الحروف کے لئے جاگیر متعین کی۔ جاگیر مقرر ہو جانے کے بعد حضرت نہایت بندہ پروری فرماتے ہوئے کشتی میں تشریف لے گئے اور راقم الحروف کو اپنی خاص پوستین سے سرفراز کرکے رخصت عطا فرمائی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی زبان الہام بیان سے یہ بھی فرمایا کہ ع۔ "بہ نشین و سفر کن کہ بغایت خوب است"۔ غرض ۱۴ صفر ۹۹۹ھ کو راقم الحروف بکھر پہونچا اور نواب

---

(۱) یہ عبارت اصل متن میں یوں ہے "و جاگیر او را بخشیان تنخواہ نمایند" یہ پیچیدہ عبارت ہے۔ نسخہ ح میں "بمحال دیگر" زائد ہے جس سے ایک حد تک الجھاؤ دور ہوتا ہے اس لئے ترجمہ میں اسی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

خانخانان بھی بکھر میں قیام پذیر ہوا۔ چونکہ ان دنوں گرم ہواؤں اور طغیانی کا موسم تھا اس لئے سبھوں نے کچھ دنوں بکھر میں قیام کیا پھر جب سہیل تارا نمودار ہوا تو مؤلف کو بہادر خان، ملا محمد اور بعض دیگر افراد کےساتھ رخصت عنایت ہوئی۔ جب ہم سیوھن پہونچ گئے تو نواب خانخانان بھی بعد میں وھاں ہم سے آ ملے۔ [چونکہ] اہل سیوھن [۲۵۱] قلعہ بند ھوگئے تھے اس لئےنواب نے امرا کی جماعت سے مشورہ کیا کہ اب ھمیں کیا کرنا چاھئے۔ [یعنی] پہلے جانی بیگ کی سرکوبی کے لئے ٹھٹھہ جانا چاھئے یا پہلے سیوھن کی مہم سر کرنی چاھئے اور اس کی بعد آگے بڑھنا چاھئے۔ [اس پر] سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ [چونکہ] سیوھن ھمارے راستہ پر ھے اور ھماری فوجوں اور کشتیوں کا گذر ادھر ھی سے رھے گا اس لئے بہتر یہ ھوگا کہ پہلے ھم سیوھن فتح کرلیں اور پھر اس کے بعد [اطمینان کے ساتھ] آگے بڑھیں۔ یہ فیصلہ ھونے پر انھوں نے دریا عبور کیا اور سیوھن کے چاروں طرف مورچے تقسیم کرکے سرنگ لگانے میں مصروف ھوگئے۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ نواب جانی بیگ لشکر عظیم لے کر ٹھٹھہ سے جنگ کرنے کےلئے آرھاھے۔ یہ اطلاع پاتے ھی محاصرہ چھوڑکر وہ جانی بیگ کی طرف متوجہ ھوے۔ جانی بیگ یہ خبر سن کر نصرپور سے کچھ اوپر دریا کے کنارے موضع بوھری میں قلعہ بناکر مستحکم ھوگیا۔ پھر جب خانخانان اس قلعہ سے چھہ کوس کے فاصلہ پر آپھونچا تو جانی بیگ

نے خسرو خان اور دیگر امرا کی سرکردگی میں سو دو سو جنگی غراب اور دیگر کثیر کشتیاں خانخاناں کے لشکر گاہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیں اور دریا کے دونوں کناروں پر فوجیں متعین کردیں ۔ خانخاناں نے بھی کچھ لشکر کنارے پر اتار کر (۱) لشکر گاہ سے کچھ آگے دریا کنارے پر توپوں کے لئے پانچ چھ جریب زمین پر ریت میں ایک چھوٹا سا قلعہ بنوا کر محمد مقیم بخشی ، علی مردان ترمذی ، اور اس کتاب کے مؤلف کو بعض دیگر امرا کے ساتھ اس قلعہ پر متعین کیا ۔ وہ ایسے مقام پر واقع تھا کہ غرابوں کو وہاں پہونچ کر اس قلعہ کے سامنے سے گذرنا پڑتا کیونکہ [سامنے] دریا کے دوسرے کنارے پر ایک بڑا جھنڈ تھا اور انھیں مجبوراً اسی قلعہ کے سامنے سے ہوکر لشکر گاہ تک پہونچنا تھا ۔ در حقیقت یہ بہترین تجویز محمد مقیم نے پیش کی تھی کہ توپوں کو آگے بھیج دینے سے یہ فائدہ ہوگا کہ لشکر گاہ کو کوئی گزند نہ پہونچ سکے گا ۔

مورخہ ۰۰۰۰۰ (۲) شوال سنہ ۹۹۹ھ کو سورج غروب ہونے کے بعد غراب اس مقام پر پہونچ گئے ۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک طرف بڑا جھنڈ ہے اور دوسری جانب سامنے قلعہ استادہ

---

(۱) اس مقام پر اصل متن میں "خان خانان بکپا کردہ" ہے جس کے کوئی معنی نہیں نکلتے نسخہ ح میں "خان خانان نیز چند لشکر بکنار کردہ" ہے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے ۔

(۲) اس مقام پر اصل متن میں بھی خلا ہے ۔

ہے چنانچہ لاچار وھیں ٹھیر گئے اور دونوں جانب سے کچھ دیر توپیں سر ہوتی رھیں ۔ [۲۵۲] اِس طرف سے خانخاناں نے راتوں رات ایک دستہ لشکر گاہ کے سامنے دریا کے دوسرے کنارہ پر پہونچا دیا ۔ دوسری طرف سے جانی بیگ کے مامور کردہ لشکر نے رات کو آکر لشکر گاہ پر حملہ کیا ۔ لیکن چونکہ یہاں انتہائی دوراندیشی اور احتیاط برتی گئی تھی اس لئے وہ کچھ نہ کرسکے ۔ صبح کے وقت غراب لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس قلعچہ پر کہ جس میں توپیں نصب تھیں توپیں سر کرنی شروع کردیں ۔ قلعچہ کی توپوں سے جو گولے نکلتے وہ غرابوں کو لگتے ہوئے جا کر اُس فوج پر گرتے کہ جسے خانخاناں نے دریا کے دوسرے کنارے پر پہونچایا تھا چنانچہ توپوں کے دھانے کافی نیچے کردیئے گئے ۔ اب گولے غرابوں سے پہلے دریا کے قریبی حصہ پر لگتے اور ایسا دکھائی دیتا کہ پہلے وہ پانی پر لگتے اور پھر ٹپہ کھا کر آٹھ نو کشتیوں کو نقصان پہونچاتے اور کچھ آدمیوں کو بھی ہلاک کرتے ۔ چونکہ اس طرف غرابوں میں بھی پورا بندوبست تھا اور ہرغراب میں بڑھئی مقرر تھے اس لئے جوں ھی کسی غراب کو نقصان پہونچتا اسے فوراً ٹھیک کرلیا جاتا ۔ غرض اس دن طرفین میں اسی طرح جنگ اور توپ اندازی ہوتی رھی ۔ پانی کے ایک طرف خانخاناں کا لشکر اور دوسری جانب درختوں کا جُھنڈ ہونے کی وجہ سے غرابوں کو مجبوراً دریا کے وسط سے گذرنا پڑ رہا تھا ۔ [اس کے علاوہ چونکہ] یہاں پانی کا بہاؤ بھی تیز تھا

اس لئے ڈھائی پہروں تک انھیں چپو بھی چلانے پڑے اور جنگ بھی کرنی پڑی پھر توپوں کے حملوں سے بھی ان کے کثیر آدمی مارے گئے۔ چنانچہ انھوں نے بالآخر محسوس کیا کہ وہ اس قلعہ کے سامنے سے نہ گذر سکیں گے اور [خواہ مخواہ] ان کے بہت سے آدمی تلف ہو رہے ھیں۔ مجبوراً انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ [اب ایک طرف سے] خانخانان کے غرابوں نے ان کا تعاقب کیا اور دریا کے دوسرے کنارے سے فوج نے بھی ان پر یورش کردی۔ [اس موقع پر] خسرو خان ان کی بڑی کامیاب قیادت کر رہا تھا۔ چنانچہ فرار ہوتے وقت اس نے اپنے غراب کو پیچھے رکھ کر دوسرے جملہ غرابوں کو آگے کردیا تھا۔ [جن کا تعاقب کرتے وقت] کچھ غراب کہ جس میں فرنگی اور بعض دوسرے سپاھی سوار تھے۔ [شاھی فوج کے] ھاتھ آگئے۔ [اسی درمیان میں] شاھی غراب خسرو خان کے غراب کے نزدیک جا پہونچے تھے لیکن اچانک شاھی غراب کے بارود خانہ میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے کچھ لشکر اسی عرصہ میں آگ کی نذر ہو گیا۔ چنانچہ خسروخان کا غراب [۲۵۳] اور دوسرے جملہ غراب بچ کر نکل گئے۔ [اس جنگ میں] ان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور [خانخاناں کو] فتح عظیم حاصل ہوئی۔

دوسرے دن وھاں سے کوچ کرکے جانی بیگ کے قلعہ کی جانب توجہ کی گئی۔ اس نے بڑا مضبوط قلعہ بنایا تھا اور قلعہ کے اندر درختوں کے گھنے جھنڈوں کا بھی ایک رقبہ تھا

جس کے وجہ سے اسے حاصل کرنا بے حد مشکل نظر آتا تھا ۔ چنانچہ
جب محاصرہ کو کافی دن گذر گئے ارور خانخاناں اور اس کے
امرا نے دیکھا کہ یہاں کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تو ایک
رات انھوں نے چاروں طرف سے قلعہ پر یورش کردی لیکن چونکہ
قلعہ مضبوط تھا اس لئے اس ترکیب سے بھی کوئی فائدہ نہ پہونچا ۔
اس کے بعد انھوں نے طے کیا کہ ھمیں ولایت ٹھٹھہ میں پھیل جانا
چاھئے ، کچھ ٹھٹھہ جائیں اور کچھ سیوھن ، کچھ بدین کا
رخ کریں کچھ فتح باغ کا اور کچھ لوگ جون کی طرف چلے
جائیں ۔ شاہ بیگ خان قلعہ ِ شاہ گڑ کی طرف جائے کہ جو
شاہ قاسم خان ارغون نے تعمیر کرایا تھا ۔ [چنانچہ اس فیصلہ کے
مطابق] نواب خانخاناں ٹھٹھہ کی طرف روانہ ھوا اور دوسرے
امرا فتح باغ ، بدین اور جون کی طرف گئے ۔ شاہ بیگ خان
نے جا کر قلعہ شاہ گڑ کا محاصرہ کیا اور خانخانان کے ملازمین
سید بہاؤالدین ، بختیار بیگ ، اس کتاب کا مؤلف ، حسن علی
عرب ، جان بیگ اور آقائے مقصود بیگ نے سیوھن جا کر اس کا
محاصرہ کرلیا ۔ جب اھل قلعہ کی حالت تنگ ھوئی تو ان
کے خطوط جانی بیگ کے پاس گئے کہ " اگر آپ ھمارے پاس
پہونچ گئے تو بہتر ورنہ [اب یہ] قلعہ ھاتھوں سے جاتا ھے "۔
جانی بیگ نے جب دیکھا کہ [واقعی] قلعہ ھاتھوں سے جارھا ھے
تو وہ فی الفور سیوھن کی طرف متوجہ ھوا ۔ جب وہ بیس کوس
تک آ پہونچا تو ھم نے آپس میں مشورہ کیا اب ھمیں کیا کرنا
چاھئے ۔ سبھوں کی رائے ھوئی کہ جنگ کرنی چاھئے چنانچہ

محاصرہ چھوڑ کر ہم جانی بیگ کی طرف روانہ ہوئے۔ خانخانان کو جب جانی بیگ کے ہمارے لشکر کی طرف رجوع ہونے کی خبر ملی تو اس نے اپنے کچھ امرا جیسے کہ محمد خان نیازی، بہادر خان اور اپنے ملازم میاں دولت خان کو امداد کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ ہم ادھر لکی کے قریب پہونچے تھے کہ یہ جماعت بھی ہم سے آ ملی۔ یہ دونوں لشکر مل کر کل ایک ہزار دو سو سوار ہوئے۔ جانی بیگ پہاڑ کی طرف سے دس ہزار سوار اور بہت سے تیر انداز پیادے اور دریا کی طرف سے غراب اور توپ خانہ ساتھ لئے ہوئے آ رہا تھا۔ جب وہ چھ کوس کے فاصلہ تک آ پہونچا تو خانخانان کے امرا نے مشورہ کیا کہ اگر ہم یہاں ٹھہر جائیں گے تو وہ ہم پر چاروں طرف سے حملہ کردے گا یعنی خود سامنے سے، تیر اندازوں کا لشکر پہاڑ کی طرف سے، غراب دریا کی جانب سے، اور اہل سیوھن پیچھے سے۔ اس لئے جانی بیگ سے آگے جا کر جنگ کرنا ہی مناسب نظر آتا ہے۔ یہ فیصلہ کر کے ...... (۱) تاریخ کو فوجیں آراستہ کر کے ہم جانی بیگ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر جاسوسوں نے جانی بیگ کو خبر دی کہ لشکر آ رہا ہے لیکن جانی بیگ نے تسلیم نہ کیا اور کہنے لگا کہ وہ آدمی ہی کتنے ہیں! ان کی کیا مجال ہے کہ جو وہ ہم پر چڑھائی کر کے آئیں! اچانک اسے ہماری فوج کی گرد نظر آئی تب جا کر اسے ہماری آمد کا یقین ہوا اور وہ اپنا لشکر درست کرنے لگا۔ دوپہر کے

---

(۱) یہاں اصل فارسی نسخہ میں بھی خلا ہے۔

وقت دونوں لشکروں کا تصادم ہوا ۔ جب ہمارے مقدمہ سے جنگ ہوئی تو [ہمارے] کچھ لوگ تاب مقابلہ نہ لاکر فرار ہوگئے اور جانی بیگ کا لشکر تعاقب کرتا ہوا قلب تک آ گیا۔ اب جانی بیگ کی فوج گروہ در گروہ پہونچنے لگی اور جنگ شدت اختیار کرگئی ۔ تین چار مرتبہ سخت معرکے ہوئے لیکن بالآخر جانی بیگ کی سپاہ نے شکست کھائی۔ جانی بیگ نے ثابت قدم رہتے ہوئے سخت جنگ کی لیکن حب اس نے اس کا کوئی فائدہ نہ دیکھا تو خود بھی فرار ہوگیا اور اس کے کثیر آدمی قتل اور قید ہوگئے۔

میدان جنگ سے بیس کوس دور موضع انڑ پور میں جا کر جانی بیگ نے پھر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا اور اس میں مستحکم ہوکر بیٹھ رہا۔ شاہی خیر خواہ وہاں بھی جا پہونچے اور محاصرہ کرلیا ۔ کچھ دنوں بعد نواب خان خاناں نے بھی وہاں پہونچ کر مورچے تیار کرائے ۔ پھر روزانہ جنگ ہوتی رہی اور دونوں جانب سے کثیر آدمی قتل ہوتے رہے۔ آخر ہم لوگ مٹی کھود کر اسکے انبار کی اوٹ لیتے ہوئے قلعہ کی جانب بڑھنے لگے اور مٹی کے یہ ڈھیر بالآخر خندقوں تک جا پہونچے ۔ [اس پر] جانی بیگ عاجز آ کر صلح کے لئے آمادہ ہوا۔ [۲۵۵] اس کے عریضہ کی یہ صورت تھی : میں تیس غراب اور سیوھن کا قلعہ آپ کے حوالہ کرتا ہوں اور پھر ٹھٹھہ پہونچنے کے بعد آ کر آپ سے

ملاقات کروں گا"۔ خانخانان نے اپنے امراء سے رائے دریافت کی۔ انھوں نے متفقہ طور پر کہا کہ چونکہ اس کی حالت بے حد نازک ہوچکی ہے اس لئے صلح نہ کرنی چاہئے کیونکہ ہم اپنے کام کو آج یا کل پر پہنچا چکے ہیں اور اس کا بھی امکان ہے کہ ٹھٹھہ پہونچنے پر جانی بیگ کی رائے تبدیل ہوجائے۔ خانخانان نے کہا کہ "اگر ہم قلعہ سے چمٹے رہیں گے تو اول تو دونوں طرف کے خاصے آدمی قتل ہوتے رہیں گے دوم یہ کہ ان کے اھل و عیال پاجیوں کے ھتھے چڑھیں گے اور ان کی بیعزتی ہوگی اس لئے ہم صلح کرتے ہیں اور اسے اپنا جیسا پنج ہزاری کا منصب بندگانِ حضرت کی خدمت سے دلوائیں گے"۔ بےشک اس کی رائے درست تھی۔ جانی بیگ کے ایلچیوں نے آکر عہد و پیمان کئے اور لاکر غراب حوالہ کردیئے ساتھ ھی ساتھ سیوھن کا قلعہ حوالہ کردینے کے لئے بھی اپنے آدمی سیوھن روانہ کرکے [جانی بیگ] ٹھٹھہ روانہ ہوگیا۔

خان خانان طغیانی آب کا موسم "سن" میں گذار کر سرما کی ابتدا میں ٹھٹھہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہم فتح باغ کے نزدیک ھی پہونچے تھے کہ جانی بیگ استقبال کے لئے آیا۔ یہاں اس کے اور خانخانان کے درمیان ملاقات ہوئی اور بڑی پر لطف اور طویل نشست ہوئی۔ [اس کے بعد] جانی بیگ کو وھاں چھوڑ کر خانخانان ٹھٹھہ کی سیر کی طرف متوجہ ھوا۔ جب وہ ٹھٹھہ جا پہونچا تو اس کے عقب میں جانی بیگ بھی گیا اور جو کچھ

کہ اس کے امکان میں تھا وہ اس نے امرا اور لشکر پر صرف کیا
یہاں بڑی پر لطف صحبتیں رہیں۔ پھر وہاں سے سمندر کی سیر کے
لئے وہ لاھری بندر گئے۔ اس کے بعد جب جانی بیگ کو ساتھ لے کر
درگاہ میں حاضر ہونے کا حکم آیا تو دولت خان اور خواجہ مقیم
کو ملک کے انتظام کے لئے اپنا نائب مقرر کرکے [خانخانان]
وھاں سے براہ راست بارگاہ معلیٰ کی طرف روانہ ھوا اور
جانی بیگ کو ساتھ لے کر [۲۵۲] یلغاریں کرتا ھوا
مورخہ ۰۰۰۰۰ (۱) کو پابوسی کے شرف سے مشرف ھوا۔ خانخانان
کی سفارش پر حضرت [بادشاہ]، جانی بیگ کے ساتھ بڑے لطف
و کرم کے ساتھ پیش آئے اور ولایت ٹھٹھہ کو اس کے (خانخانان
کے) سپرد کیا۔ جانی بیگ حضرت کی خدمت میں رعایت اور
اعتماد حاصل کرکے پنج ہزاری (۲) کے منصب پر سرفراز ھوا۔
حضور کی اس پر بڑی عنایت اور توجہ ھوئی اس حد تک کہ
خسرو شاہ کو اس کی دامادی کے لئے نامزد فرمایا۔ پھر جن
دنوں کہ حضرت دکن کی طرف متوجہ تھے اور احمد نگر اور
قلعہ اسیر گڑہ فتح ھوچکا تھا انھی دنوں جانی بیگ سرسام کے

---

(۱) اصل فارسی متن میں اس مقام پر خلا ہے۔ (ملاخطہ ھو آخر میں
تشریحات بر صفحہ [۲۵۷]

(۲) اصل متن میں "چار پنج ہزاری" ہے۔ لیکن نسخہ ح میں لفظ "چار"
نہیں ہے اس کے علاوہ جیسا کہ اس سے پہلے (ص ۳۵۵) مذکور
ھوچکا ہے خانخانان نے بھی جانی بیگ کو "پنج ہزاری" منصب
دلوانے کا وعدہ کیا تھا اس لئے اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

مرض میں مبتلا ہو کر ۲۷ رجب سنہ ۱۰۰۸ھ کو انتقال کر گیا اور نواب علامی کی سفارش پر کہ "ٹھٹھہ کا ملک میرزا جانی بیگ کے بیٹے مرزا غازی بیگ کے حوالہ کیا جائے"، حضرت نے ایسا ہی کیا۔

———:o:———

[یہ کتاب] مورخہ ۲۲۔ شعبان المعظم سنہ ۱۰۴۵ھ کو

فقیر حقیر محمد رضا بن مرحوم دریائی

بن داروغہ گہر کے ہاتھوں

مکمل ہوئی۔

رحمہما اللہ

تعالیٰ۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم زانکہ من بندۂ گنہگارم

[۲۵۷]

———:o:———

توضیحات و استدراکات

[مندرجہ ذیل صفحات میں کتاب کے بعض خاص حوالوں کی توضیح کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عمر بن محمد دائود پوتہ مرحوم کے فارسی ایڈیشن سے اخذ کردہ وضاحتوں کے اخیر میں (ع۔م۔) کے حروف اور اس اردو ترجمہ کے ایڈیٹر (نبی بخش بلوچ) کی دی ہوئی تشریحات کے آخر میں (ن۔ب۔) کے حروف دیئے گئے ہیں۔ حوالہ کے لئے صفحات کے جو نمبر دیئے گئے ہیں وہ اصل فارسی نسخہ (مرتبہ ڈاکٹر داؤد پوتہ) کے وہی نمبر ہیں کہ جنھیں ترجمہ کے متن میں مربع قوسین مس واضح کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر]

ص [۵]۔ تاریخ مرآۃ الجنان:۔ یہ عفیف الدین عبداللہ بن اسعد الیافعی کی تالیف ہے (جو اصلاً یمنی تھے لیکن یمن سے ھجرت کر کے انھوں نے حرمین شریفین میں سکونت اختیار کرلی تھی)۔ یافعی نے سنہ ۷۶۸ھ میں وفات پائی۔ تحفۃ الکرام (۳ × ۲۹۸) میں مرقوم ہے کہ جس زمانہ میں مخدوم جہانیاں (متوفی سنہ ۷۸۵ھ) مکہ معظمہ میں مقیم تھے اسی زمانہ میں ان کی ملاقات امام یافعی سے ہوئی تھی۔ دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ مخدوم جہانیاں نے اپنی آخری کتاب "خزانہ جلالی" میں امام یافعی کے کئی ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔ ا۔ ھ۔

امام یافعی کی تصوف میں متعدد تصانیف ہیں جن میں مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

(۱) "روضۃ الریاحین" جس کا دوسرا نام "نزھۃ العیون" ہے۔ اس کتاب میں صالحین اور صوفیائے کرام وغیرہم کی تقریباً

پانچ سو تاریخی حکایتیں مذکور ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۳۰۱ھ میں مصر سے شائع ہوچکی ہے۔

(۲) "اسنی المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر"۔ اس کا نسخہ برلن میں موجود ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "مرآۃ الجنان و عبرت الیقظان فی معرفت حوادث الزمان و تقلب احوال الانسان و تاریخ موت بعض مشاھیر الاعیان" ہے - یہی نام ہمیں سنہ ۷۵۰ھ تک اس کتاب کے نسخوں میں ملتا ہے۔ اس کے دو نسخے فینا اور برطانیہ کے عجائب خانہ میں موجود ہیں - اس کے علاوہ یہ کتاب حیدرآباد دکن سے بھی طبع ہو چکی ہے اور ابو عبداللہ اھدل نے "غربال الزمان" کے نام سے اس کا انتخاب بھی مرتب کیا تھا (جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغتہ العربیہ ج - ۳ بحث تصوف)۔

تاریخ معصومی میں نقل کی ہوئی عبارت تھوڑے سے تبدل و تغیر کے ساتھ "مرآۃ الجنان" مطبوعہ حیدرآباد دکن کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۹۹ میں سنہ ۹۶ھ کے بیان میں ملتی ہے جس میں مرقوم ہے کہ "اسی سال (۹۶ھ) خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی کہ جو ظالم ہوتے ہوئے بھی قران شریف کی کثرت سے تلاوت کیا کرتا تھا - کہتے ہیں کہ تیسرے دن وہ ایک قران شریف اور رمضان شریف میں سترہ قران پاک ختم کیا کرتا تھا"۔ (ن - ب)

ص [۵] - اس کی وفات سنہ ۹۶ھ کے ماہ جمادی الاول الخ :
طبری (جلد ۲، ص ۱۲۹۶) نے لکھا ہے کہ تمام سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ ولید نے سنہ ۹۶ ھجری وسط جمادی الآخر میں

شنبہ کے دن انتقال کیا۔ حساب کے مطابق شنبہ کے دن ۱۲ جمادی الآخر سنہ ۹۶ ھجری (۲۳ فروری سنہ ۷۱۵ع) تھا۔ (ن۔ب)

ص[۲]۔ عبدالملک کے عہدِ خلافت میں الخ : صحیح یہ ھے کہ یہ واقعہ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ھوا۔ اس مقام پر فتحنامہ (چچ نامہ) کی عبارت یہ ھے "کہتے ھیں کہ سراندیپ کے بادشاہ نے جزیرۂ یواقیت سے حجاج کے لئے ھدیئے اور تحائف روانہ کئے ساتھ ھی نادر موتی اور جواھرات، حبشی غلام اور کنیزیں اور دیگر شایان شان تحایف اور بے مثل نذرانے دارالخلافت کے لئے بھی روانہ کئے۔ جن کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی کعبہ شریف کی زیارت اور دارالخلافہ کی سیر کرنے کے لئے روانہ ھوئیں۔ جب یہ لوگ ملک قاذرون کی حدود کے قریب پہونچے تو مخالف ھوا چلنے لگی جس کی وجہ سے وہ اپنی کشتیوں کا رخ بدل کر ساحل دیبل کو آ لگے۔ یہاں قزاقوں کی ایک جماعت نے کہ جسے نکامرہ کہتے تھے اور جو دیبل کے باشندے تھے ان آٹھوں کشتیوں کو پکڑ لیا الخ" (دیکھئے فتحنامہ، فارسی متن ص ۸۹)۔ بلاذری کے بیان (فتوح البلدان، یورپ ایڈیشن، ص ۴۳۵) سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ھوتی ھے۔ البتہ بلاذری نے لٹیروں کو "نکامرہ" کے بجائے "مید" لکھا ھے۔ (ن۔ب)

ص[۲]۔ بندرگاہ دیبل کے قریب جو اب ٹھٹھہ بندر اور لاھری کے نام سے مشہور ھے الخ : میر معصوم کی طرح سندھ اور ھند کے بعض مورخوں جیسے کہ ابوالفضل (آئین اکبری ص ۵۵۶) اور سید محمد طاھر نسیانی (تاریخ طاھری ص ۲۱)، نے دیبل بندر

کو شہر ٹھٹھہ سے اشتباہ کیا ہے۔ لیکن در حقیقت دیبل بندر شہر ٹھٹھہ سے بالکل مختلف تھا۔ فتحنامہ (ص ۱۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل چھٹی صدی عیسوی میں سندھ کے رائے خاندان کے عہد میں موجود تھا۔ سنہ ۱۰ ھجری میں حضرت عمر کے عہد خلافت میں دیبل پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا اور سنہ ۷۱۲ع میں محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کیا۔ عہد اسلامی میں اسی قدیم دیبل بندر کے متعدد اور مسلسل حوالے ملتے ھیں جن کی بنیاد پر کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے لے کر تقریباً تیروھیں صدی عیسوی کے نصف تک دیبل بندر بہتر یا زبون حالت میں آباد رہا (۱)۔ گمان غالب ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں عربوں کی حکومت کے زوال کے ساتھ ان کی طاقت کے مرکز دیبل بندر کی اھمیت اور حیثیت بھی کم ھونے لگی۔ دوسری طرف مقامی حالات کی تبدیلی اور دریائے سندھ کے مدخل کی شاخوں کے تغیر و تبدل کے سبب، دریا کی ایک شاخ پر ایک نئی بندر گاہ کے لئے سازگار ماحول پیدا ھوگیا جس کا نام "لوھارانی" پڑ گیا۔

---

(۱) سنہ ۱۹۵۱ع میں، کراچی کی مجلس علمیہ کے ایک اجلاس میں دیبل کے محل و قوع کے موضوع پر راقم الحروف نے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس موقع پر شمس العلما ڈاکٹر داؤد پوٹہ نے راقم الحروف کی توجہ سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں دیبل کی تباھی

(بقیہ صفحہ ۳٦۳ پر)

گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں محقق بیرونی نے دیبل کے ساتھ اس نئی بندرگاہ "لوھارانی" کا ذکر کیا ھے۔ غالباً اس نئی بندرگاہ کی سہولت نے دیبل کی اھمیت کو رفتہ رفتہ ختم کردیا اور آیندہ دو صدیوں میں دیبل بالکل ویران ھوگیا۔ سنہ ۱۳۳۴ع میں جب ابن بطوطہ دریائے سندھ کی راہ سے نشیب میں سمندر کی طرف گیا تو اس نے "لاھری بندر" ھی

کے بارے میں ایک حوالہ کی طرف مبذول کرائی جس کے مطابق دیبل سنہ ۲۸۰ھ میں ایک خوفناک زلزلہ میں تباہ ھوا تھا۔ راقم الحروف نے اس حوالہ کو مقالہ میں تو داخل کیا لیکن اسے ضعیف اور غیر معتبر قرار دیا اور اس پر تنقید کی (دیکھئے راقم الحروف کا انگریزی مقالہ "دیبل کا ممکن محلِ وقوع" مطبوعہ "اسلامک کلچر" حیدرآباد دکن ماہ جولائی ۱۹۵۲ع صفحہ ۳۷)۔ اس کے بعد مزید تحقیق سے معلوم ھوا کہ در حقیقت سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" (مطبوعہ منیریہ مصر، ۱۳۵۱ھ) غالباً کسی غلط قلمی نسخہ کے مطابق طبع ھوئی ھے جس میں شہر "اردبیل" کی جگہ "دیبل" طبع ھوگیا ھے۔ اس کی یقینی دلیل یہ ھے کہ سیوطی نے زلزلوں پر ایک خاص کتاب "کشف الصلصلہ عن وصف الزلزلہ" کے نام سے لکھی ھے جس کا لب لباب فاضل مستشرق اے۔ اسپرینگر (A - Sprenger) نے اپنے انگریزی ترجمہ میں دیا ھے جو کہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل سال ۱۸۴۳ع میں صفحات ۷۴۱-۷۴۹ پر شایع ھوچکا ھے۔ اس ترجمہ کے صفحہ ۷۴۳ پر واضع طور پر درج ھے کہ سنہ ۲۸۰ھ کا زلزلہ "اردبیل" میں آیا تھا جس کا "دیبل" سے کوئی تعلق نہیں۔ (ن-ب)۔

کو اوج پر دیکھا البتہ اس نئی بندرگاہ سے ٦ - ۷ میل دور اس نے ایک ویران شہر کے کھنڈرات بھی دیکھے تھے جو کہ شاید قدیمی دیبل ھی کے تھے -

بھر حال تقریباً چھہ سو برس تک دیبل سندھ کا ایک مشھور بندر رھا اور اس مدت میں سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ گویا دیبل سے وابستہ رھی- غالباً اسی وجہ سے بندرگاہ دیبل کے اجڑنے کے بعد بھی اھلِ سندھ نے اس نئی بندرگاہ کو دیبل کے نام سے پکارا کیونکہ گذشتہ چھہ سو برس سے "بندر" اور "دیبل" لازم و ملزوم سے ھو چکے تھے - بعد کے زمانے کی تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ھوتی ھے کہ سولھویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں نے اسي "لاھری بندر" کو "لاھوری بندر" "دیوئل" اور "دیوئلسند" کے ناموں سے یاد کیا اور اس کے بعد انگریزوں نے بھی اسے "سٹی دیوئل" اور "لاری بندر" کے نام سے پکارا (۱)- اسي دور میں ٹھٹھہ نے بھی ایک دریائی بندرگاہ کی اھمیت حاصل کرلی تھی اور اسے بھی "دیبل" کے نام سے پکارا جاتا تھا - چنانچہ ابوالفضل نے "آئین اکبری" مین ٹھٹھہ کو "دیبل" لکھا ھے اور اسی زمانے میں میر معصوم بھي یھی لکھتا ھے کہ اس کے زمانہ میں "لاھری بندر" اور "ٹھٹھہ" دونوں کو "دیول بندر" کہا جاتا تھا (تاریخ معصومی فارسی ص ٦)- چونکہ زمانۂ قدیم سے "لاھری بندر"

---

(۱) تصدیق کے لئے دیکھئے ھیگ (Haig) کی کتاب "The Indus Delta Country" مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ع ص ٦۴، ٦۴- اور ۷۹ -

کا نام بھی "دیبل" پڑ چکا تھا اسی وجہ سے بعد کے مورخ میر علی شیر قانع نے "لاهری بندر" کو "پرانا دیبل" سمجھا (تحفتہ الکرام ۳۔۲۴۲-۲۵۳)۔ اسی طرح "پیر پٹھے" کو بھی، جو کہ بگھاڑ شاخ پر ایک بندرگاہ تھی، مقامی طور پر دیبل کہا گیا چنانچہ میر علی شیر قانع نے تحفتہ الکرام (۳ × ۲۴۷، ۲۵۲) میں وهاں کے مدفون بزرگ شیخ حسن عرف "پیر پٹھا" کو "دیبلی" لکھا ھے۔

مذکورہ توضیح سے یہ معلوم ھوگیا کہ اصل "دیبل" جسے کہ محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا وہ انقلاب زمانہ کے ھاتھوں برباد ھوگیا تھا لیکن یادگار کے طور پر اس کا نام چلتا رہا۔ یہاں تک کہ لوھارانی یا لاھری یا لاھوری بندر اور ٹھٹھہ دونوں دیبل کہے جانے لگے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اصلی یا قدیم دیبل بندر سمجھنا غلط ھوگا۔ محقق بیرونی نے، جس نے سب سے پہلے "لوھارانی بندر" کا ذکر کیا ھے اس نے صاف طور پر لکھا ھے کہ دیبل ایک ساحلی بندرگاہ تھا اور لوھارانی اس سے علحٰدہ مشرق کی طرف دریائے سندھ کی ایک شاخ کا بندر تھا (کتاب الهند، عربی متن، ص ۱۲۲)۔ ٹھٹھہ کی تو بنیاد ھی بہت بعد میں سومروں کے دور کے اواخر اور سموں کے دور کے اوائل میں تقریباً ۳۷-۱۳۳۳ع میں پڑی، اس لئے ٹھٹھہ کو قدیم دیبل سے تعبیر کرنا یوں بھی غلط ھے۔ ایلیٹ، کراچی کو دیبل قرار دیتا ھے جو کہ صحیح نہیں ھے کیونکہ سنہ ۱۷۲۵ع سے پہلے

کراچی کا وجود ہی نہیں تھا اور بندرگاہ کی حیثیت سے کراچی پہلے پہل سنہ ۱۷۲۹ع میں استعمال ہوا۔ میجر راورٹی عرب مؤرخوں اور جغرافیہ دانوں کے حوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کیپٹن نیو پورٹ کے بیان (سنہ ۱٦٦٦ع) کی بنیاد پر "پیرپٹھا" کو دیبل قرار دیتا ہے۔ هرچند کہ الیٹ اور هیگ نے دیبل کو متعین کرنے کے لئے اپنی دلائل کا مدار عرب مؤرخوں کے دیئے ہوئے فاصلوں پر رکھا ہے، لیکن اس کے باوجود الیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے اور ہیگ نے کراچی سے تقریباً ۵۰ میل جنوب مشرق کی طرف "ککڑ بکیرا" یا "بیگ چھکیو" (ٹھٹھہ سے تقریباً ۲۰ میل جنوب مغرب کی طرف) کے کھنڈرات کو دیبل قرار دیا ہے۔

بہرحال اصطخری، مسعودی اور ابن حوقل کے چشم دید بیانات سے بالآخر یہ ضرور طے ہوجاتا ہے کہ:

۱۔ دیبل مہران یا اس کی کسی شاخ کے کنارے پر نہ تھا۔

۲۔ دیبل مہران کے مدخل سے کافی فاصلہ پر مغرب کی طرف تھا۔

۳۔ دیبل بحری ساحل کا بندر تھا۔

چونکہ عربی دور میں بگھیاڑ نالہ، مہران کي ایک اهم شاخ کی حیثیت سے موجود تھا، اس لئے دیبل کی تلاش ھمیں بگھیاڑ کے قدیم پیٹے سے مغرب کی جانب ساحل سمندر پر ھی کرنی چاھئے۔

اب کراچی سے لے کر نیچے جنوب مشرق کی طرف بگھیاڑ کے قدیمی پیٹے تک نئی پرانی جو بستیاں بھی بندرگاہ کی حیثیت سے پائی جا سکتی ھیں وہ یہ ھیں: کراچی، کلفٹن،

گسری (گذری) ، واگھودر یا ابراھیم حیدری ، بنبھور ، رتو کوٹ ، ماڑی موروڑو یا ستون والی مسجد ، دھاراجہ ، رانہ کوٹ اور جاکھی بندر ۔

ان میں سے کراچی ۱۷۲۵ع کے بعد بحیثیت ایک بندرگاہ کے استعمال ھوا ۔ کلفٹن اور گذری دونوں نئی بستیاں ھیں جہاں کوئی بھی قابل ذکر آثار موجود نہیں ۔ کلفٹن پر عبداللہ شاہ کا مزار ھے جس کی بابت ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کا گمان تھا کہ یہ مزار عبیداللہ بن نبہان کا ھے جنھیں حجاج نے بدیل بن طھفة البجلی سے پہلے دیبل پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا تھا (دیکھئے فتحنامہ ، فارسی ایڈیشن ، ص ۲۰۰) ۔ مگر بلاذری کی تحریر کے مطابق تقریباً خود اس کے زمانے (۲۲۹-۲۳۴ھ) میں دیبل میں بدیل بن طھفہ کی قبر موجود تھی عبیداللہ بن نبہان کی نہیں (دیکھئے فتوح البلدان، یورپ ایڈیشن ، ص ۴۳۸) ۔

"واگھودر" یا "ابراھیم حیدری" میں بے شک کسی ویران بستی کے کچھ نشانات پائے جاتے ھیں ، ھوسکتا ھے کہ وہ دیبل ھو ۔ اسی طرح بنبھور بھی یقینی طور پر ایک قدیمی بستی ھے اور ھوسکتا ھے کہ وھی دیبل ھو ۔

رتو کوٹ ، ابراھیم حیدری سے جنوب مشرق کی سمت ، موجودہ بحری اراضی میں واقع ایک قسم کا قلعہ ھے جس کے پتھروں اور کھنڈرات سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ قدیم زمانہ کا ھے ۔

بنبھور سے تقریباً ۱۰-۱۱ میل جنوب مغرب کی طرف

تحصیل میرپور ساکرو کے دیھہ کھیرانی میں سمندر کی موجوں کے نیچے آئی ہوئی مغربی اراضی میں بھی مسمار کھنڈرات ہیں، جنھیں اب مقامی طور پر "ماڑی موروڑو" کہتے ہیں۔ شاید یہ وہی آثار ہیں کہ جنھیں مسٹر کارٹر نے "ستون والی مسجد" کہا ہے اور "دیبل" سمجھا ہے (دیکھئے ہینری کزنس کی کتاب "سندھ کے آثار قدیمہ" ص ۲۷-۱۲۶)۔ سنہ ۱۹۴۴ع میں راقم‌الحروف نے ان کھنڈرات کا مشاہدہ کیا۔ وہاں جو پتھر کی قبریں اور قبرستان ہے وہ مکلی کے قبرستان کے زمانے یا اس سے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے یہ علاقہ آباد تھا جس کے بعد سمندر کے نیچے آگیا۔ بہرحال اس اراضی میں بھی دیبل کا ہونا قرین قیاس ہے۔

دھاراجا، جاکھی بندر اور رانا کوٹ کے کھنڈرات "بُنھارا" کے شہر سے تقریباً ۵-۶ میل مغرب کی سمت اور بگھیاڑ کے قدیم پیٹے کے شمال مغرب کی جانب ہیں جس کا ہم نے سنہ ۱۹۵۲ع میں معائنہ کیا۔ رانا کوٹ اصل میں رانا ارجن کا قلعہ ہے جسے میاں غلام شاہ کلہوڑہ نے بجار جوکھیہ کے ہاتھوں قتل کرایا تھا۔ قلعہ کے مغرب میں رانا کے بیٹے "علی بن ارجن" کی قبر موجود ہے کہ جو اسلام میں داخل ہوگیا تھا، اور مسلمان ہوکر وفات پائی اور جہاں تک یاد آتا ہے اس کی قبر کے کتبہ پر سنہ ۱۱۰۲ھ کندہ ہے۔ بہرحال یہ قلعہ بعد کے زمانے کا ہے۔

جاکھی بندر اور دھاراجہ بندر کے آثار دریا کی ایک قدیم

شاخ (پھٹی ہٹیانی؟) کے مشرقی کنارے پر (رانا کوٹ کے کے ایک میل مغرب میں) موجود ھیں۔ یہ دونوں مقامی نام ھیں جن کا قدیم تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ھے۔ جاکھی بندر جنوب کی سمت اور دھاراجہ اس سے ملا ھوا شمال کی طرف ھے اور یہ دو مختلف نام غالباً ایک ھی قدیم بستی کے ھیں۔ گمان غالب ھے کہ یہ آثار مشہور تاریخی بندر لاھری کے ھیں۔ کیپٹن پوسٹنس ۱۸۳۴ع سے ۱۸۴۰ع کے درمیانی عرصہ میں لکھتا ھے کہ "دھاراجہ پہلے ٹھٹھہ (کی تجارت) کا خاص بندر اور مشہور شہر تھا لیکن دریا کے رد و بدل کے وجہ سے اب اس بندر گاہ کی اھمیت کم ھوگئی ھے...... ...... اس وقت دھاراجہ یا لاھری بندر کی بجائے کراچی ھی کو بندرگاہ کی حیثیت سے استعمال کیا جاتاھے" (۱)۔

اس وضاحت کی بنا پر واگھودر، 'بنبھور ماڑی موررڑو، اور ستون والی مسجد میں سے کسی بھی ایک کو دیبل بندر قرار دیا جا سکتاھے۔ ان میں سے ھر مقام پر محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے کھدائی اور مزید تحقیقات کرنے کی ضرورت ھے اور اس کے علاوہ بنبھور سے لے کر دھاراجہ تک کے بحری ساحل کی بھی چھان بین کر کے باقی‌ماندہ کھنڈرات کا پتہ لگاناھے۔ اس مکمل جستجو کے بعد ھی کسی یقینی نتیجہ پر پہونچا جاسکے گا۔ فی‌الحال تاریخ کی روشنی اور محکمۂ آثار قدیمہ

---

(۱) دیکھئے کیپٹن پوسٹنس کی کتاب "Personal Observation on Sind" مطبوعہ لندن، ۱۸۴۳ع، ص ۱۷ - اور ۲۷ -

کی اس وقت تک کی تحقیقات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بنبھور کے کھنڈرات کا دیبل ہونا زیادہ ممکن اور قرین قیاس ہے۔ ہمارے اس نظریہ کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل قابلِ غور ہیں :-

۱- عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں میں سے بلاذری (فتوح - ص ۴۳۸) اور یاقوت (المشترک - ص ۱۰۲ - اور معجم البلدان زیر عنوان "الدیبل") نے "خورالدیبل" کا ذکر کیا ہے۔ هینری الیٹ نے "خور" کے معنی خلیج (Bay) کے لئے ہیں، تاکہ اس کے اس نظریہ کی تائید ہو کہ جس کے مطابق وہ کراچی کو جو کہ ایک چھوٹی سی خلیج پر واقع ہے، دیبل قرار دیتا ہے۔ خود عرب مورخوں میں قلقشندی (صبح الاعشیٰ ۵ × ۶۴) ابن سعید کے حوالہ سے "خور" کے معنی "خلیج" لکھتا ہے۔ "خلیج" اگرچہ دو مخلتف معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر اس کے عام معنی "کھاڑی" (۱) کے ہیں۔ اگر "خورالدیبل" کے معنی "دیبل کی کھاڑی" کے لئے جائیں تو اس سے گمان واثق ہوگا کہ "دیبل" سمندر کی ایک "کھاڑی" پر واقع تھا۔ چنانچہ کراچی سے لے کر "دھاراجہ" کے کھنڈرات تک اس وقت تین کھاڑیاں موجود ہیں یعنی گسری والی کھاڑی، کھڈرو کھاڑی جس کے سرے پر واگھودر (ابراھیم حیدری) ہے اور سب سے اہم اور بڑی کھاڑی "گھارو" جس کے کنارے پر بنبھور کے کھنڈرات واقع ہیں۔

---

(۱) انگریزی میں اسے "Estuary" یا "Creck" کہتے ہیں دیکھئے ھیگ کی کتاب "انڈس ڈیلٹا کنٹری" ص ۴۲—۴۳ -

بقول مقدسی ("مد" کے وقت) سمندر کا پانی دیبل کے شہر کے اندر بازاروں تک آجاتا تھا ۔ یہ صورت حال صرف بنبھور کے کھنڈ رات پر منطبق ہوتی ہے ۔ کیونکہ اب بھی بنبھور کے شہر کے ملبے کے شمال کی طرف سے خلیج کا پانی چڑھ کر مغرب کی طرف والے تالاب تک آتا ہے جو کہ اس کے کھنڈرات کے حدود میں ہے ۔

۲- بنبھور کے کھنڈ رات ، واگھودر وغیرہ کے مقابلہ میں زیادہ بڑے اور وسیع ہیں جنھوں نے گذشتہ صدی کے جملہ محققین کو کافی متاثر کیا ہے ۔ چنانچہ ڈیو ڈراس کہ جس نے بنبھور کا معائنہ کیا لکھتا ہے کہ "یہ بہت پرانے کھنڈ رات ہیں"۔ اسی طرح پاٹنجر نے لکھا ہے کہ "قدیم زمانے میں یہ کوئی بڑا شہر تھا"۔ ایلیٹ اور کننگھام نے ان کھنڈ رات کی قدامت کی بنا پر بنبھور کو سکندر اعظم کے زمانہ کا "باربریکان بندر" کہا ہے ۔ ہینری کزنس جو کہ ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کا افسر اعلیٰ تھا وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ "سندھ کے باشندے اسے اس صوبہ کا قدیم بندر گاہ سمجھتے ہیں" اور وہ خود بھی اسے سکندر اعظم کے زمانہ کا بندر تسلیم کرتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود وہ بنبھور کو دیبل کی بجائے عربوں کے زمانہ کا سمندر پر واقع ایک چھوٹا حفاظتی قلعہ ٹھیراتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں یہ ایک بالکل چھوٹی بستی "an insignificant-site" ہے ۔ ہینری کزنس کی یہ رائے نہ صرف مندرجہ بالا بیانات کی تردید ہے بلکہ کھنڈ رات کی صورت حال کے بھی

خلاف ھے ۔ در حقیقت بنبھور کے کھنڈرات کافی وسیع ھیں ۔ کم و بیش چار پانچ ایکڑ میں توٹیلے والے قلعہ کے کھنڈ رات ھیں جس کے عرض کی دیوار اور اطراف کے بُرجوں کے نشانات اب تک قائم ھیں ۔ اس قلعہ کے جنوب کے ٹیلے پر بھی قدیم آثار کچھ ھی کم نصف حصے میں پھیلے ھوئے ھیں جن میں کمروں اور کوٹھڑیوں کی بنیادیں اور ایک قدیم کنواں بھی موجود ھے ۔ ٹیلہ والے قلعہ کے شمال مغرب میں ایک بڑا تالاب موجود ھے اور اس تالاب کے جنوب مغرب میں بھی تقریباً ایک بڑے قطعہ میں کھنڈرات پھیلے ھوئے ھیں جن میں ٹیلہ والے قلعہ کے نشیب میں مغرب کی طرف، بڑے مٹکوں کی زمین دوز قطاریں عبرت انگیز ھیں ۔ غرض یہ کہ بنبھور کے کھنڈ رات، ٹیلہ والے بالائی سرے کے جنوبی حصہ سے لے کر شمال کی جانب قدیمی راستہ تک پھیلے ھوئے ھیں اور قدیمی قبرستان اس راستہ کے جنوب میں بالکل ملا ھوا واقع ھے ۔ ان جملہ وسیع آثارات کو چھوٹی بستی سمجھنا حقیقت کے خلاف ھے ۔

۳۔ فتح نامہ میں دیبل کے بدھوں کے مندر کا ذکر ھے جو کہ چالیس گز بلند تھا۔ یہ حوالہ بھی بنبھور کے کھنڈ رات پر صادق آتا ھے۔ جہاں ایک وسیع اونچا ٹیلہ اور اس پر قدیم دیوار کے نشانات اور ایک بلند اراضی نظر آتی ھے جو غالباً اسی مندر کی تھی۔ فتحنامہ میں اس کے علاوہ محمد بن قاسم کے بیان میں اور بھی بدھ کے مندروں کے نام نظر آتے ھیں مثلاً اشبہار، کنوھار، وکر بہار اور نو بہار۔ ان ناموں کے آخر

میں "بہار" یعنی "وہار" بدھ مندروں کے نام کی خصوصی علامت ہے۔ ہمارے خیال میں "بنبھور" (یہی مقامی طور پر عام مروج تلفظ ہے اور شاہ عبداللطیف رحہ کے "رسالوں" میں بھی یہی تلفظ پایا جاتا ہے) در حقیقت (بن + بھور = بن بہار) "بن بہار" یا "وَن وہار" کے اصلی نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے جو غالباً دیبل کی اصلیت کی غمّازی کرتا ہے۔

۴۔ قیام پاکستان کے بعد محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے بنبھور کے کھنڈ رات کی جو کھدائی ہوئی ہے اور اس میں سے جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں وہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ غالباً یہی دیبل کی قدیم بستی ہے۔ خصوصاً ۱۹۵۸ع میں آثار قدیمہ کے لائق ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل احمد خاں کی نگرانی میں بنبھور کی جو باقاعدہ کھدائی ہوئی ہے اس میں سے اس بستی کی تاریخ، قبل از اسلام کے دور تک پہونچ چکی ہے (ملاحظہ ہو ڈاکٹر فضل احمد خاں کا مضمون بعنوان بنبھور کی کھدائی، Banbhore Exuvation مطبوعہ اخبار Dawn کراچی مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۵۹ع)۔ اس انکشاف سے ایک خاص اعتراض ختم ہوجاتا ہے کہ بنبھور عربی یا اسلامی دور حکومت کی ایک بستی ہے جس کی وجہ سے اس کو قدیم دیبل نہیں مانا جاسکتا۔ اسی کھدائی سے عربی دور کے متعدد آثار ملے ہیں جن میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا ایک سکہ بھی ملا ہے۔ خلیفہ ہشام کا عہد، ۷۲۴-۷۴۳ع، محمد بن قاسم کی فتح دیبل (۷۱۲ع) سے صرف ۱۲ سال بعد کا ہے۔ خلیفہ

ھشام کے ایام میں دیبل سندھ میں عربی دور حکومت کا ایک خاص مرکز تھا۔ خلیفہ ھشام کے عہد کے تقریباً چار سال بعد تقریباً ۷۴۷ع سے لے کر ۷۵۰ع تک سندھ میں منصور بن جمہور نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی اور اس کے دور میں بھی سندھ کے پایۂ تخت منظورہ کے بعد دیبل دوسرا مرکزی شہر تھا جہاں منصور نے اپنے بھائی منظور کو والی بنا کر بھیجا تھا۔ بہت ممکن ھے کہ بنبھور کی مزید کھدائی سے منصور بن جمہور کے سکے برآمد ھوں۔ (ن-ب)

ص [۸]۔ دارالخلافہ سے حکم صادر ھوا تھا الخ : فتحنامہ (ص ۹۱) کے بیان کے مطابق حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے جہاد کی اجازت طلب کی لیکن خلیفہ نے انکار کیا۔ حجاج نے جب دوبارہ لکھا تو بالآخر اجازت دی گئی لیکن سب سے پہلے محمد بن قاسم کو نہیں بلکہ عبیداللہ بن نبہان اور بُدیل طہفة کو بالترتیب تسخیر دیبل کےلئے روانہ کیا گیا تھا اور بُدیل کی شہادت کے بعد ھی حجاج نے محمد بن قاسم کو تسخیر سندھ کے لئے روانہ کیا تھا۔ (فتحنامہ فارسی ص ۹۱-۹۴، بلاذری طبع لیڈن ص ۴۳۵)۔ (ن-ب)

ص [۱۲]۔ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا داھر تخت‌نشین ھوا : اس مقام پر غالباً اختصار کے خیال سے میر معصوم نے چچ کے بھائی چندر کا عہدِ حکومت نظر انداز کردیا ھے کہ جس نے چچ کے بعد تقریباً سات آٹھ سال تک سندھ پر حکومت کی تھی۔ (دیکھئے فتحنامہ۔ فارسی ص ۵۳-۵۴)۔ (ع-م)۔

ص [۲۱]- بالآخر اسلامی لشکر گھوڑوں کو مہمیز کرتا ہوا نیرون کوٹ کے قلعہ کے باہر آ پہونچا: میر معصوم نے اس مقام پر تاریخی تسلسل میں غلطی کی ہے۔ ان کے بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ کیچ مکران کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے پہلے نیرون کوٹ کو فتح کیا پھر یکے بعد دیگرے ٹھٹھہ، آلُور اور سیوستان (سیوھن) کو فتح کیا۔ ٹھٹھہ سے غالباً مراد دیبل ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ بلاذری، یعقوبی اور فتحنامہ جیسے معتبر ماخذوں سے ظاہر ہے کہ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ سے پہلے دیبل کو فتح کیا اور اس کے بعد بالترتیب نیرون کوٹ، سیوھن، جنوبی سندھ، برھمن آباد اور پایۂ تخت آلُور کو فتح کیا۔ (ن - ب)

ص [۲۱]: محمد بن قاسم کہ جو حجاج کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا: میر معصوم نے یہ عبارت فتحنامہ ("تاریخ فتح سندھ" تالیف قاضی اسمٰعیل سے مراد ہے) سے نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ محمد بن قاسم، حجاج کے چچا زاد بھائی قاسم کا بیٹا تھا - یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ محمد بن قاسم حجاج کا داماد تھا کیونکہ کتب انساب سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حجاج کے کوئی لڑکی بھی تھی۔ البتہ حجاج نے اپنی بہن زینب کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ محمد بن قاسم اور حکم بن ایوب دونوں میں سے کسی ایک سے شادی کرے۔ زینب نے (غالباً عمر کے لحاظ سے) حکم بن ایوب کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کی اور حجاج نے دونوں کی شادی

کردی۔ (کتاب الاغانی، ج ۲، ص ۷۲)۔ بعض اهم عربی ماخذوں سے معلوم هوتا هے کہ محمد بن قاسم کی شادی بنو تمیم کے ایک قبیلے "سعد بن زید منات" میں هوئی تهی۔ (دیکهئے حواشی فتحنامه)۔ (ن۔ب)

ص [۲۱]۔ آخر کار لشکر اسلام ۰۰۰ نیرون کوٹ کے قلعے تک آ پهونچا: بیان کے تسلسل سے گمان هوتا هے کہ محمد بن قاسم کیچ و مکران فتح کرنے کے بعد نیرون کوٹ کے قلعہ پر حملہ آور هوا لیکن اس ضمن میں میر معصوم کو مغالطہ هوا هے۔ خاص سندھ کے حدود میں محمد بن قاسم نے سب سے پهلے دیبل کو فتح کیا اور اس کے بعد نیرون کوٹ کی طرف روانہ هوا (فتحنامه، فارسی متن ص ۱۱٦)۔ دیبل سے نیرون کوٹ پچیس فرسنگ یعنی تقریباً ۷۰ میل دور تها۔ اگر بنبهور (گهارو کے نزدیک) کے کهنڈرات دیبل کے هیں، تو بنبهور سے حیدرآباد تقریباً ۷۰ میل کے فاصلے پر هے۔ فتحنامه میں هے کہ جس ٹیکری پر یہ قلعہ واقع تها اس کا نام "نیرون" تها، اور اسی لحاظ سے اس کو "نیرون ٹیکری والا قلعہ" یا "قلعہ نیرون" پکارا گیا (فتحنامه فارسی متن ص ۱۲۴-۱۲۵) جس کے بعد یہ قلعہ مقامی طور پر "نیرون کوٹ" کے نام سے مشهور هو گیا۔ سندھ کی قدیمی اور متواتر روایات کے مطابق شهر حیدرآباد نیرون کی قدیم بستی کی جگہ پر آباد هے (دیکهئے تحفة الکرام ۳ × ۱۷۷)۔ محب اللہ بکهری نے اپنی مختصر تاریخ (قلمی) کے دوسرے باب میں لکها هے کہ:
حیدرآباد در اصل نیرون کے نام سے مشهور هے۔ شهر کی بنیاد

نبوت اور ہجرت کے درمیانی عرصہ میں پانچویں سال رکھی گئی۔
پھر مغلوں کی فتح کے بعد یہ شہر حیدرآباد کے نام سے مشہور
ہوا کیونکہ حیدر قلی (ارغون؟) نے اس شہر کو از سر نو تعمیر
کرایا تھا۔ ا۔ ھ۔

یہاں محب اللہ کے بیان کا آخری حصہ صحیح نہیں ہے۔ فتحنامہ
سے ثابت ہے کہ قلعہ نیرون قبل از اسلام یعنی سندھ کے حکمران
'رائے خاندان' کے عہد میں بھی موجود تھا۔ اس شہر کا نام
'حیدرآباد'، سندھ کے کلہوڑہ حکمران میاں غلام شاہ نے،
سنہ ۱۱۸۲ھ میں جب کہ اس نے حیدرآباد کا موجودہ قلعہ تعمیر
کرایا، رکھا تھا۔ قلعہ کے 'سنگ تکمیل' پر "یا رب اجعل
ھذا البلد امنا" کندہ ہے جس سے سنہ ۱۱۸۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ (ن۔ب)

ص [۲۱]۔ پایہ تخت الور: فتحنامہ کے قلمی نسخوں میں
اس شہر کا نام 'ارور' اور 'الور' لکھا ہے اور بلاذری، یعقوبی،
ابن الاثیر اور دوسرے عربی ماخذوں میں اس شہر کا نام
"الرور" پایا جاتا ہے۔ عربی مصرفہ کی 'ال' کو حذف کے بعد
باقی نام "رور" رہ جاتا ہے جو غالباً اصل میں "رود" (نہر) تھا
جس سے قدیم ایرانی اثر کا پتہ چلتا ہے۔ یاقوت نے حمزہ اصفہانی
کے حوالہ سے لکھا ہے کہ دریائے سندھ کا قدیم ایرانی نام
"مہران رود" تھا (معجم البلدان۔ مہران)۔ محب اللہ بکھری نے
اپنی ایک مختصر تاریخی تصنیف (قلمی) میں لکھا ہے کہ اس
شہر کو کسریٰ نوشیروان کے عہد میں ایک ایرانی تاجر
"مہماس بن اروخ بن ہیلاج ارمنی" نے آباد کیا۔ قبل از اسلام کے

رائے اور برھمن خاندانوں کے دور میں یہ شہر سندھ کا پایۂ تخت تھا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد عربی دور حکومت میں بھی ایک عرصہ تک ارور پایۂ تخت رہا ھے۔ یہاں تک کہ تقریباً ۱۱۱-۱۲۱/۱۲۲ھ میں نیا شہر "منصورہ" تعمیر ھوا اور وہ سندھ کا نیا پایہ تخت بنا۔ 'ارور' یا 'الور' نامی بستی ابھی تک باقی ھے اور روھڑی سے ٥ میل جنوب مشرق میں واقع ھے۔ (ن۔ب)

ص [۲۱]۔ تسخیر ٹھٹھہ کےلئے باگ پھرائی الخ : اس جگہ ٹھٹھہ سے میر معصوم کا مقصد دیبل بندر ھے، کیونکہ اُس زمانے میں ٹھٹھہ کا وجود نہ تھا۔

ص [۲۳]۔ ٹلٹی کے سامنے دریا پار کرکے الخ : یہاں میر معصوم کو مغالطہ ھوا ھے کہ سیوھن کی فتح کے بعد ھی فوراً محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کیا، اور اس مغالطے کی یہ وجہ ھے کہ میر معصوم کے زمانہ میں ٹلٹی ھی سے لوگ دریائے سندھ کو مغرب سے مشرق کی جانب عبور کیا کرتے تھے، اسی لئے اس نے ٹلٹی کے گھاٹ سے محمد بن قاسم کا عبور کرنا بیان کیا ھے۔ یہ گھاٹ اتنا بڑا اور اھم تھا کہ شاہ بیگ ارغون کے سندھ پر حملے سے لے کر عہد اکبری تک خانخانان اور ٹھٹھہ کے حاکم مرزا جانی بیگ کی لڑائیوں تک ھمیں اس کا ذکر ملتا ھے۔ چونکہ میر معصوم خانخاناں کےساتھ تھا اورٹلٹی کے گھاٹ سے واقف تھا، اِسی لئے اسے خیال ھوا کہ محمد بن قاسم نے بھی اِسی گھاٹ سے دریا کو عبور کیا ھوگا۔ ٹلٹی

قدیم زمانے میں دریائے سندھ کے کنارے پر واقع تھا۔ اس کے کھنڈرات آج بھی موجود ھیں لیکن آج کل لوگ بلاولپور کے گھاٹ سے دریا کو عبور کرتے ھیں۔

بہرحال میر معصوم کا یہ بیان صحیح نہیں ھے کیونکہ بلاذری اور فتح نامہ کے مطابق محمد بن قاسم سیوھن یا سیوستان فتح کرنے کے بعد نیرون کوٹ کی طرف واپس ھوا اور پھر وھاں سے آگے بڑھ کر "جھم" کے جنوبی علاقے سے دریائے مہران کو عبور کیا۔

ص [۲۳] ۔ گچیری جھیل : قلمی نسخوں میں یہ لفظ گیجری، کنجری، گچری اور کجیری وغیرہ مرقوم ھے۔ ھمارا خیال ھے کہ اگر محمد بن قاسم نے ٹلٹی کے سامنے دریا پار کیا ھوگا تو ضرور اس مقام کے قریب چھاؤنی کی ھوگی کہ جو آج کل "گچیری" کے نام سے مشہور ھے۔ راقم الحروف نے سنا ھے کہ اس شہر کے قرب و جوار میں قدیم زمانے میں ایک جھیل تھی جس کے نشانات اب تک موجود ھیں۔ لیکن جیسا کہ چچنامہ میں مرقوم ھے "محمد بن قاسم نے 'جھم' کے گھاٹ سے دریا پار کیا تھا اور دونوں فریقوں کے مابین راور اور جیپور کے درمیان ایک خلیج کے قریب مقابلہ ھوا تھا"۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ھے کہ جس "کولاب کنجری" کی طرف میر معصوم نے اشارہ کیا ھے وہ "کینجھر جھیل" کے علاوہ کوئی اور نہیں ھے۔ تحفتہ الکرام (فارسی) جلد ۳ ص ۱۸۱ میں مرقوم ھے کہ "کولاب کنجرہ در قریب زمین سوندرہ و جھم خلیجے بہ تمام

فضاست" یعنی جھیل کینجھر، سونڈا اور جھم کے نزدیک ایک نہایت کشادہ خلیج ہے۔ (ع۔م۔)

جھیل کینجھر کو جدید آبپاشی کی منصوبہ بندی کے تحت گذشتہ سال ۱۹۵۸ع میں "سونہری" اور "ھیلایا" جھیلوں سے ملا کر ایک وسیع ترین جھیل بنادیا گیا ہے جس کو غلطی سے "کلری جھیل" کا نام دیا گیا ہے۔ سونڈا کی قدیم بستی جھرک اور ٹھٹھہ کے درمیان شاھراہ عام پر واقع ہے۔ خطۂ جھم اس کے شمال مغرب میں ہے اور "جھم پیر" (جھم کا پیر) کا نام اس کی تاریخی یادگار ہے۔ (ن۔ب)

ص [۲۳]- رفیان : قیاس سے معلوم ھوتا ہے کہ یہ سیوھن اور دربیلہ کے درمیان میں کوئی مقام تھا (دیکھئے متن ص ۲۲۶، ۲۱۰)۔ راورٹی اپنی کتاب "سندھ کا مہران اور اس کی شاخیں" (ص ۲۴۰ جرنل انجمن ھمایوں ایشیا اور بنگال سنہ ۱۸۹۲ع) میں کنجری جھیل کو "کنگری" سے جو روھڑی کے جنوب مغرب میں ہے اور رفیان کو "رابیان" تصور کرتے ھوئے "رافی دیرہ" سے تعبیر کرتا ہے جو کہ کنگری کے جنوب مغرب میں ہے۔ در اصل اس نے اِس سلسلہ میں ناموں کی مماثلت سے دھوکہ کھاکر غلطی کی ہے (ع۔م۔)۔

ص [۲۳] : محمد بن قاسم نے کہا کہ پہلے پایہ تخت الور کی طرف توجہ کرکے داھر کو دفع کرنا چاھئیے الخ : یعنی کہ محمد بن قاسم نے سیوستان (سیہوان) کی فتح کے بعد پایۂ تخت الور کی طرف رخ کیا اور موضع تھلتی (یعنی ٹلٹی) سے دریائے

سندھ کو عبور کرکے، "کنجری" یا "کچیری" جھیل پر منزل انداز ھوا اور وھاں ایک جنگ عظیم میں مخالف لشکر کو شکست دی۔ اس فتح کے بعد محمد بن قاسم الور پہونچا اور اس کو فتح کیا۔

اس روایت میں میر معصوم منفرد ھے کیونکہ کسی بھی معتبر تاریخی ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ھوتی۔ فتحنامہ میں سیوستان (سیہوان) کے بعد محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ تفصیل سے پایا جاتاھے، جس سے صاف ظاھر ھے کہ علاقہ سیہوان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم واپس نیرون کوٹ پہنچا اور اس کے بعد جنوبی سندھ کی طرف بڑھا اور "جتھم" اور "کرھل" کے علاقوں کی سر زمین سے دریائے سندھ کو عبور کرکے قلعہ راوڑ کے نزدیک داھر سے معرکہ آرا ھوا جہاں داھر مارا گیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم پھر شمال کی طرف بڑھا اور برھمن آباد کو فتح کرنےکے بعد چند اور چھوٹے مقامات کو فتح کرتا ھوا آخر میں پایۂ تخت اروڑ پہنچا۔ بلاذری جیسے معتبر مورخ کے بیان سے بھی فتوحات کے اس سلسلے کی تصدیق ھوتی ھے۔

غالباً میر معصوم کو مغالطہ ھوا ھے اور "راوڑ" کو اس نے "اروڑ" سمجھا ھے اگر متن میں "اروڑ" کو "راوڑ" تسلیم کیا جائے، تو میر معصوم کا بیان تاریخی تسلسل کے مطابق ھوسکتاھے۔ "راوڑ" کا قلعہ جنوبی سندھ میں تھا، جہاں تک پہنچنے کے لئے میر معصوم کے دنوں میں یہی راستہ تھا یعنی سیوستان (یعنی سیہون) چھوڑنے کے بعد ٹلٹی سے دریائے

سندھ کو مغرب سے مشرق کی طرف عبور کرکے جنوب کی طرف سفر کیا جاتا تھا ۔ اس لئے میر معصوم نے اپنے قیاس سے ھی اس راستہ کا ذکر کیا ھے ۔ "کولاب گچری" سے میر معصوم کی مراد بستی "گچیرہ" کی جھیل ھوسکتی ھے ۔ "گچیرہ" اِس وقت تحصیل سورو ضلع نواب شاہ میں واقع ھے ۔ ٹلٹی سے دریائے سندھ کو مشرق کی طرف عبور کرنے پر "گچیرہ" ھی سامنے پڑتا ھے ۔ البتہ میر معصوم نے اس مقام کو محمد بن قاسم اور مخالف لشکر کے درمیان جنگ کا مقام قرار دیا ھے ۔ اس اعتبار سے یہ جھیل جنوبی سندھ میں واقع ھونی چاھئے ۔ فتحنامہ میں مذکور ھے کہ راوڑ کے قلعہ کے نزدیک ایک خلیج تھی (ص ۱۶۰) جس کو میر معصوم نے "کولاب کنجری" یعنی کینجر جھیل (جو سونڈا اور ٹھٹھہ کے درمیان اس وقت نئی اسکیم کے تحت زیر آب ھے) سے تعبیر کیا ھو۔ اس لحاظ سے "کولاب گچیری" کے بجائے "کولاب کنجری" کا تلفظ زیادہ قرین قیاس ھے ۔

ص [۲۴] ۔ داھر شہر اروڑ میں قلعہ بند ھوکر بیٹھہ رھا الخ : فتحنامہ کے مطابق داھر "راوڑ" میں قلعہ بند ھوا تھا ۔ میر معصوم کو "راوڑ" اور "اروڑ" کے درمیان اشتباہ ھوا ھے اور غلطی سے انھوں نے "راوڑ" کو "اروڑ" سمجھا ھے ۔ (ن ۔ ب)

ص [۲۶] ۔ برھمن آباد : فتح نامہ کے قلمی نسخوں میں یہ نام ' برھمناباد ' ھے اور بلاذری (فتوح البلدان ص ۴۳۹) نے بھی ' برھمناباد ' ھی لکھا ھے ۔ بہر حال اس نام کے آخری حصہ ' آباد ' سے ظاھر ھے کہ غالباً یہ نام اصل میں ایرانی ھے ۔

ایرانی بادشاہ بہمن اردشیر نے اپنی وسیع مملکت میں اپنے نام کے متعدد شہر آباد کئے تھے چنانچہ یہاں بھی اس نے دو شہر آباد کئے۔ ایک 'قندابیل'، (گنداوا) اور دوسرا "بہمن آباد" جسے اب منصورہ کے نام سے پکارا جاتا ھے (مجمل التواریخ، طبع طہران ص ص ۱۱۷ - ۱۱۸)۔ غالباً بعد میں سندھ پر برھمنوں کے اقتدار کی نسبت سے یا سندھی زبان کے مقامی تلفظ کی وجہ سے 'بہمن آباد'، کا نام 'برھمن آباد'، ھو گیا۔ بیرونی نے گیارھویں صدی کے ابتدا میں بھی اس شہر کا نام "بہمنوا" لکھا اور یہ بھی لکھا کہ "برھمناباد" درحقیقت 'بھمنوا'، ھے (کتاب الہند، انگریزی ترجمہ، ج ۱ ص ص ۱۶۰-۱۶۲)۔

فتحنامہ سے ظاھر ھے کہ سندھ کے رائے خاندان سے لے کر محمد بن قاسم کی فتوحات تک برھمن آباد ایک اھم علاقائی شہر تھا۔ برھمن آباد کی اھمیت غالباً اس وقت سے کم ھوئی جب محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے سندھ کے گورنر الحکم کے عہد میں منصورہ نامی شہر آباد کیا (بلاذری، ص ۴۴۴) جو کہ 'برھمن آباد' سے دو فرسخ پر تھا (ایضاً ص ۴۳۹)۔ اس نئے شہر کا نام الحکم کے دور فتوحات کے سبب "المنصورہ" رکھا گیا۔ لیکن چونکہ یہ نیا شہر صوبہ برھمن آباد اور سارے سندھ کا پایۂ تخت بنا، اسی وجہ سے مقامی طور پر سندھ کے لوگ اس شہر کو بھی برھمن آباد کہنے لگے اصطخری (ص ۱۷۲)۔ اور ابن حوقل (ص ۲۶۲) نے صاف طور پر لکھا ھے کہ سندھ

میں منصورہ کو بھی "برھمن آباد" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض عرب مورخوں نے 'منصورہ' کے اس نئے مقامی نام 'برھمن آباد' اور اصل پرانے برھمن آباد میں امتیاز کرنے کے لئے، اصل قدیم برھمن آباد کو (جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا) "برھمن آباد العتیقة" (بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۳۹) یا "برھمن آباد قدیم" (فتحنامہ، فارسی متن ص ۱۱۰) کے نام سے موسوم کیا ہے۔

نیا شہر منصورہ، برھمنا باد سے دو فرسنگ کے فاصلے پر آباد کیا گیا تھا۔ منصورہ کے کھنڈرات شہداد پور سے آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف اور نہر جمڑاؤ سے متصل مشرق کی سمت واقع ھیں۔ چنانچہ قدیم برھمن آباد کو اسی شہر منصورہ سے دو فرسنگ (۵-۶ میل) کے فاصلے پر تلاش کرنا چاھئے۔ ھمیں اس گرد و نواح میں دو کھنڈرات ایسے ملتے ھیں جن میں سے کوئی ایک 'برھمنا باد' ھو سکتا ہے۔ ایک "گاڑھو بھڑو" (لال ٹیلہ) متصل موضع 'پلیہ لغاری، تحصیل سنجھورو، دوسرے "ڈیپر گھانگھرو کے ٹھل" (شہر جھول تحصیل سنجھورو) کے مغرب میں پھیلے ھوئے کھنڈرات (دیکھئے حواشی فتح نامہ)۔

ص [۲۷] - علی بن محمد بن عبدالرحمٰن سلیطی: صحیح 'علی بن محمد اور عبدالرحمان بن عبد ربہ سلیطی ہے'۔

ص [۲۷] - تھری کے نواح میں: میر معصوم نے، فتحنامہ (چچنامہ) میں بیان کردہ شہر "ساوندی" کو، اپنے قیاس کی

بنا پر "تھری" قرار دیا ھے جو صحیح نہیں ھے۔ تھری کے کھنڈرات تحصیل "ماتلی" ضلع حیدرآباد میں واقع ھیں اور یہ سومروں کا پائے تخت تھا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کے سلسلے میں فتحنامہ میں واضح طور پر "ساوندی سمہ" کا نام ملتا ھے، یعنی سمہ قبائل کا موضع ساوندی جس کو یقینی طور پر موجودہ موضع "ساوڑی" قرار دیا جا سکتا ھے جو کہ نواب شاہ ضلع میں اسٹیشن 'دور' سے تقریباً ۵ میل مغرب کی طرف واقع ھے۔ (ن۔ب)

ص [۲۷]- اسکندرہ: فتحنامہ کے قلمی نسخوں میں اس نام کا املا ھمیں مختلف طریقے پر ملتا ھے، ان میں سے ایک "عکسلندہ" بھی ھے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ھوتا ھے۔ 'عکسلندہ' غالباً 'عسکلندہ' یا 'اسکلندہ' کی بگڑی ھوئی صورت ھے۔ مجمل التواریخ کے مصنف نے اس کو 'عسقلند' لکھا ھے۔ میر معصوم نے اسی "اسکلندہ" کو اپنے قیاس کی بنا پر "اسکلندرہ" لکھا ھے، اور ھو سکتا ھے کہ یہ قدیم شہر سکندر مقدونی کے حملہ کے بعد اسی نام سے مشہور ھوگیا ھو۔ اس خطہ میں "اوچ" بھی ایک قدیم شہر ھے اُسی لئے بعض مورخوں نے 'اسکلندرہ' کو 'اوچ' سے بھی تعبیر کیا ھے (ملاخطہ ھو میجر راورٹی "مہران اور اس کی شاخیں" ص ص ۲۴۴-۲۴۵، حاشیہ نمبر ۱۹۲)۔ (ن۔ب)

ص [۲۸]- احنف بن قیس بن رواح اسدی کو پایۂ تخت الور کا حاکم مقرر کیا: صحیح یہ ھے کہ "احنف بن قیس کے نواسے

رُواح بن اسد کو الور کا حاکم مقرر کیا گیا تھا ۔

(ملاحظہ ہو فتحنامہ فارسی ص ۲۳۴ - ۲۳۵)

ص [۲۹]، [۳۱]- محمد بن قاسم کے انجام کی حکایت :
اِس ساری حکایت کا دارو مدار صرف فتحنامہ (چچ نامہ) کے بیان پر ھے اور میر معصوم نے بغیر کسی غور و تحقیق کے اسے اپنی کتاب میں شامل کرلیا ھے ۔ ھم متعدد دلائل کے ساتھ اس حکایت کی فتحنامہ کے حواشی میں تردید کر چکے ھیں ۔

فتح نامہ (چچ نامہ) کی اس منگھڑت اور بے سروپا داستان کی حقیقت صرف اِس قدر ھے کہ ولید بن عبدالملک اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی بجائے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاھتا تھا ۔ چنانچہ اس امر پر اس نے حجاج بن یوسف ، قتیبہ اور دیگر سربراھوں کو اپنا ھم خیال بنا لیا تھا۔ لیکن حجاج بن یوسف سنہ ۹۵ھ میں فوت ھوگیا اور ولید نے بھی اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ھی سنہ ۹۶ھ میں وفات پائی اور اس کا بھائی سلیمان خلافت کا وارث ھوا ۔ سلیمان نے انتقام لینے کی غرض سے حجاج کے تمام عمال کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا اور عراق پر صالح بن عبدالرحمان کو مامور کیا جس نے اپنے بھائی آدم کے انتقام میں کہ جسے حجاج نے قتل کیا تھا اس کے عم زاد اور نواسہ یعنی محمد بن قاسم کو اذیت پہونچاکر بالآخر ہلاک کردیا ۔

بلاذری کے بیان کے مطابق "ولید بن عبدالملک کی موت

کے بعد سلیمان بن عبدالملک ملک کا والی ھوا۔ اس نے صالح بن عبدالرحمان کو عراق کے خراج پر مامور کیا اور یزید بن ابی کبشت سکسکی کو سندھ کا حاکم مقرر کیا جس نے معاویہ بن مہلب کی نگرانی میں محمد بن قاسم کو بیڑیاں پہنا کر دارالخلافہ روانہ کیا۔ اس کے بعد صالح نے اسے واسط میں قید رکھا اور ابی عقیل کے خاندان کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ اسے بھی سخت عذاب دے کر قتل کر ڈالا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو اس وجہ سے قتل کر ڈالا تھا کہ وہ خارجیوں کے سے خیالات رکھتا تھا"۔ (فتوح البلدان، ص ۴۴۱)۔

ص [۳۱]۔ ان کی لاشیں دجلہ میں پھینک دی گئیں : بنی امیہ کا دارالخلافہ دمشق رہا ھے بغداد نہیں۔ بغداد کا اس زمانہ میں وجود بھی نہیں تھا۔ لہٰذا داھر کی دونوں بیٹیوں کو دجلہ میں پھنکوانے کا واقعہ، جبکہ ان کا دمشق میں موجود ھونا ظاھر ھے، ایک فاش غلطی ھے۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم واسط کی جیل میں ھی مر گیا تھا۔ اسے دمشق کے مقام پر آخر کس طرح دفن کیا گیا؟ معلوم نہیں کہ میر معصوم نے یہ روایت کہاں سے لی ھے کیونکہ چچنامہ کی تاریخ اس جملہ پر ختم ھوجاتی ھے کہ "خلیفہ فرمود تا ھر دو خواھر را در دیوار گرفتند" (خلیفہ کے حکم پر دونوں بہنوں کو دیوار میں چن دیا گیا) اور اس کے آگے ایک لفظ بھی نہیں ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۳۱]۔ خلیفہ کے گورنروں کے زیر اقتدار رہا : محمد

بن قاسم کے بعد (†) بنو امیہ کے جن گورنروں نے سندھ پر حکومت کی ان کے نام بلاذری کی تصنیف فتوح البلدان اور تاریخ یعقوبی کے مطابق اس طرح ھیں :-

۱- یزید بن ابی کبشہ سکسکی (سلیمان بن عبدالملک ۹۶-۹۹ھ کے عہد میں) صرف اٹھارہ دن کے لئے۔

۲- حبیب (‡) بن المھلب بن ابی صفرہ (سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں)۔

۳- عمرو بن مسلم الباھلی (عمر بن عبدالعزیز ۹۹-۱۰۱ھ کے عہد میں)۔

۴- جنید بن عبدالرحمان مرّی (ھشام بن عبدالملک ۱۰۵-۱۲۵ھ کے عہد میں)۔

(†) تحفۃ الکرام (جلد ۳ ص ۲۳) کا یہ بیان کہ محمد بن قاسم کے بعد ابو حفص قتیبہ بن مسلم حجاج کی جانب سے آیا، تاریخی نقطہ نظر سے بالکل غلط ھے کیونکہ حجاج تو محمد بن قاسم کی برطرفی سے ایک سال پہلے ھی فوت ھو چکا تھا اسی طرح تمیم بن زید کا حجاج کی طرف سے بھیجا جانا بھی ایک فاش غلطی ھے کیونکہ یہ ھشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں سندھ آیا تھا۔ (ع - م)

(‡) میر معصوم نے (ص ۳۱) اور تحفۃ الکرام (ج ۳ ص ۲۳) میں لکھا ھے کہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ایام میں عامر بن عبداللہ کو حکومت سندھ پر مامور کیا تھا لیکن عربی تواریخ کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۹ پر)

۵- تمیم بن زید عتبی (ہشام بن عبدالملک ۱۰۵-۱۲۵ھ کے ایام میں) -

۶- حکم بن عوانہ کلبی (ہشام بن عبدالملک کے دور میں)-

۷- عمرو بن محمد بن القاسم (ہشام بن عبدالملک کے عہد میں) -

۸- یزید بن عرار (ولید بن ہشام ۱۲۵-۱۲۶ھ کے ایام میں) -

۹- منصور بن جمہور کلبی (مروان الحمار ۱۲۷-۱۳۲ھ کے عہد میں) -

بنو عباس کے گورنر

۱۰- مفلس بن مری عبدی (ابو العباس سفاح ۱۳۲-۱۳۳ھ کے زمانہ میں) -

---

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۸]

اعتبار سے یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس شخص کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح میر معصوم کا یہ قول (ص ۳۱) کہ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان نے ابوالخطاب کو سندھ کا گورنر بنایا، غلط ہے۔ اپنے عہد میں مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ فزاری کو عراق کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس کے زمانہ میں منصور بن جمہور کلبی عراق سے بھاگ کر سندھ آیا تھا اور آ کر سندھ کے گورنر یزید بن عرار سے جنگ کی تھی۔ اس جنگ میں شکست کھا کر یزید نے امان طلب کی تھی لیکن منصور نے اسے گرفتار کر کے زندہ ستون میں چنوادیا تھا اور ابو مسلم خراسانی کے خروج تک خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ " یعقوبی ص ۷۰ ہ" (ع-م)

[باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۰ پر]

۱۱- موسیٰ بن کعب تمیمی (ابوالعباس سفاح کے عہد میں)۔

۱۲- عینیہ بن موسیٰ بن کعب (ابو جعفر منصور ۱۳۶-۱۵۸ھ کے ایام میں)۔

۱۳- عمر بن حفص بن عثمان ہزار مرد (منصور کے دنوں میں)۔

۱۴- ہشام بن عمرو تغلبی (منصور کے عہد میں)۔

۱۵- ہشام کا بھائی بسطام بن عمرو (منصور کے عہد میں)۔

۱۶- معبد بن خلیل تمیمی (منصور کے عہد میں)۔

۱۷- رَوح بن حاتم مہلبی (مہدی ۱۵۸-۱۶۹ھ کے زمانہ میں)۔

۱۸- نصر بن محمد الاشعث خزاعی (مہدی کے زمانہ میں)۔

۱۹- عبدالملک بن شہاب مسمعی (مہدی کے زمانہ میں)۔

۲۰- نصر بن محمد بن الاشعث خزاعی (مہدی کے زمانہ میں)۔

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۹]

۶-۷- عمرو، حکم بن عوانہ کی معیت میں سندھ آیا اور حکم کے عہد میں بطور کمانڈر کے رہا۔ اس نے کچھ، گجرات، کاٹھیاواڑ کی طرف فتوحات حاصل کیں اور ان فتوحات کی یادگار میں "منصورہ" کے نام سے ایک نئے شاندار شہر کی بنیاد ڈالی جو بعد میں پایہ تخت بنا۔ (ن-ب)

۱۷- بقول ابن الاثیر روح کے بعد چند مہینوں کے لئے بسطام گورنر ہوا لیکن خلیفہ نے اس کو معزول کر کے دوبارہ روح کو گورنر مقرر کیا۔ (ن-ب)

۲۱- زبیر بن العباس (مہدی کے زمانہ میں)

۲۲- سطیع بن عمرو تغلبی جس نے اپنی جانب سے لیث بن ظریف کو سندھ پر مامور کیا ۔ (مہدی کے زمانہ میں)

۲۳- سالم یونسی ، اسماعیل بن علی کا آزاد کیا ہوا غلام (ہارون رشید ۱۷۰-۱۹۳ھ کے عہد میں)

۲۴- اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی (ہارون رشید کے عہد میں)

۲۵- طیفور بن عبداللہ بن منصور حمیری (ہارون رشید کے عہد میں)

۲۶- سعید بن مسلم قتیبہ جس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنی طرف سے ملک سندھ روانہ کیا ۔ (ہارون رشید کے عہد میں)

۲۷- عیسیٰ بن جعفر بن منصور جس نے محمد بن عدی تغلبی کو اپنی طرف سے مامور کیا ۔ (ہارون رشید کے عہد میں)

۲۸- عبدالرحمان .... (ہارون رشید کے عہد میں)

۲۹- ایوب بن جعفر بن سلیمان (ہارون رشید کے عہد میں)

---

۲۳ میر معصوم (ص ۳۱) کے مطابق ہارون رشید نے سنہ ۱۷۰ھ میں ابوالعباس کو سندھ کی حکومت پر مامور کیا تھا اور وہ کافی طویل عرصہ تک سندھ میں رہا لیکن یہ بیان عربی تواریخ کے مطابق غلط ہے (ع - م)

۲۴- بقول ابن الاثیر ، اسحاق نے اپنی وفات کے وقت اپنے لڑکے یوسف کو سندھ کا والی مقرر کیا (ن - ب)

۲۵- طیفور کے بعد جابر بن سعدالطائی سندھ کا والی ہوا (ن - ب)

۳۰- داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی (سنہ ۱۸۴ھ) اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو اپنی جانب سے نامزد کیا (ہارون رشید کے عہد میں)

۳۱- بشر بن داؤد (امین ۱۹۳-۱۹۸ھ کے ایام میں)

۳۲- موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک (مامون ۱۹۸-۲۱۸ھ اور معتصم باللہ ۲۱۸-۲۲۷ھ کے عہد میں)

۳۳- عمر بن موسیٰ (معتصم باللہ کے عہد میں)

۳۴- ایتاخ ترکی جس نے عنبسہ بن اسحاق ضبیؒ کو اپنی جانب سے سندھ پر مامور کیا (الواثق باللہ سنہ ۲۲۷-۲۳۲ھ کے زمانہ میں)

۳۵- ہارون بن ابی خالد (متوکل ۲۳۲-۲۴۷ھ کے ایام میں)

۳۶- عمر بن عبدالعزیز ہباری (متوکل کے عہد میں)

۳۷- ابوالصمہ (سنہ ۲۵۵ھ کے قریب)

سنہ ۲۵۸ھ میں خلیفہ معتمد باللہ (۲۵۶-۲۷۹ھ) نے اپنے بھائی

۳۱- بشر کے بعد حاجب بن صالح سندھ کا والی مقرر ہوا (ن - ب)

۳۲- موسیٰ نے عنسان بن عباد کو سندھ کا والی مقرر کیا، اور وہ اپنے بھائی موسیٰ کو ساتھ لے کر تقریباً ۲۱۳ھ میں سندھ کو روانہ ہوا (ن - ب)

۳۴- یعقوبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عنبسہ بغیر کسی کی وساطت کے معتصم باللہ کی خلافت میں سندھ کا گورنر مقرر ہوا (ن - ب)

ابو احمد الموفق کو اسماعیل بن اسحٰق قاضی اور ابو سعید انصاری کے ساتھ یعقوب بن لیث صفار کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور بلخ ، تخارستان ، پارس ، کرمان ، سجستان اور ممالک سندھ کی حکومت کا پروانہ ، عہدنامہ اور پرچم اسے عنایت کیا اس پر خوش ہو کر یعقوب نے انھیں خوب نوازا (تاریخ سیستان طبع طہران سنہ ۱۳۱۴ شمسی ص ۲۲۸)

یعقوب بن لیث نے سترہ سال اور نو ماہ حکومت کی ، خراسان، سیستان ، کابل ، سندھ ، ہندوستان ، فارس اور کرمان سب اس کے زیرنگیں صوبے تھے - (تاریخ سیستان ، ص ۲۳۳) اس کے بعد ۲۶۵ھ خلیفہ معتمد باللہ نے یہ سب اور دیگر ممالک عمرو بن لیث (۲۶۵-۲۸۷ھ) کو عطا فرمائے- (ع ۰ م)

ص [۳۲] - ملتان اور اُچ کے شہروں پر قبضہ کر کے القادر باللہ کے گورنروں کو نکال باھر کیا : میر معصوم کی یہ روایت نہایت ضعیف ہے- محمود غزنوی کی سلطنت کا پورا زمانہ خلیفہ القادر باللہ (۳۸۱ - ۴۲۲ھ) کے عہد خلافت میں آجاتا ہے اور خلیفہ مذکور نے (سلطان) محمود کی تخت نشین کے پہلے سال ھی قاصد بھیج کر اسے خراسان [کی امارت] کا پروانہ ، عَلم اور خلعت فاخرہ مع تاج و لقب "امین الدولۃ و امین الملۃ ابوالقاسم محمود ولی امیرالمومنین" (زین الاخبار ص ۶۲) عطا کیا- پھر کیا سبب ہوسکتا ہے کہ سات ھی سال بعد محمود نے خلیفہ سے ناراض ھو کر اس کے آدمیوں کو ملتان سے نکال کر باھر کردیا -

ان دنوں ملتان کا حاکم داؤد بن نصر قرمطی تھا اور جیسا کہ مشہور ہے قرمطی عباسیوں کے دشمن تھے چنانچہ یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ القادر باللہ کے آدمیوں میں سے ایک تھا۔ زین الاخبار (ص ۶۵، ۶۶، ۷۰) کے مطابق سلطان محمود ۳۹۶ھ میں انندپال بن جیپال کو شکست دے کر ہندوستان کی راہ سے ملتان پہونچا اور ایک ہفتہ تک اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر لوگوں نے درمیان میں پڑ کر اس شرط پر صلح کرائی کہ ملتان کی حکومت سے ہر سال بیس مرتبہ ہزار ہزار درھم [خراج] ادا کیا جاتا رہے گا۔ یہ معاملہ طے کر کے سلطان محمود واپس چلا گیا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ وہ پھر سنہ ۴۰۱ھ میں ملتان آیا اور ملک کا باقی ماندہ حصہ قبضہ میں لا کر قرامطہ کی بڑی تعداد کو گرفتار کر کے بعضوں کو قتل کرادیا اور بعضوں کے ھاتھ کٹوادیئے اور سخت سزائیں دیں، بعضوں کو قلعہ میں بند کردیا جہاں وہ آخر کار سب کے سب مر گئے۔ اسی سال وہ داؤد بن نصر کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور وھاں سے اسے غورک کے قلعہ میں بھیج دیا جہاں وہ اپنی وفات تک قید رھا۔ (ع - م)

ص [۳۲]- اور ملتان سے وزیر عبدالرزاق کو کچھ فوج دے کر سندھ کو مطیع بنانے کے لئے مامور کیا: اس بیان کا مدار بھی کسی معتبر ماخذ پر نہیں ہے اور نہ ھی سلطان محمود کے وزرا اور سپہ سالاروں میں عبدالرزاق نام کا کوئی شخص موجود تھا۔ البتہ خواجہ احمد بن حسن میمندری کا عبدالرزاق

نامی ایک بیٹا تھا جسے امیر مودود بن مسعود (۴۳۲ھ-۴۴۰ھ) نے سیستان پر مامور کیا تھا اور اس نے عبدالرشید بن مسعود کو (۴۴۰ھ-۴۴۴ھ) قید سے چھڑا کر اور غزنی لا کر علی بن مسعود (۴۴۰ھ کے دو ماہ) کی جگہ تخت پر بٹھایا تھا (طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۱)۔ سلطان مسعود کے ایک بیٹے کا نام بھی عبدالرزاق تھا (طبقات ناصری ترجمہ میجر راورٹی ج اول ص ۹۵ حاشیہ نمبر ۷)۔

لیکن ان باتوں سے قطع نظر کسی اور ذریعہ سے بھی سلطان محمود یا اس کے جانشینوں کے ھاتھوں تسخیر سندھ ثابت نہیں ہوتی۔ صرف اتنا بیان کیا گیا ھے کہ سنہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود سومنات کو لوٹنے کے بعد کچھ کی راہ سے منصورہ (سندھ کے پایہ تخت) آیا اور وھاں کا قرمطی حکمراں خفیف فرار ہو کر اور دریائے سندھ عبور کر کے کھجوروں کے جنگلات میں جا چھپا۔ سلطان محمود نے اپنے امرا اس کے تعاقب میں روانہ کئے جنھوں نے اس کی چھاؤنی کا محاصرہ کر کے اس کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا [یہ واقعہ فرخی کے ایک قصیدہ سے بھی ثابت ہوتا ھے۔ دیکھئے سلطان محمود تالیف ڈاکٹر محمد ناظم ص ۱۲۰]۔ ھو سکتا ھے کہ مذکورہ خفیف سومرہ حکمرانوں میں سے ایک ھو جس نے کہ قرمطی اسماعیلی مذھب اختیار کرلیا ھو جیسا کہ اس قوم کے حالات میں آگے چل کر بیان ھوگا۔

اگر ملک سندھ سلطان محمود کے زیر اقتدار ھوتا اور یہاں

کے حکمرانوں نے اس کی اطاعت قبول کی ہوتی تو خفیف سومرو اس کے آمد کی خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار نہ کرتا۔ علاوہ ازیں گردیزی کا بیان ہے کہ اس کے بعد سلطان محمود نے دریائے سندھ کے کنارے کنارے ملتان کا رخ کیا اور اسی راہ سے ملتان پہونچنے تک اس کے لشکر کو بیابان کی خشکی، سندھ کے جتوں اور دوسری بہت سی مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں اسلامی لشکر کے کثیر آدمی راستہ ہی میں مرگئے اور ساتھ ہی گھوڑوں کی بھی بہت بڑی تعداد ضائع ہوگئی (ص ۸۲)۔ امیر محمود کو ملتان کے جتوں اور ساحل سندھ کے بھاٹیوں کی ان گستاخیوں کی وجہ سے کہ جو انہوں نے سومنات کے راستہ میں کی تھیں سخت غصہ تھا اور وہ ان سے انتقام لینا اور ان کی گوشمالی کرنا چاھتا تھا (ص ۸۸) چنانچہ بالآخر اس نے انھیں عبرت انگیز سزائیں دیں (دیکھئے زین الاخبار ص ۸۸-۸۹، طبقات الاکبری جلد اول ص ۱۷-۱۸)۔ ان واقعات سے یہ ظاھر ھوتا ہے کہ سلطان محمود اس سے پہلے ان اطراف سے نا واقف تھا اور شاید اس کے بعد ہی ملتان اور سندھ کا پورا ملک غزنویوں کے زیر تصرف آیا ھو۔ (ع ۔ م)

ص [۳۳]۔ ملتان اور آچ فتح کر کے الخ : طبقات ناصری کی عبارت یوں ہے "بر سمت ملتان لشکر کشید و از دست قرامطہ ملتان را مستخلص کرد" (ملتان کی طرف فوج کشی کر کے ملتان کو قرامطہ کے دست تصرف سے نجات دلائی)۔ تاریخ مبارک شاھی (ص ۵-۶) کی عبارت اس طرح ہے "در سنہ احدی و سبعین

و خمسات سمت اچہ و بھاطیہ (۱) و ملتان لشکر کشید۔ طائفہ بھاطیہ در حصار اچہ محصور شدہ با سلطان محاربہ کردند۔ بعد مدتی بعون اللہ تعالیٰ حصار اچہ فتح شد۔ اقطاع ملتان و اچہ مر سپہ سالار علی کرماخ را داد و خود طرف دارالملک غزنین مراجعت فرمود" (سنہ ۵۷۱ھ میں اُچ، بھاٹیہ اور ملتان پر فوج کشی کی۔ بھاٹیوں نے قلعہ اُچ میں محصور ہو کر سلطان سے جنگ کی۔ کچھ عرصہ بعد خدائے تعالیٰ کی مدد سے قلعہ اُچ فتح ہوا۔ [چنانچہ] ملتان اور اُچ کے علاقے سپہ سالار علی کرماخ کے حوالہ کر کے سلطان خود پایہ تخت غزنی کو واپس چلا گیا)۔ طبقات اکبری کے مصنف نے ان دونوں عبارتوں کو ملا کر اس طرح لکھا ہے (ج اول ص ۱۶) "بعد از یک سال (یعنی در سنہ ۵۷۱ھ) لشکر بجانب اُچ بردہ، ملتان را از دست قرامطہ بر آوردہ متصرف شد و طائفہ بھاتیہ در حصار اُچ متحصن شدہ چند روز محاربہ کردند۔ آخر فتح شد و ملتان نیز مسخر گشت و اُچ و ملتان حوالہ علی کرماخ نمودہ بجانب غزنین مراجعت نمود" (ایک سال بعد (یعنی سنہ ۵۷۱ھ میں) لشکر لے کر اُچ کی طرف گیا اور ملتان کو قرامطہ کے قبضہ سے نکال کر اپنے زیر تصرف لایا۔ بھاٹیوں نے قلعہ اُچ میں محصور ہو کر چند روز جنگ کی [لیکن بالآخر وہ قلعہ بھی] تسخیر ہوا اور ملتان بھی قبضہ میں آیا۔ [چنانچہ] اُچ اور ملتان علی کرماخ کے حوالہ کر کے

---

(۱) اصل متن میں یہاں "تھتھہ" یعنی ٹھٹھہ درج ہے جو کہ واضح طور پر غلط ہے۔ (ع۔م)

[سلطان خود] غزنین کی طرف لوٹ گیا)۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۴۰۱ھ میں سلطان محمود کے ہاتھوں بیخ کنی ہونے کے باوجود قرامطہ نے پھر غالباً سلطان محمود کی وفات اور غزنویوں کی قوت کے زوال کے بعد ملتان اور اس کے گرد و نواح میں اقتدار حاصل کرلیا تھا لیکن کب اور کس طرح اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ (ع ۔ م)

ص [۳۴]- قطب الدین ایبک کی سر کردگی میں تسخیر سندھ کے لئے ایک فوج متعین کی: میر معصوم کا یہ بیان خلاف واقعہ نظر آتا ہے کیونکہ شہاب الدین کی ہندوستانی فتوحات [کے ذکر میں] سنہ ۵۸۸ھ تک کہیں بھی قطب الدین کا نام نظر نہیں آتا جبکہ اسی سال کہرام کی جاگیر اس کے حوالہ ہوئی تھی (طبقات ناصری ص ۱۲۰، ۱۲۹، تاریخ مبارک شاہی ص ۱۰، طبقات اکبری ج اول ص ۳۸)۔ اس کے علاوہ تواریخ میں سیف الملوک کا بھی کوئی ذکر نہیں آیا سوائے اس کے کہ سنہ ۵۷۷ھ میں (مطابق طبقات اکبری ج اول ص ۳۷، طبقات ناصری ص ۱۱۷ سنہ ۵۷۸ھ) سلطان شہاب الدین نے دیبل بندر پر فوج کشی کی اور ساحل بحر کا سارا ملک فتح کر کے اور کثیر مال غنیمت لے کر غزنی واپس چلا گیا۔ اس موقع پر اس نے اپنے امرا میں سے کسی کو ضرور اس ملک پر قبضہ رکھنے کے لئے چھوڑا ہوگا۔ (ع ۔ م)

ص [۳۴]- ایک فدائی کھوکھر: طبقات ناصری (ص ۱۲۴)

کی عبارت یوں ہے "بدست فدائی ملاحدہ در منزل دمیک در شہور سنہ اثنین و ستمائتہ شہادت یافت" (سنہ ۶۰۲ھ میں منزل دمیک پر ایک بے دین فدائی کے ہاتھوں شہادت پائی)۔
(ع ۔ م)

ص [۳۵]- اُچ، ملتان اور سندھ ناصرالدین قباچہ کے زیر فرمان ہوئے: تاریخ مبارک شاہی ص ۱۶ کے مطابق سلطان قطب الدین کا داماد ملک ناصرالدین قباچہ سندھ کی طرف گیا اور جا کر ملتان، اُچ، بکھر اور سیوستان کے علاقوں پر متصرف ہوا۔ طبقات اکبری (ج اول ص ۵۵) میں یہ عبارت یوں ہے: "سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد ملک ناصر الدین قباچہ (جس کے نکاح میں سلطان قطب الدین کی دو بیٹیاں تھیں) سندھ کی طرف جا کر ملتان، اُچ، بکھر اور سیوستان پر متصرف ہوا"۔ طبقات ناصری کے مصنف کو اس سے زیادہ معلومات حاصل تھیں۔ چنانچہ وہ (ص ۱۴۲-۱۴۳) لکھتا ہے کہ سلطان قطب الدین کے حادثہ کے بعد جب ملک ناصرالدین قباچہ اُچ کی طرف گیا تو اس نے پہلے ملتان پر قبضہ کیا اور پھر ساحل سمندر تک ہندوستان اور دیبل پر متصرف ہو کر ملک سندھ کے قلعہ جات، مواضع اور شہروں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد وہ چتر (چتور) فتح کرکے تبر ہند، کہرام اور سرستی کی حدود تک کے ممالک کو قبضہ میں لایا۔ لاہور [بھی] اس نے دو تین بار حاصل کیا ...... اس کے اور سلطان شمس الدین التمش کے مابین عداوت رہا کرتی تھی۔ (ع ۔ م)

ص [۳۵]- اس وقت چنگیز خان کی ایک فوج : یہاں میر معصوم نے سلطان جلال الدین منکبرنی خوارزم شاہی کے سندھ میں آنے اور ناصرالدین قباچہ سے جنگ کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ چونکہ سلطان جلال الدین کی آمد تاریخ سندھ کا ایک اہم واقعہ ہے اس لئے یہاں اس کا کچھ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا :-

جب سلطان جلال الدین دریائے سندھ کے ساحلی جنگ (سنہ ۶۱۸ھ) میں چنگیز خان کے لشکر سے شکست کھاکر اور سلطان شمس الدین التمش کی امداد اور معاونت سے مایوس ہوکر لاہور کے قریب پہونچا تو اس کے منتشر لشکر کے دس ہزار سپاہی اس کے گرد آکر جمع ہوگئے۔ چنانچہ اس نے لشکر کا ایک حصہ کوہ جود کی طرف روانہ کیا جس نے جاکر کھوکھروں کو شکست دی اور کثیر مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔ پھر سلطان جلال الدین نے کھوکھروں کے حکمراں (رائے کھوکار سنگین) سے اس کی بیٹی کا رشتہ بھی طلب کیا جس پر کھوکھروں کے راجہ نے نہ صرف سلطان کا یہ تقاضا پورا کیا بلکہ اپنے لشکر کی ایک پلٹن بھی اپنے بیٹے کی سرکردگی میں سلطان کی مدد کے لئے بھیج دی۔ (دیکھئے طبقات ناصری، ترجمہ راورٹی، جلد ۱ حاشیہ ۲۹۴)۔ راجہ کھوکار سنگین اور سلطان قباچہ کے مابین عداوت تھی۔ [آخر] قباچہ پر حملہ کرنے کے لئے سلطان نے اوزبک تائی کی سرداری میں ایک فوج روانہ کی۔ اُچ سے تین میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے

قباچہ کے بیس ہزار فوجیوں کی چھاؤنی تھی۔ اوزبک تائی نے سات ہزار سپاھیوں کو ساتھ لے کر ان پر شبخون مارا جس کے نتیجہ میں قباچہ کا لشکر شکست کھاکر منتشر ہوگیا اور قباچہ کشتی میں سوار ہوکر اکھر و بکھر (غالباً سکھر و بکھر) کی طرف چلا گیا جوکہ جزیرہ کے دو قلعہ ھیں۔ اوزبک تائی جاکر اس کے لشکر گاہ میں فروکش ہوا اور وھاں جو آدمی ھاتھ آئے انھیں قید کرکے بادشاہ کو [فتح کی] نوید ارسال کی۔ بادشاہ نے آکر اسی لشکر گاہ میں کہ جس میں قباچہ کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے قیام کیا اور قباچہ اکھر و بکھر سے ملتان کے طرف بھاگ گیا۔ سلطان نے ایلچی بھیج کر اس سے امین خان (امین ملک) کے فرزند و دختر کی واپسی کا مطالبہ کیا کہ جو دریائے سندھ والی جنگ سے فرار ھوکر اس کی طرف بھاگ آئے تھے اور ساتھ ھی ساتھ اس سے خراج کا بھی مطالبہ کیا۔ یہ احکامات تسلیم کرکے قباچہ نے امین خان کے فرزند و دختر کے ساتھ کثیر مال سلطان کی خدمت میں بھیج دیا اور اس سے درخواست کی کہ اس کے ملک کو [مزید] نقصان نہ پھونچایا جائے۔ [آخر] جب گرم ھوائیں چلنے لگیں تو سلطان آچ سے کوہ جود، بلالہ اور رکالہ کے ایلاغ (۱) کی طرف چلا گیا۔ راہ میں اس نے صرف قلعہ راوڑ کا محاصرہ کرکے جنگ کی۔ اس جنگ میں ایک تیر لگنے کی وجہ سے بادشاہ کا ھاتھ زخمی ھوگیا تھا۔ قصہ کوتاہ قلعہ

---

(۱) ایلاغ = وہ سرد مقام جھاں گرمیوں میں جاکر رھا جائے۔

پر قبضہ کرکے اس نے اس کے سارے باشندوں کو قتل کرادیا ۔ یہاں اسے خبر ملی کہ مغلوں کا لشکر اسے تلاش کر رہا ہے۔ [چنانچہ] ملتان کے باہر سے ہوتے ہوئے وہ واپس ہوا اور قباچہ کے پاس ایلچی بھیج کراور اسے اپنے گذرنے کی اطلاع دے کر نعل بہا (۱) کا مطالبہ کیا ۔ قباچہ نے انکار کیا اور نافرمان ہوکر جنگ کے لئے اس کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن سلطان اس کے مقابلہ پر ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ ٹھہرا اور وہاں سے آچ چلا گیا۔ آچ کے لوگوں نے سرکشی ظاہر کی چنانچہ سلطان نے وہاں دو دن قیام کیا اور پھر شہر میں آگ لگا کر سدوستان (یعنی سیوستان یا سیوھن) کی طرف روانہ ہوگیا ۔ سدوستان کا حکمران فخرالدین سالاری تھا اور اس کا سپہ سالار لاچین ختائی تھا ۔ وہ سلطان کے مقدمہ کے مقابلہ پر کہ جس کا سردار اوزخان (یعنی اوزبک تائی) تھا جنگ کے لئے آیا ۔ [طرفین کا] مقابلہ ہوا جس میں لاچین خطائی قتل ہوگیا۔ اوز خان نے جا کرشہر کا محاصرہ کرلیا۔ پھر جب بادشاہ بھی آ پہونچا تو آخر کار فخرسالاری تلوار اور کپڑے سمیت (شاید کپڑا گلے میں لپیٹ کر) سلطان کی خدمت میں حاضر ہوگیا ۔

سلطان نےشہر میں منزل کی اور ایک ماہ وہاں قیام کرکے فخر سالاری کو خلعت دے کر سدوستان کی حکومت اس کے

---

(۱) نعل بہا = ملک کو تاخت و تاراج سے محفوظ رکھنے کے لئے جو رقم بیرونی لشکر کو دی جائے۔

حوالہ کی اور خود دیبل اور دمریلہ (۱) کی طرف متوجہ ہوا۔ اس ملک کا حکمران چنیسر کشتی میں سوار ہو کر سمندر کی راہ سے فرار ہوگیا۔ سلطان نے جا کر دیبل اور دمریلہ کے قریب منزل کی اور خاصی خان کو فوج دے کر نہروالہ پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا۔ وہاں سے وہ بے شمار اونٹ لایا۔ سلطان نے دیبل کے بت خانہ کے مقام پر جامع مسجد تعمیر کرائی" (تاریخ جہاں کشای جوینی، جلد دوم، ص ۱۴۶-۱۴۸)۔ (ع - م)۔

ص [۳۶] سیوستان کے شہروں پر ۰۰۰۰۰ غلبہ پا گئے: طبقات ناصری (ص ۱۴۳) میں مزید وضاحت ہے۔ خلجیوں کی فوج نے جو کہ خوارزمی کے لشکر کا ایک حصہ تھی، سر زمین منصورہ پر، کہ جو بلاد سیوستان میں سے ہے، غلبہ حاصل کرلیا تھا اور ان کا سردار ملک خان خلجی تھا۔ اس اجمال کی مزید تفصیل اور

---

(۱) دمریلہ، دیبل کے قریب تھا۔ تاریخ جہاں کشائے جوینی میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ "سلطان [جلال الدین خوارزمی] نزدیک دیول و دمریلہ فرود آمد"۔ ضیاءالدین برنی نے اسے دو مقام پر "مریلہ" (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۹، ۵۲۳) اور ایک مقام پر (ص ۵۱۹) "دمریلہ" لکھا ہے۔ ہمارے خیال میں دمریلہ مکران اور سندھ کی سرحد پر تھا۔ فرشتہ (جلد ۲ ص ۶۰۴-۶۰۵) محمد بن قاسم کے حملہ کے بیان میں کہتا ہے کہ "از میان مکران شدہ بدیون و درسلہ کہ سرحد دیبل است، آمد"۔ یہ درسلہ یقیناً دمریلہ ہے کہ تبدیلیوں کی وجہ سے جس کی صورت خطی یوں ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ع - م)

ملک خان کی شخصیت کے مطالعہ کے لئے طبقات ناصری جلد اول ص۵۰۹، حاشیہ ۵ ۔کے ترجمہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے (ع - م)۔

ص [۳۲]- نظام الملک محمد بن اسعد : صحیح نظام الملک محمد بن ابی اسعد ہے اور علامہ قزوینی نے کتاب 'لباب الالباب' کے مقدمہ میں جو تصریح کی ہے اس کے مطابق اس کا پورا نام "نظام الملک قوام الدین محمد بن ابی اسعد الجنیدی" ہے اور "نظام الملک کمال الدین محمد ابی سعید" نہیں جیسا کہ طبقات ناصری کے ترجمہ ص ۶۳۴ حاشیہ ۱ میں درج ہے۔ (ع-م)

ص [۳۲]- اور خود دهلی کی طرف واپس لوٹ گیا : طبقات ناصری (ص ۱۴۴ اور ۱۷۴) کے مطابق 'سلطان (شمس الدین التمش) قلعہ اچ کے دروازے کے سامنے دو ماہ ستائیس دن مقیم رہا اور نظام الملک محمد جنیدی اور دیگر ملوک کو اس نے ملک ناصرالدین کے تعاقب میں بکھر کی طرف بھیجا'۔ (ع - م)۔

ص [۳۲]- اس کی کشتی عمر دریائے فنا میں غرق ہو گئی : علامہ قزوینی 'لباب الالباب' کے مقدمہ (ص-ک) میں جوامع الحکایات کے مطابق ناصرالدین قباچہ کا انجام اس طرح بیان کرتے ہیں : "ماہ جمادی الآخر میں قلعہ بکھر فتح ہوا۔ ناصرالدین قباچہ بکھر کے محاصرہ سے نکل کر قلعہ میں گیا اور اپنے بیٹے بہرام شاہ کے ہاتھ مال و خزانہ بھیج کر التمش سے معافی کا خواستگار ہوا۔ التمش نے اسے بہ نفس نفیس حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ناصرالدین نے یہ ذلت برداشت کرنا گوارا نہ کیا اور ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہوئے ۱۹ جمادی الآخر سنہ ۶۲۵ھ

سنیچر کی شب میں خود کو بکھر کے قلعہ سے دریائے سندھ میں گرادیا"۔ صاحب طبقات ناصری اس کے بعد (ص ۱۲۳) لکھتا ہے کہ "ساحل سمندر تک یہ ملک فتح ہوا اور دیبل و سندھ کا والی ملک سنان الدین چنیسر (۱) بارگاہ شمسی (شمس الدین التمش کے) کے خدمتگاروں میں شامل ہوا (۲)۔ (ع - م)

ص [۳۷]- نورالدین محمد: دوسری تاریخوں میں یہ نام کہیں نظر نہیں آتا۔ لیکن طبقات ناصری (ص ۲۳۲-۲۳۳) کا مصنف لکھتا ہے کہ "جب سلطان شمس الدین نے قلعہ اُچ کے سامنے پڑاؤ ڈالا تو سنہ ۶۲۵ھ میں کزلک خان (ملک تاج الدین "سنجر" کزلک خان) کو اس نے وزیر سلطنت نظام الملک محمد جنیدی کے پاس قلعہ بکھر کی طرف روانہ کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے وہ قلعہ فتح ہوا، ملک ناصرالدین قباچہ علیہ الرحمۃ دریائے سندھ میں غرق ہوا اور قلعہ اُچ بھی قبضہ میں آ گیا۔ اُچ کا شہر اور قلعہ اپنے گرد و نواح اور مضافات سمیت کزلک خان کے حوالہ ہوا جب سلطان نے پایہ تخت دھلی کی طرف مراجعت کی تو کزلک خان نے اس ملک کو اپنے ضابطہ اقتدار میں لا کر اسے آباد کرایا اور منتشر ہوجانے والی آبادی کو جمع کرکے عام مخلوق کے ساتھ انصاف اور

---

(۱) اصل متن میں اس مقام پر "جشن" ہے جو کہ کھلی ہوئی غلطی ہے۔ (ع - م)

(۲) اطاعت قبول کرنے کے بعد شاید نظام الملک محمد جنیدی یا کزلک خان دھلی واپس چلے گئے ہوں گے۔ (ع - م)

مہربانی کو روا رکھتے ہوئے اپنا وقت گذارنے لگے۔ اس نے ہر ایک سے عدل اور عنایت کا برتاؤ کیا اور ہمیشہ رعایا کے امن و امان اور باشندوں کے آرام کے لئے کوشاں رہا۔ پھر کچھ مدت کے بعد وہ ایمان کی سلامتی، صدقات و خیرات اور احسانات و عنایات [کی نیکیاں] ساتھ لے کر ۶۲۹ھ میں دارفنا سے عالم بقا کی طرف رحلت کر گیا۔ علیہ الرحمتہ۔

کزلک خان کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے آچ کا پرگنہ اور قلعہ ملک سیف الدین ایبک کے حوالہ کیا۔ اس نے کافی عرصہ تک اس ملک پر حکومت اور رعایا پروری کی اور اس ملک کو [مکمل طور پر] اپنے قبضہ میں لایا"۔

(طبقات ناصری ص ۲۳۷)۔ (ع۔م)

ص [۳۸] ملک سنجر: شاید ملک تاج الدین سنجر سیوستانی (ع۔م)

ص [۴۰] لاہور، ملتان اور سندھ کے اطراف اپنے صالح فرزند سلطان محمد کے حوالے کئے: تاریخ مبارک شاہی (ص ۴۳) میں بیان کیا گیا ھے کہ خان بزرگ یعنی غیاث الدین کے بڑے بیٹے محمد سلطان کو، جس کی جاگیریں سالم سے لے کر جناتی (۱) تک ملتان [کی حدود] میں داخل تھیں، شہید ہوجانے کے بعد خان شہید کے نام سے پکارا جاتا ھے۔ جناتی ٹھٹھہ سے ۶۰ کوس آگے دریا کے کنارے واقع ھے اتنی ھی [وسیع] جاگیریں اس کی مغرب کی طرف بھی تھیں (ع۔م)

---

(۱) صحیح "جناني".

ص [۴۳] صلدائی : برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۲۰۳) اور طبقات اکبری (ج ۱ - ص ۱۴۲) میں "صلدی" لکھا ھے جو زیادہ صحیح معلوم ھوتا ھے - (ع ۰ م)

ص [۴۴] نصرت خان : تاریخ فیروز شاھی برنی (ص ۲۰۳) اور طبقات اکبری (ج ۱ ، ص ۱۴۲) دونوں میں " ظفرخان" ھے - اسی سال (یعنی علائی تیسرے سال = ۶۹۷ھ) کہ جس میں الغ خان اور نصرت خان گجرات پر مامور ھوئے تھے ظفر خان سیوستان [کی امارت] پر مقرر کیا گیا تھا - سیوستان پر صلدی ، اس کے بھائی اور دوسرے مغلوں نے قبضہ کر رکھا تھا - ظفر خان لشکر کثیر ساتھ لے کر سیوستان کی طرف گیا اور جاکر قلعہ سیوستان کا محاصرہ کرکے تبر ، تلوار ، ناچخ (۱) اور نیزہ سے جنگ کی اور ایسے قلعہ کو بغیر کسی معرج (۲) منجنیق اور عرادہ (۳) اور بغیر ساباط (۴) پاشیب (۵) اور

---

(۱) ناچخ = A battlə a xe; ahalbert;a double pointed spear, a shortjavelin:

(۲) اصل فارسی متن میں یہ لفظ "معرب" ھے لیکن صحیح " معرج " ھے جس کے معنی ھیں : Ladder; Staircase; Step

(۳) عرادہ= A Kind of small halista or engine for hurling missiles; a vehicle; a cart; a truck; a gun Carriage:

(۴) ساباط = A Cover passage between two houses

(۵) پاشیب = The round of a ladder; the declivity of a mountain; A foot Stool.

گرکچ (۱) استعمال کئے فتح کرلیا ۔ اندر سے مغل قلعہ کے چاروں طرف اس شدت سے تیر برسا رہے تھے کہ کسی پرند کو بھی قلعہ کے نزدیک آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی (ص ۲۵۴) لیکن اس کے باوجود ظفر خان نے تبر اور تلوار کے حملہ سے اسے فتح کرلیا اور صلدی اور اس کے بھائی کو جملہ مغلوں اور عورتوں اور بچوں سمیت گرفتار کرکے اور سبھوں کو طوق اور بیڑیاں پہنا کر دھلی بھیج دیا ۔ اس فتح کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر ظفر خان کی ہیبت چھا گئی ۔ (ع ۰ م)

ص [۴۵] ۔ ملتان ، اُچ اور سندھ کا علاقہ اسے جاگیر میں دیا تھا : یہ بیان خلاف واقعہ نظر آتا ھے کیونکہ ضیا برنی نے اپنی تاریخ (ص ۳۲۳) میں لکھا ھے کہ "سلطان علاؤالدین نے ملتان اور سیوستان کا ملک "تاج الملک کافوری" کو عطا کیا"۔ (ع ۰ م ۰)

ص [۴۶] ۔ ...... سلطان محمد شاہ کا لقب دیا : اس سے پیشتر طبقات اکبری (ج ۱ ، ص ۱۹۲) میں بیان کیا گیا ھے کہ "بہرام خان ایبہ کو، جو کہ اس کا منہ بولا بھائی (۲) تھا، "کشلو خان" کا لقب دے کر ملتان کے پرگنے اور کل سندھ اس کے حوالہ کیا"۔ (ع ۰ م ۰)

ص [۴۷] ۔ کشلوخان نے بکھر سے ملتان آکر الخ : کشلوخان کی نافرمانی کا اصل سبب وھی ھے کہ جو ابن بطوطہ نے اپنے

---

(۱) گرکچ = A red outlet infront of a fort

(۲) اصل متن میں "برادر خوانده" ھے.

سفر نامہ میں لکھا ہے یعنی محمد تغلق نے اپنے بھانجے بہاؤالدین سے ناراض ہو کر جیتے جی اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھوسہ بھروا دیا اور بہادر بھورہ کی لاش کے ساتھ اسے اپنی سلطنت کے چاروں طرف پھرایا۔ اس طرح جب بھوسہ بھری ہوئی یہ دونوں کھالیں ملک سندھ میں پہونچیں تو امیر کشلو خان نے انھیں نہایت احترام کے ساتھ دفن کرادیا۔ بادشاہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ سخت غضبناک ہوا اور اسے فوراً ھلاک کر دینا چاھا، چنانچہ کشلو خان نے علم بغاوت بلند کردیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ جلد ۳ ص ۳۱۸ - ۳۲۳) تاریخ مبارک شاھی اور طبقات اکبری میں دوسری وجوہ بیان کی گئی ھیں۔ (ع۔م۔)

ص [۴۸]۔ کرنال: یعنی گرناو والا خطہ کہ جو اب جونا گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ جونا گڑھ کا ملحقہ پہاڑ اب تک "گرنار" کے نام سے مشہور ھے۔ (ن۔ب)

ص [۴۸]۔ جاڑیجوں سے جا ملا: تاریخ فیروز شاھی (تالیف برنی ص ۵۱۹) کے مطابق "طغی، کرنال سے فرار ہو کر ٹھٹھہ اور دمریلہ کی طرف چلا گیا اور جا کر وھاں پناہ لی" اور صفحہ ۵۲۳ پر بیان کیا گیا ھے کہ "چونکہ بادشاہ طغی کو زندہ گرفتار کرنا چاھتا تھا اس لئے طغی کرنال سے فرار ہو کر ٹھٹھہ کی طرف بھاگ گیا اور ٹھٹھہ کے جام سے جا ملا"۔ طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۲۱) کا مصنف طغی کے فرار ہونے کے راستہ کو اس طرح بیان کرتا ھے۔ "طغی اپنے اھل و عیال اور

دوسرے باغیوں سمیت نہروالا سے نکل کر اور دریائے " رن " عبور کر کے ولایت کچھ کے [مقام] کنت کی طرف چلا گیا اور چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد ٹھٹھ کی طرف بھاگ گیا"۔ (ع ۰ م ۰)

ٹھٹھ کے "جام" سے مراد سمہ قبائل کا حاکم سردار ہے ، کیونکہ "جام" کا لقب سمہ سرداروں ہی سے مخصوص ہے ۔ میر معصوم بھی اسی خیال کا حامی ہے کہ طغی نے سمہ قبائل کے پاس جا کر پناہ لی تھی ، کیونکہ "جاڑیجہ" بھی سمہ ہیں ۔ البتہ جاڑیجوں کی اکثر آبادی مدت مدید سے کچھ کے ملک میں رہی ہے اور یہ قرین قیاس ہے ، کہ طغی پہلے کچھ کے جاڑیجوں کے پاس گیا ہو اور بعد میں ان کی وساطت سے ٹھٹھ کے جام کے پاس پہنچا ہو ۔ (ن ۰ ب)

ص [۴۸] - سلطان نے بھی نا کنی کا عزم کیا .... کندل آگیا : میر معصوم کی عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کھنبات بندر سے سلطان محمد نے نا کنی کا عزم کیا ۔ وہاں سے ٹھٹھ کی طرف کوچ کیا اور موضع تھری، میں آ کر منزل انداز ہوا ۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے کندل پہنچا اور پھر کندل سے کوچ کر کے سیدھا ٹھٹھ کی طرف متوجہ ہوا ۔

سندھ کی طرف سلطان کی راہ سفر متعین کرنے میں میر معصوم کو مغالطہ ہوا ہے ۔ سلطان غالباً سیدھا کرنال (گرنار یعنی جونا گڑھ) سے سندھ کی طرف روانہ ہوا نہ کہ گرنار سے کھنبات اور پھر وہاں سے سندھ کی طرف ۔

طغی کھنبات کی طرف نہیں گیا تھا ، بلکہ جیسا ھمعصر مورخ ضیاءالدین برنی نے لکھا ھے "طغی کرنال سے فرار ھوکر ٹھٹھہ اور دمریلہ کی طرف چلا گیا اور جا کر وھاں پناہ لی"۔ گرنار یعنی جوناگڑہ سے سندھ کو جانے کے لئے پہلے 'کندل، یعنی گونڈل پہنچنا ھوگا، کیونکہ گونڈل اس کے راستہ پر واقع ھے۔ ضیاءالدین برنی نے صاف لکھا ھے کہ "این کوندل موضعی [است] بر سمت تھتہ [و] سومرگان دمریلہ" (تاریخ فیروز شاھی، ص ۵۲۳) یعنی کہ (کرنال سے) گوندل، ٹھٹھہ اور دمریلہ کے سومروں (یعنی سومروں کےشہر دمریلہ) کی سمت میں واقع ھے۔ 'کندل، سے مراد 'گونڈل، ھی ھے جو جوناگڑہ سے شمال کی طرف واقع ھے۔ طبقات اکبری (ج ۱ : ۲۲) میں لکھا ھے کہ 'کندل، کرنال سے ۱۵ کوس شمال کی طرف واقع ھے"۔

گونڈل سے سندھ کا راستہ شمال مغرب کی طرف کچھ ریاست سے ھے۔ موضع 'ناکنی، اسی راستہ پر کہیں واقع ھوگا۔ کچھ کے ملک سے گذر کر خاص حدودِ سندھ میں سلطان کس راستہ سے ٹھٹھہ پھونچا، اس کی تفصیل معاصر ماخذوں میں نہیں پائی جاتی۔ ضیاء برنی نے مختصر طور پر اتنا لکھا ھے کہ گوندل سے (کوچ کرکے بالآخر) سلطان دریائے سندھ کے کنارے پہنچا۔ اگر ضیاء برنی کے سابقہ حوالے کی بنا پر یہ مانا جائے کہ 'دمریلہ کے سومروں، کا بھی طغی کو پناہ دینے میں ھاتھ تھا ، تو پھر ھو سکتا ھے

کہ سلطان حدود سندھ میں پہلے 'دمریلہ' پہونچا ہو۔ 'دمریلہ' غالباً 'دَمبرلہ' ہے جو سندھ میں عام طور 'ڈمبھرلو' (ڈنبھرلو) کے نام سے مشہور ہے۔ 'ڈمبھرلو' کی اراضی موجودہ تحصیل عمرکوٹ ضلع تھرپارکر میں دریائے سندھ کے قدیم مجرا والے آباد خطہ میں واقع ہے (۱)۔ سندھ کے قدیم نیم تاریخی قصوں میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ غالباً یہ موضع بعض سومرہ قبائل کی طاقت کا مرکز تھا۔ اس کی گرد و نواح میں 'نہٹہ' کے قدیم قلعہ کے آثار بھی موجود ہیں۔ سلطان محمد کا کچھ سے گذر کر 'دمریلہ' پہنچنا بھی قرین قیاس ہے کیونکہ کچھ کے اس راستے میں جس سے کہ ڈیپلو یا ننگر پارکر اور مٹھی ہو کر سندھ میں داخل ہوتے ہیں، 'دمبرلہ' (ڈنبھرلو) اس کے قریب پڑتا ہے۔ (۲)

میر معصوم نے ناکنی کے بعد تھری میں سلطان کا منزل انداز ہونا بیان کیا ہے۔ تھری کے کھنڈرات موجودہ ماتلی تعلقہ، ضلع حیدرآباد میں واقع ہیں۔ تھری کسی زمانہ میں سومروں کا

---

(۱) "ڈمبھرلو" اس وقت ایک "دیھہ" کا نام ہے۔ مقامی طور پر "ڈمبھرلو" کی اراضی، دیھہ سانوری (شمال) نبی سر روڈ سٹیشن اور نبی سر شہر (شمال مغرب)، نہٹہ (جنوب) اور کَس (مشرق شمال) کے درمیان واقع ہے۔ (ن۔ب)

(۲) انگریزوں کی حکومت کے اوائل میں، سندھ، کچھ اور گجرات کے درمیان جس راستہ سے ٹیلیفون لائین لگائی گئی تھی وہ ڈیسا، ننگرپارکر، مٹھی، نہٹہ، ڈگھڑی، ٹنڈہ غلام علی سے گذرتا ہے۔ نہٹہ، اور تھری کے کھنڈ رات اسی راہ کے قریب واقع ہیں۔ (ن۔ب)

پایۂ تخت تھا اور ہو سکتا ہے کہ سلطان محمد کے وقت بھی وہاں سومروں کی جمعیّت موجود ہو۔ 'ڈمبرلو، (ڈنبھرلو) سے 'تھری، پہنچنا بالکل قرین قیاس ہے، کیونکہ اگر سلطان نے پہلے 'دمریلہ، کے سومروں کی گوشمالی کی ہوگی، تو وہاں کے سومروں کا بھاگ کر تھری میں جمع ہونا ایک لازمي امر ہے۔ تھری کے بعد ہی سلطان سیدھا ٹھٹھہ کو متوجہ ہوا ہوگا۔

غرض کاٹھیاواڑ سے سندھ کو سلطان کے سفر کی منزلیں بالترتیب کرنال (گرنار یعنی جونا گڑھ)، گونڈل، ناکنی، (دمریلہ) تھری اور پھر ٹھٹھہ میں ہوئی ہوں گی، نہ کہ کرنال، کھنبات بندر، ناکنی، تھری، پھر واپس گونڈل اور پھر ٹھٹھہ میں۔ جیسا کہ میر معصوم نے لکھا ہے۔ (ن ۔ ب)

ص [۴۸]۔ ٹھٹھہ کی طرف متوجہ ہوا: ضیاءالدین برنی کہتا ہے کہ "سلطان محمد سارے لشکر کے ساتھ گونڈل سے (روانہ ہوکر) دریائے سندھ کے کنارے پر آیا اور آرام و سکون کے ساتھ لشکر اور ہاتھیوں سمیت دریائے سندھ کو پار کیا ...... اور دریا کے کنارے کنارے ٹھٹھہ کا ارادہ کرکے سومروں اور حرام خور طغی کی بیخ کنی کے لئے، جو ان کی پناہ میں تھا، پے درپے منزلیں طے کرتا ہوا روانہ ہوا" (تاریخ فیروزشاہی ص ۵۲۴)۔ طبقات اکبری (ج ۱ص ۲۲۳) کا مصنف لکھتا ہے کہ "سلطان کوندل سے روانہ ہوکر دریا کے کنارے پہونچا اور لشکر اور ہاتھیوں سمیت دریا پار کرکے دوسرے کنارے پر

منزل انداز ہوا اور وہاں سے سومروں اور حرام خور طغی کی، جو کہ ان کی پناہ میں تھا، بیخ کنی کے ارادہ سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوگیا"۔ (ع - م)

ص [۴۹]۔ عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا: دھلی سے دور سندھ میں ٹھٹھہ کے نزدیک سلطان محمد بن تغلق کی وفات ایک عجیب تاریخی واقعہ ہے جس کی بنا پر بعض علماء کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ سلطان محمد تغلق کہاں دفن ہے؟ سنہ ۱۹۳۵ع میں جناب ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے سیوھن میں دو تاریخی کتبے دیکھے (جن کا ذکر آگے آئیگا) اور ان سے یہ استدلال کیا کہ سلطان محمد سیوھن میں مدفون ہے (۱)۔ اس نظریہ کو موصوف نے 'آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، منعقدہ تروبندرم، ٹرانکور، سنہ ۱۹۳۷ع میں بھی دھرایا (۲)۔ اس کے بعد مرحوم ڈاکٹر ع - م- داؤد پوتہ نے بھی 'تاریخ معصومی، (فارسی متن مطبوعہ ۱۹۳۸ع) کے اپنے 'توضیحات و تعلیقات کے صفحات میں اسی زیر بحث مسئلہ میں جناب مولوی محمد شفیع صاحب کے نظریہ کی پر زور تائید کی (۳)۔ سنہ ۱۹۴۸ع میں اس

---

(۱) ملاحظہ ہو "اورنٹیل کالج مخزن"، لاھور، جلد ۱۱، شمارہ اول، ص ص ۱۵۶-۱۶۱۔

(۲) ملاحظہ ہو، روئداد "آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس"، منعقدہ، تروبندرم، ٹراونکور، سنہ ۱۹۳۷ع ص ص ۲۷۳-۲۷۷۔

(۳) ملاحظہ ہو "تاریخ معصومی" (فارسی متن)، مطبوعہ بھنڈار کر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، پونہ، سنہ ۱۹۳۸ء، توضیحات و تعلیقات، ص ص ۲۸۱-۲۸۲۔

نظریہ کی تصحیح کے سلسلے میں راقم (نبی بخش بلوچ) نے ایک مضمون بعنوان "سلطان محمد بن تغلق کا مدفن" لکھا جس کا خلاصہ (۱) قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ یہ ہے :

سیوھن کے تاریخی شہر میں مشہور ولی شیخ عثمان مروندی عرف "قلندر شہباز" کے مقبرہ کے متصل بعض اہم تاریخی کتبے (۲) نظر آتے ھیں - ان میں سے ایک کتبہ

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اصل مضمون "The Burial Place of Sultan Mahmmod bin Taghluq" مطبوعہ مخزن "اسلامک کلچر"، حیدرآباد دکن، شمارہ جنوری ۱۹۴۸ع -

(۲) خاص طور پر تین کتبے جو کہ سلطان فیروز شاہ کے عہد کے ھیں اپنی قدامت اور تاریخی نقطۂ نظر سے اہم ھیں - ان میں سے ایک کتبہ جو کہ سطور بالا میں زیر بحث ہے، اس میں سلطان محمد بن تغلق کی وفات اور اس کے مقبرہ کا ذکر ہے - اس کے علاوہ ذیل کے یہ دو کتبے اور ھیں جن میں سے پہلے میں شیخ عثمان مروندی عرف 'قلندر شہباز' کے روضہ کی تعمیر اور دوسرے میں قلندر شہباز کے خادم اور وزیر سید علی کے مقبرہ کی بناء اور تعمیر کا ذکر ہے :

تاریخ بنائے روضۂ قلندر شہباز

بعہدِ دولتِ فیروز شہ سلطانِ دیں پرور
کہ خاکِ درگہش سازند شاہانِ جہاں افسر

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۶ پر)

میں سلطان محمد بن تغلق کی وفات کی تاریخ (شبِ شنبہ، ۲۱- محرم سنہ ۷۵۲ھ) مذکور ہے۔ یہ کتبہ "قلندر شہباز"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۵)

از آن گاہے کہ بر تختِ شہنشاهی نشست آن شه
سراسر گشت گیتی از شعاعِ دولتش انور
عمارت شد مقامِ شیخ عثمان پیر مروندی
ولی الله که او بازِ سفیدِ بحر بودو بر
چه زیبا بارگاہے شد بهشتی طاق بر گنبد
که رنگِ نه فلک گشته ز رنگِ بام او اخضر
اگرچہ اولیا اندر زمانِ شیخ بس بودند
و لیکن در کرامت بود او از همگنان برتر
بروزِ هفتم از ماهِ رجب مبنی شد ایں روضه
بسالِ هفصد و پنجاه و هفت از هجرتِ مهتر
بنایش کرد والی اختیارالدین ملک ارشد
امیرِ عادلِ و باذل تہمتن ثانی اسکندر
که تابوده ست سیوستان نبوده ایں چنین والی
سخی و مشفق و مکرم تقی و پاک دیں پرور
امید آنست می یابد جزاے ایں چنیں خیرے
هزارا فیض در جنت ز فضلِ ایزدِ اکبر

تاریخ بناء مرقد سید علی

شد بناے گنبدِ عالی بعہدِ شهر یار
شاهِ فیروز آنکه بگرفته است زوگیتی قرار

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۷ پر)

کے مقبرہ کے پیچھے مغرب کی جانب نیچے ایک چھوٹی سی چاردیواری کے اندر ایک پتھر پر منقوش ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۶)

می سزد ہر بندۂ درگاہ شاہِ دہر را
گر کند در سرفرازی بر سلاطین افتخار

برسرِ قبرِ ولی اللہ علاءالحق علی
بود از بغداد اندر صّف پاکاں شہ سوار

[بس] بزرگ و با کرامت بود ایں مرد عزیز
ہر زماں بادا بقبرش رحمتِ ایزد نثار

ہفتم از ماہِ صفر مبنی شد ایں مرقد بہ سال
ہفصد و پنجاہ و ہفت از ہجرت احمد شمار

کرد بنیادش ملک سیرت ملک ارشد کہ او
ہست اندر عدل و بذل و خلق و احسان نامدار

چونکہ ذاتِ او درین شہرِ سیوستان آمدہ
تازہ از سر گشت آن بقعہ بسانِ نو بہار

ان دو کتبوں کا ذکر مقامی طور پر سب سے پہلے "تذکرہ مشائخ سیوستان" میں پایا جاتا ہے جس میں سے ایک اقتباس بطور ضمیمہ کے "لب تاریخ سندھ" مطبوعہ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد/ کراچی سنہ ۱۹۵۹ع ، ص ص ۳۱۲-۳۱۴ میں شامل ہے۔ مرحوم فتح محمد سیوھانی نے ان کتبوں کو " تذکرہ مشائخ سیوستان " سے اپنے سندھی رسالہ "مخزن راز تذکرہ شہباز ملقب قلندر نامہ سندی" (مطبوعہ لاھور ، ص ص ۲۹-۳۰) میں نقل کیا ہے۔ ان میں سے پہلے کتبہ کو خانبہادر خدا داد خان نے ۱۹۰۰ع سے پہلے "لب تاریخ سندھ" (لیتھو ایڈیشن، امرتسر، ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ع، ص ۸-۹) میں شامل کیا ہے ملاخط ہو 'لب تاریخ سندھ' مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، ص ص ۹-۱۰)۔

جہاں مردم کش ای دل ! مباش از جان وفادارش
که جز کین و جفا نامد ز بیدادی دگر کارش

تو از حال محمد شاہ برگیر اعتبار از وی
که چوں اورنگ شاہی در ربود ایں دور غدارش

شہنشاہست ایں ای خواجه کش بینی به خاک اندر
که همچوں بندگان بودند شاھان جہاندارش

اگرچه پیش ازین صد بار در بارش چناں دیدی
کنوں چشم خرد بکشا ، در اینجا بنگر ایں بارش

جہاں بکشاد از مردی و بخشید از جوان مردی
بدھر از کوشش و بخشش فراوان بود کردارش

شد از ماہ محرم بیست و یک کاندر شب شنبه
گذشته هفصد و پنجاه دو شد عزم آن دارش

اسی کتبہ کا آخری حصہ (۱) ایک دوسرے پتھر پر اس طرح پایا جاتا ھے :

---

(۱) اس سے پیشتر یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ دو جدا کتبے ھیں کیونکہ دونوں علحدہ پتھروں پر کندہ ھیں ۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ پہلے حصے سے کتبہ کا مقصد (کسی کام کی تکمیل) برآمد نہیں ھوتا ، اور دوسرا حصہ ایک مستقل کتبہ نہیں ھوسکتا کیونکہ اس کا کوئی علحدہ مطلع نہیں ، بلکہ اس کا بحر وزن اور قافیہ بھی وھی ھے جو پہلے حصے کا ھے ۔ واقعہ یہ ھے کہ چونکہ یہ کتبہ قدرے طویل تھا اس لئے ایک پتھر کے بدلے دو پتھروں پر کندہ کروایا گیا ۔ پہلی عمارت میں غالباً یہ دونوں پتھر ایک دوسرے کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۹ پر)

بعهد دولت فیروز شاہ خسرو گیتی

که یزداں بر سریر سلطنت بادانگهدارش

براں سلطان دیں پرور برآمد ایں چنیں گنبد

که آمد پیش پائے گنبد گردون دوارش

بسال هفصد و پنجاه و چار از هجرت احمد

قبول بندهٔ درگاه او سرمست معمارش

کتبہ کے اس آخری حصہ سے ظاہر ہے کہ "سلطان دین پرور" یعنی کہ سلطان محمد بن تغلق کے مرقد پر اس کی وفات کے دو سال بعد سنہ ۷۵۴ھ میں ایک قبہ بنوایا گیا جس کا معمار "سرمست" نامی شخص تھا اور اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ سنہ ۷۵۴ھ تک یقینی طور پر سلطان مرحوم سیوھن میں مدفون رہا۔

میر معصوم کے مندرجات کے مطابق سلطان محمد بن تغلق نے سندھ میں ٹھٹھ کے نزدیک مورخہ ۲۱- محرم سنہ ۷۵۲ھ میں وفات پائی (یہ تاریخ کتبہ کے پہلے حصہ میں بھی مذکور ہے) اور فیروزشاہ نے (جو کہ طغی کے خلاف مہم میں سلطان کے همرکاب تھا اور اب اس کا جانشین ہوگیا تھا) طغی اور سومروں کی متحدہ طاقتوں کو شکست دے کر نواح ٹھٹھ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۸)

متصل رکھے گئے ہونگے لیکن اس عمارت کے گرنے اور زمانہ گذرنے کے بعد لوگوں نے لاعلمی کی وجہ سے انھیں اپنی جگہ سے ہٹادیا ہوگا۔ یہی حال دوسرے کتبوں کا بھی ہے کہ جو اپنی اصل جگہ پر نہیں پائے جاتے۔

یکم صفر کو (یعنی نو دن بعد) دھلی کے قصد سے کوچ کیا اور حکم دیا کہ ایک دن میں پانچ کوس سے زیادہ مسافت نہ طے کی جائے اس طرح محض سیوھن تک کے سفر میں اسے کم از کم پندرہ دن لگے ھوں گے، کیونکہ ٹھٹھ اور سیوھن کا درمیانی فاصلہ کسی طرح بھی ۷۰ کوس سے کم نہیں ھے)۔ پھر وہ نصرپور پھونچا جوکہ اسی کے حکم سے تازہ آباد کیا گیا تھا اور وھاں اس نے کچھ انتظامی تقررات کئے (اس کے معنی یہ ھوئے کہ اس نے کچھ عرصہ وھاں قیام بھی کیا تھا)۔ نصرپور سے وہ سیوھن پھونچا اور وھاں اس نے حضرت قلندر شہباز اور دیگر اولیائے کرام کے مقابر پر خراج عقیدت پیش کیا اور یہاں بھی کچھ نئے تقررات کئے جس کے وجہ سے اس علاقہ کا نظام حکومت بالکل مکمل ھوگیا۔ اس کے بعد وہ یہاں سے بکھر آیا جہاں اس نے بیس دن قیام کیا اور پھر آخر میں رجب سنہ ۷۵۲ھ میں دھلی جا پھونچا (تاریخ معصومی صفحات ۵۰-۴۹)۔

تاریخ مبارک شاھی کے مطابق سلطان فیروز شاہ نے خود "سلطان محمد بن تغلق کے تابوت کو ھاتھی کی پشت پر لاد کر اس پر عماری لگائی اور مسلسل کوچ کرتا ھوا دھلی جا پھونچا" (۱)

ڈاکٹر داؤد پوٹہ اپنے حواشی میں میر معصوم کے مذکورہ بالا

---

(۱) السرھندي، تاریخ مبارکشاھی، رائل ایشاٹک سوسائٹی. کلکتہ، سنہ ۱۹۳۱ع، ص ۱۱۹۔

بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے سلطان محمد بن تغلق کے مدفن کے بارے میں پروفیسر محمد شفیع کی دریافت کا ذکر کرتے ھیں اور لکھتے ھیں کہ "فی الواقعہ یہی دریافت حقیقت کے قریب تر ھے"۔ اس کی تائید میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ھیں کہ "چونکہ سلطان فیروز شاہ، سلطان محمد بن تغلق کی وفات کے تین روز بعد اس کا جانشین ھوا تھا اور ان تین دنوں کی مدت میں اس کی افواج میں، جن پر کہ طغی اور سومروں کی فوجیں پے در پے حملے کر رھی تھیں، سخت خلفشار پیدا ھو گیا تھا چنانچہ دریائے سندھ کی راہ سے وہ فی الفور سیوھن واپس ھوا تھا اور یہاں آ کر اس نے کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ عین ممکن ھے کہ اسی عرصے میں سلطان محمد کو یہاں دفن کیا گیا ھو"۔ اس کے علاوہ وہ تاریخ مبارکشاھی کی مذکورہ بالا روایت کو غلط تصور کرتے ھیں کیونکہ سلطان فیروز شاہ ۲۔ رجب کو دھلی واپس پھونچا ھے اور ان کے خیال میں ایک جنازہ کو اور وہ بھی خاص طور پر ایک بادشاہ کی میّت کو اس طرح پورے پانچ ماہ ھاتھی کی پشت پر جگہ جگہ لئے پھرنا اور مسلسل سفر میں رکھنا نہ صرف یہ کہ لاش کی انتہائی توھین ھے بلکہ قوانین اسلام کے بھی خلاف ھے۔ (ا۔ ھ۔)

اب یہ واضح ھے کہ اس تنقید میں جہاں تک سلطان محمد بن تغلق کے سیوھن میں دفن ھونے کا تعلق ھے، اس کے متعلق کوئی مزید ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ دوسری طرف مندرجہ بالا اھم کتبہ کی شہادت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کی میّت کو سیوھن میں عارضی طور پر دفن کیا گیا تھا۔ ھنگامی حالات میں اس طرح عارضی مدت کے لئے کسی کی میت کو دفن کرنے کا رواج ھر جگہ رھا ھے۔

ایسا معلوم ھوتا ھے کہ فیروز شاہ نے سلطان محمد بن تغلق کے فوت ھونے کے بعد اس کی لاش کو میدان جنگ میں رکھنا مناسب خیال نہیں کیا کیونکہ اس سے فوج کے حوصلوں پر برا اثر پڑتا خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ وہ ایک خطرناک اور طاقتور غنیم کا مقابلہ کر رھا تھا ۔ اس لئے ممکن ھے کہ اس نے سلطان کی لاش کو میدان جنگ سے فوراً سیوھن روانہ کردیا ھو، کیونکہ سیوھن سلطانی امراء کا مرکز تھا ۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ پھر بعد میں فیروز شاہ نے سست رفتاری کے ساتھ سیوھن کا سفر کیا اور نصرپور میں سکون کے ساتھ انتظامی معاملات انجام دیئے ۔ یہ کہیں ثابت نہیں ھوتا کہ اس نے تیزی کے ساتھ سیوھن کا سفر طے کیا ۔ البتہ یہ ثابت ھے کہ وہ کافی عرصہ کے بعد سیوھن پہونچا (۱) ۔ اس طرح یہ عین ممکن نظر آتا ھے کہ اس درمیانی وقفہ میں سلطان کی لاش کو "امانت" کی طور پر مخدوم قلندر شہباز کے سایۂ عاطفت میں دفن کردیا گیا ھو۔ چنانچہ اس کا یہ مدفن مندرجہ بالا کتبہ

(۱) یہی زیادہ یہ قرین قیاس نظر آتا ھے۔ باغی طاقتوں و شکست دینے کے بعد حالات کا تقاضہ ھی یہ تھا کہ وہ سندھ کے معاملات پر کافی وقت اور توجہ دے تاکہ صوبہ میں مستقل امن و انتظام قایم ھوجائے ۔ سیوھن اور بکھر میں اس کا قیام بھی اس خیال کی تائید کرتا ھے۔

کے تیسرے شعر (''کش بینی بخاک اندر'') سے ثابت ہوتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فیروز شاہ نے سیوہن سے دہلی کی جانب کوچ کیا تو کیا اس وقت تابوت کو مدفن سے نکال لیا گیا اور جیسا کہ صاحب تاریخ مبارک شاہی نے بیان کیا ہے، اسے ہاتھی کی پشت پر رکھ کر اور اس کے اوپر عماری لگا کر خود فیروز شاہ اپنے ساتھ اسے دہلی لے گیا؟ تاریخی قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان سیوہن میں ہی امانت کی طور پر مدفون رہا اور فیروز شاہ خالی تابوت کو لئے ہوئے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ فیروز شاہ سیوہن سے روانہ ہو کر بکھر میں پہونچا اور وہاں انتظامی امور کی درستی کے لئے اس نے بیس دن قیام کیا۔ اس کے بعد راستہ میں اس نے دیگر مقامات پر بھی قیام کیا کیونکہ دہلی وہ ماہ رجب میں پہونچا۔ اس طرح سیوہن سے دہلی تک پہونچنے میں اسے مہینوں کا عرصہ لگا چنانچہ اس مدت میں اس کا سلطان کے تابوت کو اپنے ساتھ لئے لئے پھرنا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ فیروز شاہ سلطان کی نعش کو سیوہن میں مدفون چھوڑ کر دہلی کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ سلطان کی وفات کے بعد نظام مملکت کو درست کرنے کی فوری ضرورت تھی اور فیروز شاہ نے حکومت کے پہلے چند سال مشرقی صوبوں کے انتظام کی طرف توجہ دی اسی عرصہ غالباً میں ۷۵۴ھ میں سلطان کے مرقد پر سیوہن میں روضہ تعمیر ہوا جیسا کہ مندرجہ بالا کتبے کے اس مصرعہ سے ظاہر ہے:

"برآن سلطان دین پرور بر آمد این چنین گنبد" ۔

یہ معلوم نہیں کہ ۷۵۴ھ کے بعد کتنے عرصہ تک سلطان مرحوم سیوھن میں مدفون رھا ۔ فیروز شاہ اگلے دس سال تک مملکت کے مشرقی اطراف خصوصاً لکھنوتی اور بنگال کی فتوحات میں مشغول رھا تا آنکہ سندھ کے سمہ حکمرانوں کی خود مختارانہ روش نے اس کو ٹھٹھ اور سندھ کی طرف متوجہ کیا ، اور سنہ ۱۳۶۵ع کے آخری مہینوں سے لے کر سنہ ۱۳۶۷ع کے وسط تک وہ ٹھٹھ کی مہم میں مشغول رھا جس کے بعد مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی وساطت سے سلطان فیروز شاہ اور ٹھٹھ کے جامان سمہ کے درمیان صلح ہوئی ۔ غالباً اسی صلح کے بعد یعنی کہ سنہ ۱۳۶۷ع میں فیروز شاہ نے سلطان مرحوم کا تابوت نکلوا کر دارالامان دھلی میں جا کر دفنا دیا اور دارالامان دھلی میں ھی سلطان مرحوم کی آخری آرامگاہ بنی ۔ تاریخ فرشتہ (۱) سے اس کی تائید ہوتی ھے اور اب بغیر کسی شک و شبہ کے کے خود سلطان فیروز شاہ کے ان بیانات سے اس کی مکمل تصدیق ہوتی ھے کہ جو اس نے اپنی خود نوشتہ تاریخ "فتوحات فیروزشاھی" میں درج کئے ھیں ۔ سلطان فیروز شاہ کے الفاظ یہ ھیں کہ (۲) :

---

(۱) برگس جلد ۱ ، صفحہ ۴۶۴ ۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو سروے آف آرکیا لاجیکل ڈپارٹمینٹ آف انڈیا ، سنہ ۶۵ - ۱۸۶۲ع ، جلد اول صفحہ ۲۱۷ (مطبوعہ شملہ سنہ ۱۸۷۱ع) .

(۲) فارسی متن صفحہ ۱۹ ، اور انگریزی ترجمہ ۲۸ ، "فتوحات فیروز شاھی" مرتبہ و مترجمہ شیخ عبدالرشید ، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔

” اشخاصیکه در عہد خدا یگان مغفور و مرحوم محمد شاہ السلطان طاب ثراہ کہ خداوند گار مخدوم و مربی من بود ، بتقدیر اللہ تعالیٰ گشتہ شدہ بودند ، و کسانی کہ اعضای ایشان از چشم و بینی دست و پا ناقص گشتہ ، ورثہ ایشان از قبل پادشاہ مرحوم و مغفور استرضا نمودہ ، و ہر یکی راہ بہ اموال راضی نمودہ ، خطوطہ خوشنودی ، موکد بہ شہود مستند ، در صندوق کردہ بہ دارالامان (یعنی دہلی ۔ و پیش از این گفتہ : ”دارالامان کہ مضجع و مرقد مخدومان ما است “ ص ۱۸) ، مقبرۂ سلطان مرحوم و مغفور نوراللہ مرقدہ ، جانب سر داشتہ ، تا حق تعالی بہ کرم عمیم خویش آن مخدوم و مربی مارا غریق رحمت گرداناد “ ۔

اس طرح سلطان فیروز شاہ نے خود تحریر کردیا ھے کہ لوگوں کے خطوطِ خوشنودی ایک صندوق میں ڈال کر سلطان کے مقبرہ کے سرھانے دفن کردیئے گئے ، جو کہ دارالامان دھلی میں واقع ھے ۔ اس عبارت سے اس امر کی قطعی تصدیق ھوجاتی ھے کہ سلطان محمد بن تغلق رحہ کی آخری آرامگاہ دھلی میں ھی ھے جس کے بارے میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رھتی ۔ (ن ۔ ب ۔)

ص [۴۹]۔ ۲۳ تاریخ کو: تاریخ مبارک شاھی (ص ۱۱۸) میں ” تیئیس تاریخ “ ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۴۹]- یکم صفر : تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۱۸) میں "روز دوم" (یعنی بیست و چہارم صفر) عزیمت جانب دہلی اختیار شد" ہے اور طبقات اکبری (جلد اول ص ۲۲۵) میں "روز سویم (یعنی بیست و ہفتم) بترتیب و توزکی سوار شد" ہے۔ (ع۔م)

ص [۴۹]- جھیل سانکرہ : محمد بن قاسم جب دیبل سے نیرون کوٹ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے لشکر کا اسباب کشتیوں کے ذریعے "نالہ ساکرہ" سے روانہ کیا، جو دریائے سندھ کی ایک مغربی شاخ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ دریائے سندھ کے اس مغربی مجرا کو "ساکرہ" اور مشرقی مجرا کو "باکرہ" کے نام سے پکارا گیا۔ پچھلے دور میں، یعنی کہ اٹھارویں صدی کے پہلے نصف میں، شہداد پور سے نصر پور تک دریائے سندھ کے مجرا کو مقامی طور پر "سانگرہ" (سندھی : سا گرو) کہتے تھے۔ سنہ ۱۷۵۷ع میں دریا نے اپنا مجرا تبدیل کردیا اور ہالا سے سیدھا جنوب کو حیدرآباد کے مغرب کی جانب سے بہنے لگا۔ شہر نصر پور کے متصل، مغرب اور شمال کی جانب، اس دریائے سانگرہ کا پیٹا ابھی تک موجود ہے جس کی ہیئیت مقامی طور ایک بڑی جھیل کی سی ہے۔ غالباً سلطان فیروزالدین شاہ کے عہد میں یہ ایک بڑی جھیل تھی جو بعد میں دریا کا مجرا بن گئی۔ (ن۔ب)۔

ص [۵۰]- ملک علی شیر اور ملک تاج کافوری الخ : یہ تفصیل دوسری تاریخوں میں موجود نہیں ہے لیکن تاریخ

مبارکشاهی کا مصنف کہتا ہے کہ "مولانا محمد عماد و ملک علی غوری بر والی سند و تہتہ [و] بر طغی رفتند"۔ (ص ۱۱۹)۔ (ع - م)۔

ص [۵۱]- نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد: یعنی اواخر سنہ ۷۶۲ھ میں۔ (ع - م)۔

ص [۵۱]- جام خیرالدین: ملاحظہ ہو تشریح بر ص [۶۴]۔

ص [۵۱]- قلعہ آب میں محصور ہو کر: تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۳۱) میں "بقوت آبگیر محصر شدہ" اور طبقات اکبری میں (ج ۱- ۲۳۴) "بقوت آب متحصن شدہ" ہے۔ (ع - م)۔

ص [۵۲]- فلک را سر انداختن الخ: یہ ابیات طبقات اکبری (ج ۱ ص ۲۳۸) میں بھی مرقوم ہیں۔ (ع - م)۔

ص [۵۲]- ملک رکن الدین وزیر: صحیح ملک رکن الدین نائب وزیر ہے۔ (ملاحظہ ہو، تاریخ مبارک شاہی ص ۱۴۳ اور طبقات اکبری، ج ۱، ص ۲۴۲)۔ (ع - م)۔

ص [۵۲]- آب جون: یعنی دریای جمنا۔ (ع - م)۔

ص [۵۲]- خان جہان: یعنی تغلق شاہ کے وزیر ملک تاج الدین کا بیٹا ملک فیروز۔ "خان جہان" اس کا خطاب تھا۔ (تاریخ مبارکشاہی، ص ۱۴۲، اور طبقات اکبری ج ۱ ص ۲۴۲)۔ (ع - م)۔

ص[۵۳]- اس کا سر سلطان کے پاس: یہاں "سلطان محمد شاہ کے پاس" ہونا چاہئے جیسا کہ تاریخ مبارک شاہی

(ص ۱۵۴) اور طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۴۲) میں تحریر ہے۔ (ع - م)۔

ص [۵۴]- جلیسر : طبقات اکبری (ص ۲۴۴) میں "جلیسر کنار آب گنگ" ہے۔ تاریخ مبارک شاہی کا تلفظ "جتیسر" اور "جیتر" صحیح نہیں ہے۔ (ع - م)

ص [۵۴]- میوات کی طرف چلا گیا : تاریخ مبارک شاہی (ج ۱، ص ۲۴۶) میں ہے کہ "ابوبکر شاہ بے دست و پاشدہ بجانب کوتلہ بہادر ناہر رفت" اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ میر معصوم (ص ۵۵) کے اس بیان سے کہ "چون این لشکر بنواحی کوتلہ کہ مسکن ابوبکر شاہ بود رسید" اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ (ع - م)

ص [۵۵]- فیروز شاہ کے ایک خانہ زاد غلام بہادر نامی کے ساتھ مل کر : صحیح "بہادر ناہر اور فیروز شاہ کے خانہ زاد غلاموں کے ساتھ مل کر" ہے جیسا کہ طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۴۷) میں درج ہے۔ (ع - م)

ص [۵۵]- اس لئے وہاں (کوٹلہ) سے فرار ہوگیا : تاریخ مبارک شاہی میں ہے کہ "از کوتلہ گریختہ در جر جر خزید"۔ (ع - م)

ص [۵۶]- سلطان علاؤالدین شاہ بن محمد شاہ کا ذکر : تاریخ مبارکشاہی (ص ۱۵۵) اور طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۴۹) میں "ذکر سلطان علاؤالدین سکندر شاہ" ہے۔ (ع - م)

ص [۵۷]۔ سلطان محمود شاہ کے پاس بھیجنے لگے: یہ سہو ھے کیونکہ تاریخ مبارک شاھی (۱۵۰) اور طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۰۱) کے مطابق جاج نگر کا راجہ اور لکھنوتی کا بادشاہ، دونوں، جو ھاتھی، تحائف اور نذرانے ھر سال سلطان فیروز شاہ کے پاس بھیجا کرتے تھے وہ اب خواجہ جہان کو بھیجنے لگے۔ (ع ۔ م)

ص [۵۷]۔ اسی سال سلطان محمود شاہ نے ۰۰۰ روانہ کیا: یہاں میر معصوم کی عبارت میں خلل ھے۔ طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۰۱) کا بیان یوں ھے کہ "اسی سال بادشاہ کے حکم پر سارنگ خاں دیبالپور پر قبضہ کرنے اور شیخا کھوکھر کے فتنہ [کو دفع کرنے] کے لئے روانہ ھوا اور ماہ ذوالقعد سنہ ۷۹۷ھ میں اس نے رائے خلجین بھٹی، رائے داؤد، کمال مئین اور ملتان کے لشکر کو ساتھ لے کر کوچ کیا"۔ (ع ۔ م)

ص [۵۷]۔ ملک کھنڈو: تاریخ مبارک شاھی (ص ۱۵۸) اور طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۰۱) میں "کندھو" ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۵۷]۔ مبارک خان ولد ملک راجو: طبقات اکبری (ج ۱، ص ۲۰۱) میں "مبارک خان و پسر ملک راجو" ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۵۷]۔ سلطان سے دغا کرنے کے منصوبے بنانے لگے: تاریخ مبارک شاھی (ص ۱۵۸) اور طبقات (ج ۱، ص ۲۰۱) کی عبارت یوں ھے "بر سعادت خان غدر اندیشیدند"۔ (ع ۔ م)

ص [۵۸]۔ اس خبر سے خائف ہو کر ملو نے ... علم بغاوت بلند کیا الخ : یہ عبارت الجھی ہوئی ہے اور شاید اس میں سے ایک جملہ حذف ہوگیا ہے۔ تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۰۸) کی عبارت اس طرح ہے "ملو فرار ہو کر مقرب خان کے پاس دھلی آیا۔ سلطان بھی وہاں سے واپس آ کر شہر کے قریب اترا۔ مقرب خان نے استقبال کر کے قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ لیکن اس کے دل میں جو خوف اور دھشت بیٹھ گئی تھی اس کی وجہ سے شہر میں واپس آ کر وہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگا"۔ طبقات اکبری (ج ۱ ص ۲۰۱) میں جس سے کہ میرمعصوم نے بادشاہان دھلی کا پورا حال نقل کیا ہے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے : "ملو بھاگ کر مقرب خان کے پاس دھلی گیا اور سلطان بھی فوراً ہی دھلی کی طرف واپس ہوا۔ مقرب خان نے اس کا استقبال کیا لیکن چونکہ ملو کی آمد کی وجہ سے اسے سلطان کے دل میں کچھ غبار نظر آیا اس لئے اس نے کسی ترکیب سے خود کو شہر میں پھونچا کر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا"۔ (ع ۔ م)

ص [۲۰]۔ اسی زمانہ میں تھری کے گرد و نواح کے سومرہ قبائل نے : میر معصوم نے سومروں کی حکومت کی بنیاد سلطان عبدالرشید (۱۴۴۴-۴۴۴ھ) کے ایام میں رکھی ہے لیکن راقم الحروف کے خیال میں یہ اس کی غلطی ہے۔ اسی طرح ایلیٹ اور ھیگ بھی غلطی کی ہے کہ جنھوں نے سومروں کی مخالفت کے متعلق اپنی بحث کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی ہے۔ سنہ ۴۱۶ھ میں

جب سلطان محمود سومناتھ فتح کرنے کے بعد کچھ کے رن سے گذر کر منصورہ پہونچا، جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ھے، تو منصورہ کا حکمراں (بلکہ راقم الحروف کے خیال میں سارے جنوبی سندھ کا حکمراں) خفیف نامی ایک شخص تھا۔ چونکہ یہ سردار سومرہ حکمرانوں میں شمار کیا گیا ھے اس لئے اس کا زمانہ "سومرہ" نامی سردار سے کہ جسے پہلا سومرہ فرمانروا مانا گیا ھے کم از کم تیس سال پہلے کا ھے۔ تحفۃ الکرام (ورق ۱۰ ب) کے مطابق سنہ ۴۴۵ھ میں سومرہ قبائل نے تھری کے آس پاس جمع ھوکر "سومرہ" نامی ایک شخص کو حکومت کی مسند پر بٹھایا۔ اگر ابوالفضل کے قول پر (آئین اکبری ص ۵۴۹) کہ "۳۶ سومرہ حکمرانوں نے ۵۰۰ برس حکومت کی (۱)"۔ اعتبار کیا جائے تو ان کی حکومت کی ابتدا سنہ ۲۵۲ھ سے فرض کرنی ھوگی کیونکہ تحفۃ الکرام کے مصنف کے قول (ورق ۸ ب) کے مطابق اس قوم کی حکومت سنہ ۷۵۲ھ میں ختم ھوئی۔ سنہ ۲۴۷ھ میں عباسی خلیفہ المتوکل فوت ھوا اور اس کی خلافت کے پورے دور میں سندھ کا حاکم عمر بن عبدالعزیز الھباری (یا "السامی" مطابق یعقوبی ج ۲ ص ۵۹۹) تھا۔

سنہ ۲۵۵ھ کے لگ بھگ، کہ جس میں بلاذری نے اپنی تاریخ مکمل کی، بنو کندہ کے ایک آزاد غلام ابوالصمہ

---

(۱) تاریخ طاھری (ص ۲۹) کے مطابق ایک سو تینتالیس سال اور بیگلار نامہ (ورق ۸ الف) کے مطابق پانچ سو سال۔ (ع۔م)

نے سندھ پر قبضہ کیا۔ خلیفہ معتمد نے سنہ ۲۵۸ھ میں حکومت سندھ یعقوب بن لیث صفار کو عطا کی۔ یہ پورا عرصہ عباسیوں کے زوال کا زمانہ تھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ سومرہ قبائل کے مقامی حکمرانوں نے طاقت حاصل کرکے پہلے صفار کی حکومت کے ماتحت اور اس کے بعد خود مختار ہوکر سندھ پر حکومت کی ہو۔ افسوس کہ کتب تواریخ نے ان حکمرانوں کے نام محفوظ نہیں کئے۔ ابن بطوطہ شہر جنانی کی تعریف کرتے ہوئے (ج ۳، ص ۱۰۱-۱۰۲) لکھتا ھے:-

ھم دریائے سندھ سے دو دن کا سفر کرکے شہر جنانی(۱) پہونچے

---

(۱) ابن بطوطہ نے شہر جنانی کا بیان سیوستان سے پہلے کیا ھے اور ملتان کے بعد اسے دو دن کے فاصلہ پر بیان کیا ھے لیکن اس میں غلطی ھے۔ چونکہ ابن بطوطہ نے اپنا سفر نامہ بیس سال کے بعد تحریر کرایا ھے اور اپنے سفر کے بعض واقعات کو اس نے خلط ملط کردیا ھے اس لئے ھمیں شہر جنانی کو سیوھن اور ٹھٹھہ کے درمیان فرض کرنا چاھئے۔ تاریخ مبارک شاھی کا مصنف (ص ۴۳) خان شہید سلطان محمد کی جاگیروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ھے کہ:- "جنانی شصت کروہ از تھتھہ بیشتر بر سر دریا ست" (جنانی ٹھٹھہ سے ۶۰ کوس آگے دریا کے کنارے پر واقع ھے)۔ چونکہ ٹھٹھہ اور سیوستان کا درمیانی فاصلہ کم از کم ۷۵ کوس ھے اس لئے شہر جنانی سیوستان سے تقریباً ۱۵ کوس یا تیس میل نشیب کی طرف جنوب یا جنوب مشرق کی سمت واقع ھوگا۔ دریائے مہران کے ھمیشہ رخ بدلنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۳ پر)

دریائے سندھ کے کنارے پر یہ بڑا خوبصورت شہر ہے اور اس میں دلکش بازار ہیں ۔ یہاں کے باشندوں کے ایک گروہ کو سامرہ کہتے ہیں جنھوں نے کہ زمانہ قدیم سے اس شہر کو اپنا وطن بنایا ہے ۔ ان کے بزرگ اس شہر میں اس زمانے سے رہتے آئے ہیں کہ جب وہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فتح ہوا تھا جیسا کہ تسخیر سندھ [کے ذکر میں] تاریخ نویسوں نے تحریر کیا ہے ۔ مجھ سے شیخ و امام، عالم و عامل اور زاھد و عابد رکن الدین بن شیخ، فقیہہ، صالح، شمس الدین بن شیخ و امام اور عابد و زاھد بہاؤالدین زکریا قریشی نے روایت کی ہے کہ ان کے جد امجد محمد بن قاسم القرشی تسخیر سندھ کے وقت اس لشکر میں موجود تھے کہ جسے اس مقصد کے لئے حجاج بن یوسف نے اپنے عراق پر حکومت کے زمانہ میں بھیجا تھا اور وہ یہیں (سندھ میں) رہ گئے تھے ۔ ان کی کثیر اولاد ہوئی"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۲)

کی وجہ سے اب اس وقت اس مقام کا متعین کرنا کافی دشوار ہے ۔ ھیگ نے ابن بطوطہ کی پیروی میں شہر جنانی کو سیوستان سے آگے سمجھ کر اس کا محل و قوع ھالانی (تحصیل کنڈیارو) کو قرار دیا ہے (دیکھئے ھیگ کا مقالہ "Ibin Batuta in Sind" (J. R. A. S. Vol: 19 year 1887. P. 412) لیکن یہ شہر ٹھٹھہ سے ۷۵ کرس سے بھی زائد فاصلہ پر ہے اس لئے ان کے قیاس کو غلط سمجھنا چاھئے ۔ راقم الحروف کے خیال میں موجودہ شہر "سن" ہی اس کا صحیح اور مناسب مقام ہوسکتا ہے ۔ (ع ـ م)

اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سامرہ قوم (سومرہ) سر زمین سندھ پر پہلی صدی ھجری کے اواخر سے آباد ہے۔ اس قوم نے رفتہ رفتہ طاقت حاصل کرکے تیسری صدی ھجری کے نصف آخر میں سندھ کے پورے خطۂ لاڑ (جنوبی سندھ) پر اپنا قبضہ کرلیا۔

چونکہ اس کے بارے میں ھمیں پوری معلومات حاصل نہیں، کہ آیا مذکورہ محمد بن قاسم القرشی وھی فاتح سندھ محمد بن قاسم الثقفی ہے، اس وجہ سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن اگر یہ دونوں ایک ثابت ھو جائیں تو پھر سومروں کی نسل محمد بن قاسم سے ملائی جاسکتی ہے۔ (۱)

یہاں ھم ناظرین کی توجہ علامہ سید سلیمان ندوی کے اس ناقدانہ مقالہ کی طرف مبذول کراتے ھیں کہ جو انہوں نے اپنی قیمتی کتاب 'عرب و ھند کے تعلقات' میں شامل کیاھے۔ ایک سندھی عالم مولوی عبداللہ شائق نے بھی "دولت علویہ" (یا سومروں کی حکومت) کے نام سے ایک کتابچہ، سومروں کے بزرگوں کے شجروں اور مولوی عبدالرحیم سومرو کی تصنیف "تاریخ گلزار سندھ" منظوم کی مدد سے تحریر کرکے ۱۹۲۹ع میں شائع کرایا ھے لیکن وہ کوئی تاریخی اھمیت نہیں رکھتا۔ فی الحال صرف اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ھوئے ھم اپنی تحقیقات کے نتائج آیندہ پر چھوڑتے ھیں۔ ذیل میں تاریخ معصومی،

---

(۱) یہ محض ایک ظن ھے جس کے لئے کوئی امکانی شہادت موجود نہیں۔

تحفۃ الکرام اور دولت علویہ کے مطابق ہم سومرہ حکمرانوں کی ایک قیاسی فہرست پیش کرتے ہیں :-

تاریخ معصومی	تحفۃ الکرام	دولت علویہ
	سنہ ھ	سنہ ھ
۱- سومرہ	۱- سومرہ ۴۴۵ھ ۴۴۶ھ (۱)	۱- سومرہ - وفات ۴۴۸ھ
۲- بھونگر	۲- بھونگر وفات ۴۶۱ھ	۲- عصام الدین بھونگر وفات ۴۶۶ھ
۳- دودا	۳- دودا " ۴۸۵ھ	۳- عصام الدولہ دودا ۴۸۱ھ میں گوشہ نشین ہوگیا
۴- تاری	۴- سنگھار " ۵۰۰	۴- زینب (تاری) ۴۹۱ھ میں تخت سے دستبردار ہوگئی
۵- سنگھار	۵- خفیف " ۵۳۶	۵- شہاب الدین سنگھار وفات ۵۰۳
۶- ہمّوں	۶- عمر " ۵۷۶	۶- فخر الملک ہمّوں کا بھائی جس نے ایک سال حکومت کی
۷- پھتّو	۷- دودا " ۵۹۰	۷- سراج الدین فتح خان (پھتّو) وفات ۵۱۱
۸- خیرو	۸- پھتّو " ۶۲۳	۸- عماد الدین خفیف وفات ۵۳۶

تاریخ معصومی	تحفۃ الکرام	دولت علویہ
	سنہ ھ	سنہ ھ
۹- ارمیل	۹- گھنرو وفات ۶۴۹	۹- جلال الدین عمر۔ وفات ۵۵۶
—	۱۰- محمد طور " ۶۵۴	۱۰- صلاح الدین ھجو۔ وفات ۵۷۰
—	۱۱- گھنرو " ۶۶۵	۱۱- غیاث الدین داؤد۔ وفات ۶۰۰
—	۱۲- طائی " ۶۸۲	۱۲- علاؤالدین خیرہ (گھنرہ) وفات ۶۱۹
—	۱۳- چنیسر " ۷۰۰	۱۳- سیف الدین طائی۔ وفات ۶۳۸
—	۱۴- بھونگر " ۷۱۵	۱۴- شمس الدین بھونگر وفات ۶۷۸
—	۱۵- خفیف " ۷۳۳	۱۵- کمال الدین چنیسر۔ اسے ۶۹۶ میں تخت سے معزول کردیا گیا
—	۱۶- دودا " ۷۵۸	۱۶- اسد الملتہ دودا۔ وفات ۷۰۰
—	۱۷- عمر " ۷۹۳	۱۷- ظہیر الدین بھونگر وفات ۷۴۰
—	۱۸- بھونگر " ۸۰۳	۱۸- فخر الدین عمر۔ ۷۷۵ھ میں گوشہ نشین ہو گیا

تاریخ معصومی	تحفۃ الکرام	دولت علویہ
	سنہ ھ	سنہ ھ
—	۱۹- ھمیر- اسے سمہ قوم کے لوگوں نے معزول کردیا	۱۹- قمرالدین طاھر وفات ۸۱۳
—	—	۲۰- معین الدین ارمیل وفات ۸۲۲
—	—	۲۱- بہاؤالدین شہ میر عرف حمیر - وفات ۸۴۳ ھ

میر معصوم نے سومرہ حکمرانوں کے سنین بیان نہیں کئے ھیں اور حکمرانوں کے ناموں کی فہرست بھی ناقص ھے۔ صاحب تحفۃ الکرام کہ جس نے سومرہ حکمرانوں کے نام اور سنین محمد یوسف کی تصنیف منتخب التواریخ سے اخذ کئے ھیں اور ایک مقام پر سومروں کی حکومت کا خاتمہ سنہ ۷۵۲ھ بیان کیا ھے (ورق ۸ الف) وہ بھی غلطی پر ھے۔ گذشتہ صفحات پر بیان کیا جا چکا ھے کہ سنہ ۶۲۱ھ کے لگ بھگ جب سلطان جلال الدین منکبرنی دیبل بندر کے قریب پھونچا تو وھاں کا حکمران چنیسر کشتیوں پر سوار ھوکر اس کے مقابلہ سے فرار اختیار کرگیا۔ یہ وھی حکمران ھے کہ جسے صاحبِ طبقات ناصری "ملک سنان الدین چنیسر والیِ دیول و سندھ" کے نام سے موسوم کرتا ھے اور جو کہ سنہ ۶۲۵ھ میں نظام الملک محمد جنیدی کی اطاعت قبول کرکے شمسی (شمس الدین التمش کے) دربار سے منسلک ھو گیا تھا۔ چونکہ یہ دونوں واقعات مسلمہ

هیں اس لئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تحفۃ الکرام اور دولت علویہ کے مصنفین نے سومرہ حکمرانوں کے متعلق جو سنین درج کئے ہیں وہ محض قیاسی یا فرضی ہیں۔ (ع - م)

ص [۲۱]۔ اس کا آفتاب حیات افق ممات میں غروب ہوگیا: کیپٹن مالیط نے جو نسخے کہ انگریزی ترجمے میں استعمال کئے ہیں ان میں اس مقام پر سومروں کے متعلق ایک طویل نوٹ ہے۔ ایلیٹ نے بھی مالیط کا یہ نوٹ نقل کر کے (تاریخ ہند جلد اول ص ۲۱۶-۲۲۳) اس کی صحت کے بارے میں اشتباہ کیا ہے۔ ہم اس کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں:-

خیرو کی وفات کے بعد خفیف اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں رعایا بڑی آسودہ اور خوشحال تھی۔ ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ کچھ وقت شکار گاہ میں صرف کر کے وہ کاروبار کے بار سے کچھ فراغت حاصل کرے۔ چنانچہ ایک عظیم لشکر جمع کر کے وہ بلوچوں، سوڈھوں اور جاڑیجوں کی طرف روانہ ہوا۔ ان کی حدود میں پہونچا تو رنمل سوڈھا رام رائے جاڑیجہ اور مہران بلوچ سوغات اور تحائف لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خفیف اُن سے خوش ہوا اور انعام و اکرام دے کر انہیں رخصت کردیا۔ اس کے بعد اُس نے سمہ قبائل کے اُن لوگوں کو سزائیں دیں کہ جنھوں نے ایک بلوچ کا مال لوٹ لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا رعب و دبدبہ لوگوں کے دلوں پر اس قدر بیٹھ گیا کہ کچھ سے لے کر نصرپور تک کوئی بھی شخص

اس سے سرکشی نہ کر سکا۔ غرض اپنی ساری مملکت میں امن و امان قائم کر کے وہ اپنے پایہ تخت ٹھٹھہ لوٹ آیا اور برسوں حکومت کرنے کے بعد بالآخر فوت ہو گیا۔

خفیف کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت اور سربراہان مملکت نے دودا ولد عمر ولد پھتو کو مسند حکومت پر بٹھایا۔ [اسی عرصہ میں] سنگھار نامی ایک نواحی زمیندار نے اسے آگاہ کیا کہ کچھ کے سمہ [قبائل] ٹھٹھہ کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اطلاع پا کر دودا بےشمار لشکر ساتھ لے کر کچھ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر ان لوگوں کی گوشمالی کی۔ بالآخر لاکھہ نامی ان کے ایک ایلچی نے قیمتی تحائف اور کچھی گھوڑے اس کی خدمت میں پیش کر کے سمہ قوم کے لوگوں کے قصور کی معافی طلب کی اور عنایات سے سرفراز ہوا۔ اس کے بعد وہ مطمئن ہو کر تھری واپس لوٹ آیا اور طویل عرصہ تک وہاں مقیم رہا۔ وہ تھری ہی میں تھا کہ رنمل سوڈھا نے [اس کے پاس] پہونچ کر جھوٹی شکایت کی کہ جت بلوچ جو کہ خفیف کے عہد میں خراج اور نذرانے دیا کرتے تھے اب اطاعت سے انحراف کر رہے ہیں۔ لیکن تحقیقات کرنے پر پتہ چلا کہ رنمل سوڈھا نے ان لوگوں پر تہمت رکھی ہے [اور درحقیقت] وہ خود ہی فوجیں جمع کر کے جنگ کے لئے مستعد ہوا ہے۔ چنانچہ [یہ خبر پاکر] دودا اس پر حملہ آور ہوا۔ جنگ میں رنمل کے حلق میں ایک ایسا تیر آ کر لگا کہ اس کا

کام تمام ہو گیا اور یہ حال دیکھتے ہی اس کا لشکر منتشر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ دودا کے آدمیوں نے بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے ان میں سے اکثر کو تلواروں کا لقمہ بنایا۔ آخر کار رائے سنگھ اور جگمل [اس کے پاس] سفیر کی حیثیت سے آئے اور آ کر خطاؤں کی معافی طلب کی۔ اس کے بعد دودا نصرپور گیا۔ وہاں کے زمیندار، سر کردہ افراد اور قاضی استقبال کو آئے اور اس کی خدمت میں نذرانے پیش کئے۔ اسی اثناء میں رنمل سوڈھا کے بیٹے ساھبہ نے خدمت میں حاضر ہو کر دو خوبصورت کچھی گھوڑے پیش کئے اور آداب بجا لایا۔ دودا نے خوش ہو کر اسے اس کی قوم کا سردار مقرر کیا اور اس کے بعد ٹھٹھہ واپس آ گیا یہاں [کچھ عرصہ بعد] اس نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

دودا کی وفات کے بعد اکابرین و اعیانِ دولت کی اعانت سے اس کا بیٹا عمر تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ نوجوان تھا اس لئے اپنا زیادہ تر وقت شراب نوشی اور لہو و لعب میں گذارا کرتا اور کاروبارِ مملکت کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سمہ، سوڈھا، جت اور بلوچ قبائل اس کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔

یہ خبر پاتے ہی ملا حامد نے (جو شاید اس کا وزیر تھا) عمر کو خبردار کیا اور وہ لشکر جمع کر کے ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ [فریقین میں] سخت جنگ ہوئی جس میں سمہ

قبائل کے لوگوں کا پلہ بھاری رہا۔ یہ رنگ دیکھ کر ملا حامد نے اپنے لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور یہ تقریر کی :-

"ٹھٹھہ بہت دور ہے اور رقم بہت کم، اگر ہم پوری قوت سے لڑ کر دشمن پر غالب ہوں گے تو کثیر مال ہمارے ہاتھ لگے گا اور پھر ہم سلامتی کے ساتھ ٹھٹھہ واپس جا سکیں گے"۔

یہ الفاظ سن کر ان میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی اور ایک ہی حملہ میں انہوں نے دشمن کو شکست دے دی۔ کثیر مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا۔ سموں نے راجہ جگن ناتھ کو درمیان میں لاکر معافی حاصل کی اور نذرانے پیش کئے۔ سوڈھا، جت اور بلوچ قبائل نے بھی عبرتناک انجام سے خائف ہوکر سر تسلیم خم کیا۔ غرض وہاں سے اطمینان حاصل کر کے عمر تھری پہونچا اور [کچھ عرصہ بعد] وہیں فوت ہو گیا۔

اس وقت اس کا بیٹا دودا کمسن تھا چنانچہ سلطنت کے سرکردہ افراد نے اس کی جگہ اس کے بھائی چنیسر کو تخت پر بٹھایا۔ [پھر جب] دودا بالغ ہوا تو چنیسر نے اسے قید کرلیناچاہا جس کی وجہ سے دودا سلطان مودود سے مدد طلب کرنے کے لئے غزنی بھاگ گیا۔ ان دنوں سلطان [سخت بیمار تھا اور اس] کی حالت نازک تھی۔ دودا نے ایک معجز نما عصا کی مدد سے، جو کہ اسے راستہ میں ایک بزرگ سے حاصل ہوا تھا، یہ معلوم کیا کہ

سلطان کبھی پانی پیتے وقت سانپ کے دو چھوٹے بچے نگل گیا تھا اور وھی سنپولئے اب بڑے ھوکر سلطان کو اذیت پہونچا رھے ھیں۔ چنانچہ کسی حیلہ سے اس نے ان دونوں سنپولیوں کو باھر نکالا اور سلطان تندرست و صحتیاب ھوگیا۔ سلطان نے خوش ھوکر اس سے کہا "جو کچھ بھی طلب کرنا ھو طلب کر" دودا نے [موقع مناسب سمجھ کر] اپنا حال عرض کیا جس پر سلطان نے اس کے ساتھ ایک عظیم لشکر روانہ کردیا۔ آخر بارہ دن کی [خوفناک] جنگ کے بعد شاھی علم کے پھریرے فتح و نصرت کے ھواؤں سے لہرانے لگے اور چنیسر اپنے کثیر آدمیوں کے ساتھ مارا گیا۔ اس کے بعد دودا اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور کتنے ھی سال قوت اور عقلمندی کے ساتھ حکومت کرتا رھا۔ [کچھ عرصہ بعد] بالآخر [وہ بھی] "کل نفسٍ ذائقة الموت" کے حکم کے مطابق ساقیِ اجل کے ھاتھوں شربت مرگ پی کر عالمِ جاودانی کی طرف رخصت ھوا۔ (ع - م)

ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے، صفحہ ۷۹ پر میر معصوم کے اس بیان پر کہ "سومرہ اور سمہ حکمرانوں کے حالات کے متعلق ...... اجمالی طور پر جو بیان تحریری شکل میں ملا وہ یہاں بیان کیا گیاھے"، ایک اور روایت فارسی ایڈیشن کے صفحات ۳۰۷-۳۰۴ پر قلمبند کی ھے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ھے کیونکہ یہ بیان بھی دودا سومرا کی لڑائیوں کے متعلق مقامی روایات کا ایک جز ھے۔ دودا کے متعلق مندرجہ

بالا روایت میں جو کیپٹن مالیط اور پھر ایلیٹ نے بھی نقل کی ھے، اور ذیل کی روایت میں قدرے مماثلت پائی جاتی ھے۔ یہ روایت تاریخ معصومی کے ایک قلمی نسخہ میں، جو پہلے خان بہادر خداداد خان مؤلف "لب تاریخ سندھ" کی ملکیت تھا اور اب محمدحنیف صدیقی کے پاس ھے، ایک مختصر باب کی صورت میں اس طرح مرقوم ھے:

"نقل ھے کہ دودا سندھ کا مستقل حکمراں تھا۔ لیکن بھائیوں کی شرارت سے رنجیدہ ھو کر وہ سلطان ناصرالدین محمود کے پاس دھلی چلا گیا تھا تاکہ وھاں سے کمک لے کر وہ پھر خود کو حکمراں بنائے۔ راستہ میں ملتان کے قریب اس کی ملاقات قطب العارفین شیخ پٹھہ رحمۃ اللہ علیہ سے ھوئی جنھوں نے حکومت سندھ اسے [عطا کرنے کا] کا وعدہ کیا۔ شیخ مذکور نے دودا سومرہ سے اپنے مزار مقدس کے لئے زمین کا ایک قطعہ بھی خریدا۔ ھر چند کہ دودا نے اس کی قیمت لینے سے انکار کیا لیکن شیخ مذکور راضی نہ ھوئے اور بالآخر شیخ کی رضامندی کی خاطر دودا نے رقم لے کر قطعہ زمین کو خدام کے حوالہ کیا (۱)۔ دھلی پہونچ کر جب مذکورہ دودا سومرہ نے سلطان ناصرالدین محمود کی خدمت میں اپنے درد ناک حالات کی مکمل روداد پیش کی تو بادشاہ نے اسے شاھانہ انعامات اور خسروانہ نوازشات سے سرفراز فرما کر اپنے دربار کے مقربین

(۱) یہاں پر اس کے بعد شیخ پٹھہ کے حالات و کرامات کا ذکر ھے۔ (ع۔م۔)

خاص میں شامل کرلیا ۔ ایک دن دودا نے سلطانی دربار کے کسی
خاص فرد سے اپنے اوپر گذرے ہوئے مظالم کے کچھ واقعات
بیان کئے اور اس کی معرفت اس کے بھائیوں کے جبر و ستم
اور بے وفائیوں کے یہ واقعات سلطان کے گوش مبارک تک
جا پہونچے ۔ اس پر سلطان کے دل مبارک پر شدید رقت
طاری ہوئی اور صبح سویر ہی اس نے لشکر کے حاضر
کرنے اور شمار کئے جانے کا حکم صادر کیا ۔ چنانچہ تھوڑے ہی
عرصہ میں تقریباً پچاس ہزار پیادے اور سوار اور ۳۰ سو مست
ھاتھی بادشاہ کے معائنہ سے سرفراز ہوکر دودا کے ساتھ سندھ
روانہ کئے گئے ۔ اس روایت میں اختلاف ھے ۔ بعض یہ کہتے
ھیں کہ دودا کے ساتھ خود سلطان بھی بہ نفس نفیس سندھ کو
روانہ ھوا اور بعضوں کا خیال ھے کہ سلطان نے اپنے ایک خاص
غلام سارنگ خان کو دودا کے ھمراہ سندھ بھیجا تھا ۔

کہتے ھیں کہ جب یہ قیامت خیز لشکر دودا کے بھائیوں
کے سر پر نازل ھوا تو انھوں نے قرب و جوار اور سندھ کے لشکر
کی ایک بھاری جمعیت اکٹھی کرکے اور اپنے عیال و اطفال
کو دریا کے کنارے محفوظ کرکے مقابلہ کی ٹھانی ۔ بالآخر
[ایک دوسرے سے ٹکرا کر] دونوں لشکر سمندر کی طرح
موجیں مارنے لگے اور کثیر مخلوق قتل اور زخمی ہوئی ۔
دوسرے دن دودا نے پیغام بھیجا کہ اگر تم اپنے کئے پر
پشیمان ھو تو تلوار گلے میں حمائل کرکے ھمارے سامنے حاضر
ھو تاکہ تمھاری بے ادبیاں معاف کی جائیں ۔ لیکن انھوں نے

یہ بات پسند نہ کی اور بدستور جنگ جاری رکھی۔ آخرکار ان میں سے بیشتر آدمی قتل ہوگئے اور جو تھوڑے باقی بچے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر ابڑو نامی [ایک سردار] کے پاس چلے گئے۔

ناقلانِ اخبار اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ابڑو کے پاس اپنے اہل و عیال چھوڑنے کے بعد انہوں نے اپنے بھائیوں کی جماعت کو اکٹھا کرکے اپنے لشکر کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں دودا سومرہ نے ابڑو کو پیغام بھیجا کہ "تم ایک نہایت ضعیف آدمی ہو۔ تمہارا ان معاملات سے کیا تعلق؟ بہتر ہے کہ جو بھی باقی ماندہ یا بھاگے ہوئے [سومرہ لوگ] اور ان کے اہل و عیال تمہارے پاس آئے ہیں انہیں بغیر مزید تاخیر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ پھر ہمیں تم سے کوئی شکایت یا قیل و قال نہ رہے گی" ابڑو نے اِس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ: "خدا نہ کرے کہ جو عورتیں میری پناہ میں آئی ہیں میں انہیں تیرے پاس بھیج دوں۔ خدائے پاک کی مہربانی اور حضرت بادشاہ کے بخت کی برکت سے امید ہے کہ یہ دو چار خواتین میرے لئے کسی نقصان کا سبب نہ بنیں گی۔ بندہ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہوگا کہ جو شرمندگی اور پشیمانی کا باعث ہو"۔

اس کے بعد دودا اپنے لشکر کو آراستہ کرکے ابڑو کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرف ابڑو پچاس سوار ساتھ لے کر محافظ کی حیثیت سے اپنے لشکر کے چاروں طرف پہرہ دے رہا تھا کہ اچانک

دور سے دودا ایک عظیم لشکر اور خلق کثیر کے ساتھ نمودار
ہوا - ابڑو انھی پچاس سواروں کے ساتھ مست ہاتھی اور گرجتے
ہوئے شیر کی طرح صفیں آراستہ کر کے میدان جنگ میں کود
پڑا اور دونوں جانب کے بہادروں کی للکاروں کی آوازیں آسمان
تک گونجنے لگیں - ابڑو نے ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے
کتنے ہی [دشمنوں] کو موت کے گھاٹ اتار دیا - بادشاہ کا
فتح مند لشکر دریا کی مانند لہریں لے رہا تھا اور ایک کے
پیچھے دوسری فوج چلی آرہی تھی - لیکن ابڑو نے کہ جو اپنی زندگی
سے ہاتھ دھو چکا تھا کتنوں ہی کو قتل کر ڈالا اور خود بھی
زخمی ہو کر بہادری کا حق ادا کیا - آخر کار لشکر نے چاروں
طرف سے یلغار کر کے اور پیہم زخم پہونچا کر اسے گھوڑے سے
گرا کر قتل کردیا - باقی ماندہ سومروں نے قطعی مایوس ہو کر
تلواریں سونت لیں اور اپنے اہل و عیال کو قتل کر کے میدان
حرب میں آ کر جنگ کی خوفناک آگ بھڑکائی - چونکہ
انھیں اپنے بچنے کی کوئی امید نہ تھی اس لئے ہاتھ پیر چلانے
میں انھوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن آخر کار وہ سب کے
سب بھی قتل ہوگئے -

کہتے ہیں کہ سومروں کی سات نیک بخت عورتیں کہ
جنھوں نے ایسی پاک دامنی اور پرہیز گاری کے ساتھ عمر گذاری
تھی کہ ان پر کسی نا محرم کی نگاہ تک نہ پڑی تھی ،
[باقی بچ گئی تھیں] چنانچہ بے حرمتی کے خوف سے انھوں نے
نہایت عجز و انکسار کے ساتھ پروردگار سے کہ جو بے وسیلوں

کا وسیلہ ہے دعا طلب کی اور پر امید نگاہوں سے آسمان کو تکنے لگیں ۔ چنانچہ ان کی دعائیں فی الفور قبول ہوئیں اور زمین شق ہو گئی جس میں وہ ساتوں عصمت مآب خواتین سما گئیں۔ ان دنوں اس مقام پر ساموئی کے قریب دریا کے کنارے ان ساتوں بہنوں کی قبریں بنادی گئی ہیں اور وہ ٹھٹھ کے لوگوں کی زیارت گاہ ہیں ۔

روایت ہے کہ بڑے کشت و خون کے بعد سارنگ خان، دودا کو ٹھٹھ کے تخت پر بٹھا کر اور کچھ تھوڑے آدمی اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا ۔ اس کے بعد دودا کئی سال تک خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا ۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

ان دونوں روایتوں کے مطابق دودا اپنے بھائیوں کے خلاف سلطان سے مدد حاصل کرنے کے لئے گیا ، راستہ میں اس کے لئے ایک درویش نے دعا کی، سلطان نے اس کی لشکر دے کر مدد فرمائی، اور وہ اپنے مخالف بھائیوں کو شکست دے کر تخت پر متمکن ہوا۔ پہلی روایت میں دودا کا سلطان مودود (۴۳۲ع-۴۴۰ھ/۱۰۴۰-۱۰۴۸ع) کے پاس مدد کے لئے جانا بیان کیا گیا ہے، جو کہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اسی روایت سے ظاہر ہے کہ دودا سے پہلے اور بھی سومرا حکمران ہو گذرے تھے جس کے معنی یہ ہوئے کہ سومروں کی حکومت چوتھی صدی ھجری سے قائم تھی، لیکن یہ تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ دوسری روایت میں دودا کا سلطان ناصرالدین محمود (بن التمتش) کے پاس جانا ظاہر کیا گیا ہے جس کی حکومت ۶۴۴ سے ۶۶۴ ھجری تک

(۱۲۴۶-۱۲۶۶ء) تھی۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ دودا کی ملاقات درویش 'پیر پٹھہ' سے ہوئی تھی جو غالبا بوڑھے تھے اور زندگی کے آخری دن بسر کر رہے تھے۔ اسی لئے انھوں نے دودا سے اپنے مزار کے لئے زمین کا قطعہ خرید کیا۔ تحفۃالکرام (ج ۳ ص ۲۵۲) میں 'پیر پٹھہ' کا سن وفات سنہ ۶۴۶ھ (۱۲۴۸ء) دیا گیا ہے، جس سے سلطان ناصرالدین کے عہد میں دودا اور پیر پٹھہ کی ملاقات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ معصومی یا تحفۃالکرام میں اس مدت میں دودا نامی کوئی سومرہ حکمران نظر نہیں آتا۔ تاریخی اعتبار سے سومرہ خاندان کا ایک آخری حکمران دودا تھا جس کو سمہ سرداروں کے خلاف سلطان فیروز شاہ کے گورنروں کی اعانت حاصل تھی اور اس دودا کا زمانہ تقریباً ۷۵۰ھ سے ۷۶۶ھ تک کا ہے۔ (ملاحظہ ہو تشریح بر ص [۶۱])۔

سندھ کی مقامی روایات کے مطابق، جو کہ مدت مدید سے متواتر چلی آ رہی ہیں، دودا ایک دلیر اور بہادر نوجوان تھا۔ وہ اپنے زور بازو اور رعایا کی حمایت سے تخت پر قابض ہوا اس کا بڑا بھائی چنیسر دیبل کے سلطان علاؤالدین (۶۹۵-۷۱۵ھ / ۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) کے پاس مدد کے لئے گیا۔ چنانچہ سلطان علاؤالدین نے سندھ پر لشکر کشی کی (جو کہ تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی سپہ سالار آیا ہو)۔ الغرض دودا اور اس کے رفقاء خونخوار لڑائیوں کے بعد مارے گئے اور سومرہ بیگمات نے جا کر کچھ کے سمہ سردار ابڑو کے پاس پناہ لی۔

لیکن سلطانی لشکر وهاں بھی جا پہنچا۔ بالآخر ابڑو دلیرانہ مقابلوں کے بعد مارا گیا اور عصمت ماب خواتین وہیں (کچھ میں) دعا کے وسیلے زمین میں سما گئیں۔ (ن۔ب)

ص [۲۱]۔ قلعہ واھکہ: سندھی زبان میں اسے "وگہ کوٹ" یا "وجہ کوٹ" کہتے ھیں۔ یہ دریائے پران کے مشرق میں پانچ میل اور اللہ بند کے بالائی حصہ پر واقع تھا۔ جن دنوں کچھ کا رن (بیابان شور) کشتی رانی کے قابل دریا تھا ان دنوں وگہ کوٹ ایک اچھی بندر گاہ تھا۔ (دیکھئے آثار قدیم سندھ تالیف کزنس ص ۱۲۲) (ع۔م)۔

"وگہ کوٹ" کے کھنڈرات جنوبی سندھ میں 'رھمونکی بازار' سے ۱۰-۱۲ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی طرف واقع ھیں۔ (ن۔ب)

ص [۲۱]۔ محمد طور: تھری کے بعد یہ سومروں کا دوسرا دارالحکومت تھا۔ اس کے کھنڈ رات میرپور بٹھورہ میں شاہ کپور کے نواح اور گونگری واہ کے کنارے موجود ھیں۔ یہ نہایت آباد اور سر سبز و شاداب شہر تھا۔ تاریخ طاھری کا مولف سید محمد طاھر نسیانی (سنہ ۱۰۳۰ھ) لکھتا ھے کہ: "نہ صرف اس حقیر نے بلکہ کثیر افراد نے (اس شہر کے کھنڈ رات کا) بچشم عبرت ملاحظہ کیا ھے اوراس سے واقف ھیں۔ اس مقام کے ویران ھوجانے کے بعد یہاں کے بیشتر باشندوں کی اولاد نے پرگنہ ساکورہ (ساکرہ) میں جو کہ جامان سمہ کے عہد میں آباد تھا، سکونت اختیار کرکے ایک گاؤں آباد کیا ھے اور اس گاؤں کو بھی اسی محمد طور کے نام سے پکارتے ھیں"۔ (ص ۲۹)۔

محمد طور کے ویران ہونے کے دو اسباب بیان کئے جاتے ہیں: ایک یہ کہ دریائے سندھ یعنی مہران اپنا پرانا راستہ بدل کر سیوھن کی طرف بہنے لگا جس کی وجہ سے یہ شہر کہ جس کی زراعت اور آبادی مہران کے پانی پر موقوف تھی، پانی نہ ملنے کی وجہ سے ویران ہوگیا (تاریخ طاہری ص ۳۰، ۵۰)۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "سلطان علاؤالدین خلجی (سنہ ۶۹۵-۷۰۱ھ) کے لشکر نے سالار خان کی سرکردگی میں اس شہر کو ویران اور برباد کردیا" (تحفۃالکرام طبع بمبئی جلد ۳ ص ۴۸)۔ ہمارے خیال میں پہلا سبب ہی صحیح ہے کیونکہ چنیسر کا علاؤالدین کے دربار میں جانا اور اس سے لشکر لے کر دودا سے جنگ کرنا یا عمر سومرہ کو سزا دینے کے لئے علاؤالدین کا لشکر بھیجنا وغیرہ صرف افسانہ یا قصہ ہی ہوسکتا ہے۔ (ع - م)

ص [۲۱]۔ چونکہ سمہ قبائل کے لوگ کچھ سے آ کر الخ: سموں کا آغاز ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ دور مغلیہ میں سندھ کے متعلق جو تواریخ لکھی گئی ہیں ان میں سموں کے آغاز اور ان کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں متضاد اور دو رازکار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے نام کی مشابہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں سام بن نوح کی اولاد بتلایا ہے یا ان کے امرا کے لقب "جام" کی رعایت سے انہیں "جمشید" سے وابستہ کیا ہے اور بعض نے انہیں ابو جہل اور ابو لہب کی اولاد

قرار دیا ہے (۱)۔ میر معصوم نے ان کا اصل وطن "کچھ" بیان کیا ہے جہاں سے آکر وہ سندھ میں آباد ہوئے، یہاں کے لوگوں سے انھوں نے میل جول پیدا کیا اور آخر کار سومرہ قبائل کی حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی حکومت قائم کی۔ میر طاہر نسیانی کے بیان کے مطابق سمہ سندھ کے قدیم باشندے تھے جو کہ سومروں کے مظالم سے تنگ آکر "کچھ" چلے گئے تھے اور کچھ عرصہ بعد وہاں کے حکمران بن بیٹھے تھے۔ اس طرح ساحلی علاقوں پر بھی ان کا تسلط ہوگیا تھا چنانچہ ان کی اولاد آج بھی وہاں حکمران ہے خصوصاً "کچھ" خوردو کلاں دونوں کے راجے سمہ نسل سے ہیں۔ جب سندھ میں سومروں پر زوال آیا، ان کی آبادیاں ویران ہوئیں اور ان میں کوئی شخص حکومت کا اہل نہ رہا تو سمہ پھر سندھ لوٹ آئے اور آکر انھوں نے نئی بستیاں بسائیں اور اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی (۲)۔

لیکن دور جدید کے اہل الرائے اس بات پر متفق ہیں کہ سمہ نسلاً راجپوت ہیں اور راجپوتوں کی "یادو" شاخ سے تعلق رکھتے ہیں (۳) ہمعصر اور معتبر تواریخ میں سموں کے بارے میں سب سے پہلا حوالہ فتح نامہ عرف چچنامہ میں ملتا

---

(۱) تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۹

(۲) تاریخ طاہری قلمی اور ایلیٹ جلد ۱ ص ص ۲۲۶-۲۲۸

(۳) ایلیٹ جلد ۱ ص ۴۹۷؛ ہیگ ص ۷۹؛ گزیٹیر آف دی پرووِنس آف سندھ ازاٹیکن ص ۱۷۸

ھے۔ مثلاً فتحنامہ میں بیان کیا گیا ھے کہ وسطِ سندھ کی ایک بستی "ساوندی" کے گرد و نواح کے سمہ قبائل ڈھول بجاتے اور رقص کرتے ھوئے محمد بن قاسم کے استقبال کو آئے۔ محمد بن قاسم نے ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا اور ایک دیانتدار اور قابل شخص کو ان کی امارت پر مامور کیا (۱)۔ اس کے علاوہ بھی فتحنامہ میں تین چار مقامات پر "سمہ" کا نام آیا ھے اور بار بار "اھل سمہ" کے الفاظ سے یہ خیال ھونے لگتا ھے کہ جیسے یہ کسی علاقہ کا نام ھو۔ قیاس غالب ھے کہ یہ علاقے سموں سے آباد تھے۔ ان میں سے ایک مقام کا نام "ساوندی سمہ" (یعنی سمہ قوم کی بستی ساوندی) تھا (۲) جو کہ آج "ساوڑی" کے نام سے تحصیل مورو ضلع نواب شاہ میں موجود ھے۔ فتح نامہ کے اس بیان سے یہ ثابت ھے کہ ان دنوں بھی سمہ سندھ کی آبادی کا ایک اھم حصہ تھے۔ فتح نامہ میں اقوام سہتہ اور لاکھہ کا ذکر بھی موجود ھے (۳)۔ انساب سمہ کی مختلف روایات سے کہ جو سندھی رؤسائے سمہ کے یہاں اب تک رائج ھیں اور سمہ، سہتہ اور لاکھہ قبائل کے درمیان اس وقت بھی سماٹ برادری (یعنی برادری نژاد سمہ) کا جو مشترکہ احساس پایا جاتا ھے، اس سے ثابت ھو جاتا ھے کہ سہتہ اور لاکھہ قبائل دونوں سمہ قوم کی دو بڑی شاخیں ھیں۔ فتح نامہ کے حوالوں

---

(۱) فتحنامہ، ص ۲۲۰

(۲) فتحنامہ ص ص ۱۵، ۳۹، ۴۰، ۲۱۸

(۳) فتحنامہ ص ص ۱۵، ۴۰، ۲۲۱

سے ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں سمہ اور لاکھہ دونوں مستقل قبائلی حیثیت سے سندھ میں موجود تھے۔ غالباً آٹھویں صدی سے دو تین صدیاں پیشتر تقریباً پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں ان سمہ نژاد قبائل نے سیاسی، اور سماجی وجوہ کی بنا پر اپنی جدا گانہ حیثیت اختیار کرلی ، جیسے کہ بعد میں "جام جونہ" کی اولاد ایک علحدہ برادری کی شکل اختیار کر جانے کی وجہ سے "جونیجا" (جونہ + جا = جونہ کے) کہلانے لگی اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

غالباً سومرہ حکمرانوں کے دور (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) میں بعض سیاسی یا سماجی وجوہ کی بنا پر سمہ قبائل نے کچھ اور کاٹھیاواڑ کی طرف ھجرت کی (۱)۔ سندھ میں مروجہ انساب سمہ کی روایات کے مطابق ویرا بن ساند بن پلی بن راندھن بن کاکہ بن سمہ بن انڑ بن لاکھہ بن لاکھیار بن اوڈھ بن اوڈھار بن نوتیار بن نیٹ کو کچّھ کا ملک ورثہ میں ملا اور وہ وھاں جا کر آباد ھوا۔ اس کے بیٹے لاکھہ کی اولاد "جاڑیجہ" (جاڑے + جا = یعنی جڑواں بھائیوں کی اولاد) کہلا نے لگی۔ اس طرح کچّھ اور کاٹھیاواڑ میں "جاڑیجہ" سمہ قبائل آباد ھوگئے۔ کچّھ میں جاڑیجہ سموں کے عروج کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۳۰۰ع ھے کیونکہ سنہ ۱۳۲۰ع میں جاڑیجہ سموں نے "چاوڑہ" راجپوتوں سے کچھہ کی حکومت چھین لی

---

(۱) تاریخ طاھری قلمی اور Transections of Literary Sociaty of Bombay, Vol: II; 218, 232-33 .

اور ۱۳۲۰ع سے لے کر ۱۵۴۰ع تک جاڑیجہ سموں کے تین خاندانوں نے وہاں حکومت کی (۱)۔ اس وقت بھی کچھ اور نوانگر (جام نگر) کے راجہ جاڑیجہ سموں میں سے ھیں -

لیکن سمہ قوم کی اکثریت بدستور اپنے آبائی وطن سندھ میں آباد رھی۔ سموں نے محمد بن قاسم کا خیر مقدم کیا تھا اور غالباً سندھ میں سمہ قبائل ھی سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ھوئے۔ فتحنامہ کے راویوں میں سے ایک ساوندی سمہ کا والی امیر محمد بھی ھے (۲) جو کہ غالباً خود بھی سمہ تھا۔ سندھ میں سمہ قوم کی قدیم بستیاں وسط سندھ میں خط سیہون اور موجودہ ضلع نواب شاہ اور جنوبی سندھ میں موجودہ ضلع ٹھٹھہ اور حیدرآباد میں آباد تھیں۔ ٹھٹھ کے نزدیک سمہ سرداروں نے "سامی" [نامی] شہر آباد کیا تھا اور جنوبی سندھ کا ایک پرگنہ "سماواتی" اسی سمہ قوم ھی سے منسوب ھے۔ اسی زمانہ سے سمہ قبائل سندھ کے سرسبز علاقوں میں مستقلاً آباد ھوگئے۔ چنانچہ تحفتہ الکرام میں اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے قریب سموں کے بارے میں حسب ذیل اھم بیان ملتا ھے "پوشیدہ نہ رھے کہ سمہ کی اولاد سارے سندھ بلکہ گجرات تک اور راجپوتانہ کے بیشتر حصہ میں اب تک زمیندار ھے اور سندھ کی آبادی میں ان کی اکثریت ھے"۔ (۳)

---

(۱) امپیریل گزیٹر آف انڈیا ملاحظ ھو "Cutch"

(۲) فتح نامہ ص ۱۸

(۳) تحفتہ الکرام جلد ۱ ص ۳۱-

سندھ کی تواریخ (فتحنامہ، تاریخ معصومی، تاریخ طاھری اور تحفۃالکرام) اور طبقات اکبری و تاریخ فرشتہ میں سمہ قوم کے انساب اور سندھ میں ان کی بستیوں کے متعلق جو حوالہ جات اور اشارات ملتے ھیں ان سے اندازہ ھوتا ھے کہ دریائے سندھ کے مغربی پھاٹ (سیہون سےساموئی تک) اور اس کی متعدد شاخوں کی اراضی سمہ قبائل کے قبضہ میں تھی اور اس وقت کے حکمراں سومرہ قبائل کی بستیاں اور ان کی حکومتوں کے مراکز مثلاً عمر کوٹ، وگہ کوٹ اور تھری وغیرہ دریائے سندھ کے مشرقی پھاٹ اور اس کی شاخوں (ھاکرو۔ پُران) پر واقع تھے۔

تاریخ طاھری (۱) میں مرقوم ھے کہ "سومروں کے علاقوں کی بربادی دریائے سندھ کے پیٹے کی تبدیلی کے باعث عمل میں آئی"۔ یہ خیال کافی وزن دار ھے۔ معلوم ھوتا ھے کہ غالباً تیرھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں دریائے سندھ کے مجرا میں "اروڑ" (نزد روھڑی) کے قریب کچھ تبدیلی واقع ھوئی جس کی وجہ سے مشرقی شاخ "ھاکرو" (روھڑی سے عمر کوٹ) میں پانی کم ھوگیا اور مغربی شاخ (روھڑی سے ٹھٹھ) کی اھمیت بڑھ گئی۔ سندھ میں "بند اروڑ" کی مسلسل مقامی روایتیں اور سومروں کے مراکز حکومت کی تدریجاً مشرقی اراضی سے مغربی اراضی کی طرف منتقلی اس حقیقت کی تائید کرتی ھے۔

---

(۱) تاریخ طاھری قلمی اور ایلیٹ جلد ۱ ص ۲۷۱۔

سومروں کا غالباً چوتھا اور آخری دارالحکومت "محمد طور" دریائے سندھ کی مغربی شاخ کے خط میں قایم کیا گیا جہاں پہلے ھی سمہ قبائل آباد تھے اور سرسبز زمینیں سمہ زمینداروں کے قبضہ میں تھیں ۔ اس آخری دور کے سومرہ حکمران سمہ زمینداروں کی مالی اور اقتصادی اعانت کے رھین، منت رھے جن سے بالآخر سمہ سرداروں نے اقتدار اپنے ھاتھوں میں لے لیا ۔ (ن۔ب)

ص[۲۲] ۔ انھوں نے ارمیل کو قتل کردیا اور اَنڑ کو تخت پر بٹھایا : سندھ میں تین سو سال حکومت کرنے کے بعد چودھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں سومرہ خاندان کا زوال شروع ھوا ۔ وسط چودھویں صدی عیسوی سے قبل سموں نے حصول اقتدار کے لئے جدوجہد شروع کردی تھی ۔ جب سلطان محمد بن تغلق کا غلام طغی باغی ھوکر اور گجرات سے فرار ھوکر سندھ آیا تھا تو سومرہ اور سمہ دونوں قبائل نے اس کی اعانت کی تھی ۔ ضیاءالدین برنی کے بیان سے اندازہ ھوتا ھے کہ اس وقت سمہ اور سومرہ دونوں سلطنت دھلی کے خلاف تھے اور ٹھٹھ میں سموں کے اقتدار کی داغ بیل پڑچکی تھی ۔ چنانچہ وہ "جامان" ٹھٹھ کا ذکر کرتا ھے اور "جام" کا لقب صرف سموں سے مخصوص ھے ۔ لیکن سومروں کا اقتدار ابھی تک ختم نہیں ھوا تھا ۔

"منشات ماهرو" یا "ترسلات عین الملک ماهرو" (۱) کا مولف عین الملک ماھرو سلطان فیروز شاہ (۱۳۵۱ - ۱۳۸۸ع) کے اوائل دور میں ملتان اور اچ کا گورنر تھا۔ اس کے مکاتیب سے معلوم ھوتا ھے کہ سومروں کو جب اقتدار ھاتھوں سے جاتا ہوا نظر آیا تو انھوں نے امداد کے لئے سلطنت دھلی سے رجوع کیا جس نے سموں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لئے سومروں کی اعانت کی۔ [چنانچہ] عین الملک اور گجرات کے گورنر ملک الشرق دونوں نے سومروں کے آخری سردار ھمیر دودا سومرہ کے "خزاں زدہ شجر اقتدار کی آبیاری کی" (بہ الفاظ ماھرو) لیکن اس درخت کی جڑیں کھوکھلی ھوچکی تھیں۔ یہ بیان ایک معاصر اعلیٰ افسر یعنی ملتان کے گورنر کا ھے جس کو سندھ کے سیاسی حالات کا پورا علم تھا۔ اس بیان سے صاف ظاھر ھے کہ سومروں کا آخری حکمران "ھمیر [بن] دودا" تھا نہ کہ ارمیل جیسے کہ میر معصوم نے لکھا ھے۔ اس پر سندھ کے مورخین متفق ھیں کہ جام انڑ پہلا سمہ سردار تھا جس نے خود مختاری کے ساتھ حکومت کی۔ (ن۔ب)

ص [۲۲]۔ جام انڑ بن بانبھنیہ کا ذکر:- جام انڑ سے لے کر آخر تک، میر معصوم نے حکمران جامان سمہ کے جو نام یا ان کی تخت نشینی کا جو تاریخی سلسلہ بیان کیا ھے، اس میں

---

(۱) قلمی نسخہ پروفیسر عبدالرشید مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اقتباس از مضمون ڈاکٹر ریاض الاسلام "سموں کا سندھ میں عروج" مطبوعہ اسلامک کلچر، حیدرآباد دکن اکتوبر ۱۹۴۸ع۔

کافی بحث و نظر کی ضرورت ہے۔ ضیاء برنی، عفیف اور عین الملک ماھرو کے بعد سندھ کے 'جامان سمہ' کی تاریخ کے معاصرانہ شواھد کم ملتے ھیں البتہ عہد مغلیہ میں لکھی ھوئی کتب تواریخ میں سندھ کے جامان سمہ کے نام اور عہد حکومت کا ذکر آتا ھے۔ ان جملہ تواریخ میں جامان سمہ سے متعلق سب سے پہلا اور زیادہ مستند بیان طبقات اکبری (تصنیف ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۷۲ع) کا قرار دیا جا سکتا ھے۔ اس کا مصنف نظام الدین پہلے گجرات کے گورنر مرزا عسکری کا وزیر رھا اور بعد میں ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع) میں گجرات کا بخشی مقرر ھوا۔ پڑوسی صوبہ سندھ کے جامان سمہ اور سلاطین گجرات کے مابین اچھے سیاسی تعلقات کے علاوہ باھمی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ اس لئے جامان سمہ کے سلسلہ میں نظام الدین کو گجرات میں نسبتاً زیادہ مستند تاریخی حقایق ملے ھوں گے۔ چنانچہ انھی ماخذوں میں سے حسام خان کی تالیف "تاریخ بہادر شاھی" بھی ھے جو کہ اب نایاب ھے۔ مرأت سکندری سے معلوم ھوتا ھے کہ تاریخ بہادر شاھی ۹۳۹ھ کے بعد تالیف کی گئی یعنی کہ جامان سمہ کے عہد کے خاتمہ (۹۲۶ھ) کے کم از کم ۱۱ سال بعد لکھی گئی۔ عہد مغلیہ کا دوسرا اھم ماخذ "آئین اکبری" (تالیف ۱۰۰۷ھ) ھے اس میں بھی جامان سمہ کی فہرست پائی جاتی ھے۔ میر معصوم بکھری کی تاریخ سندھ میں جامان سمہ کے متعلق زیادہ تفصیلات ھیں بعد کے مورخین نے زیادہ تر

میر معصوم کی تقلید کی ہے۔ البتہ رسالہ "معارف الانوار" (۱) میں، (جس کا ماخذ کوئی سابقہ تصنیف ہے)، دی ہوئی جامان سمہ کی فہرست اہمیت سے معرّا نہیں۔ اس کے بعد میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کی تاریخ تحفۃالکرام میں جامان سمہ کے عہد کے کافی تفصیلات موجود ہیں لیکن اس قدر مستند نہیں۔

طبقات اکبری، آئین اکبری اور معارف الانوار میں جامان سمہ کے ناموں کی جو فہرستیں پائی جاتی ہیں ان کو یکجا کرنے سے سمہ حکمرانوں کی مندرجہ ذیل فہرست مرتب ہوتی ہے :-

۱- جام انڑ بن بانبھنیہ سوا تین سال۔ ۲- جام جونہ، جام انڑ کا بھائی، ۱۴ سال۔ ۳- جام بانبھنیہ بن جام انڑ ۱۵ سال۔ ۴- جام تماچی بن جام انڑ ۱۳ سال چند ماہ۔ ۵- جام صلاح الدین بن جام تماچی ۱۱ سال چند ماہ۔ ۶- جام نظام الدین بن جام صلاح الدین ۲ سال چند ماہ۔ ۷- جام علی شیر بن جام تماچی ۶ سال چند ماہ۔ ۸- جام کرن (بن جام تماچی ؟) ڈیڑھ دن۔ ۹- جام فتح خان بن سکندر ۱۵ سال چند ماہ۔ ۱۰- جام تغلق

---

(۱) "معارف الانوار فی بیان فضائل سید الابرار وائمہ اطہار و احوال قطب المختار" یہ رسالہ محمد صالح ولد ملا ذکریا ٹھٹھوی نے حضرت "قطب الاقطاب سید حسین الملقب بہ حضرت شاہ مراد قدس سرہ" (۸۳۱-۸۹۳ھ مدفن مکلی) کے مقامات و محامد میں ۱۱۴۰ھ میں تصنیف کیا۔ (قلمی نسخہ مولوی محمد حسین ٹھٹھوی).

بن سکندر ۲۶ سال۔ ۱۱۔ جام مبارک (جام تغلق کا گماشتہ اور عزیز) ۳ دن ۔ ۱۲۔ جام سکندر بن جام فتح خان ڈیڑھ سال ۔ ۱۳۔ جام سنجر عرف رائڈنہ تقریباً ۸ سال۔ ۱۴۔ جام نظام‌الدین عرف جام نندہ ۴۸ سال (از روئے تاریخ معصومی اور آثار قدیمہ)

۱۵۔ جام فیروز بن جام نظام‌الدین ۱۳ سال ۔

یہ ایک ایسی فہرست ہے جو نسبتاً زیادہ معتبر تاریخوں سے مرتب کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ کتب تواریخ ہمعصر ماخذوں کی حیثیت نہیں رکھتیں اس لئے جہاں تک سمہ حکمرانوں کی تخت نشینی کے تسلسل یا ان کے عہد حکمرانی کی صحت کا تعلق ہے یہ فہرست قابلِ اعتبار نہیں کہی جاسکتی۔ لہٰذا اس فہرست کو ہمعصر مآخذوں کی روشنی میں پرکھنا ضروری ہے۔ اس وقت تک جو قابل اعتبار شواہد ہمارے سامنے آئے ہیں ان کے نتائج یہ ہیں :۔

(الف) ہمعصر تواریخ مثلاً سیرت فیروز شاہی، منشات ماہرو، تاریخ برنی اور تاریخ سراج عفیف کی بنا پر پہلے تین جامان سمہ کے سلسلہ تخت نشینی اور عہد حکومت کے متعلق صحیح اندازہ قایم کیا جاسکتا ہے۔ جام جونہ (نمبر ۳) کے عہد کا ایک کتبہ "گنجو" (نزد ٹھٹھہ) کے متصل شیخ حاجی ابو تراب کے مقبرہ پر نصب ہے جس میں جام جونہ کو "علاؤالدین" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے اور کتبہ کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۳ صفر ۷۸۲ھ مطابق ۷ مئی ۱۳۸۰ع میں جام علاؤالدین جونہ حکمران تھا۔

(ب) اس فہرست کے آخری حکمران جام نظام الدین اور اس کے بیٹے جام فیروز کے متعلق تاریخ معصومی اور دیگر ماخذوں کا کم و بیش ایک ہی جیسا بیان ہے جس سے جام نظام الدین کا عہد حکومت ۲۵ ربیع الاول سنہ ۸۶۶ھ تا سنہ ۹۱۴ھ اور جام فیروز کا عہد سنہ ۹۱۴ھ تا سنہ ۹۲۷ھ ثابت ہوتا ہے۔ مکلی پہاڑی (نزد ٹھٹھہ) پر سموں کے قبرستان میں جو کتبے پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک کتبہ جام نظام الدین (جمادی الاول سنہ ۸۹۵ھ) کے وزیر دریا خان عرف مبارک خان کے مقبرہ کی دیوار پر نصب ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے: "سلطان نظام الدین شاہ بن صدرالدین شاہ بن صلاح الدین شاہ بن سلطان رکن الدین شاہ"۔ جام نظام الدین (وفات سنہ ۹۱۴ھ) کے مقبرہ کی مغربی اور شمالی دیوار پر دو کتبے پائے جاتے ہیں۔ مغربی دیوار کے کتبہ پر "المرحوم سلطان نظام الدین شاہ بن سلطان صدرالدین شاہ بن سلطان صلاح الدین شاہ" منقوش ہے اور شمالی دیوار کے کتبہ کی عبارت یہ ہے: "قد امر ببناء ھذہ القبۃ الرفیعۃ المنیعہ السلطان الاعظم الخاقان الاعدل الکرم ناصرالدنیا و الدین ابوالفتح السلطان فیروز شاہ علی مرقدابیہ البنیہ السطان نظام الدین بن السلطان صدرالدین بن السلطان صلاح الدین شاہ بن السلطان رکن الدین شاہ بن فیروزالدین شاہ خلد اللہ ملکہ"۔ ان کتبوں میں ہمیں جام نظام الدین کے پیشرو حکمرانوں کے القاب ملتے ہیں چنانچہ تاریخی حوالوں اور دیگر قرائن کی بنا پر کافی وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ابوالفتح ناصرالدین سلطان فیروز شاہ مرقومہ فہرست کا نمبر ۱۵

ہے ، سلطان نظام الدین نمبر ۱۴ ہے۔ سلطان صدرالدین نمبر ۱۳ ہے۔ سلطان صلاح الدین نمبر ۶ ہے، سلطان رکن الدین شاہ نمبر ۵ اور فیروز الدین شاہ نمبر ۱ ہے۔

(ج) قبرستان سمہ (مکلی، متصل ٹھٹھہ) میں ایک چبوترہ کے پہلو میں "در عہد جام تغلق سکندر شاہ" مرقوم ہے۔ جام تغلق ہماری فہرست کا نمبر ۱۰ ہے اور اس کے والد کے نام "سکندر شاہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً وہ بھی حکمران تھا۔

(د) مولانا علاؤالدین منگلوری نے اپنے رسالہ "الزبدہ" (قلمی نسخہ ، سندھ یونیورسٹی) کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ رسالہ انہوں نے "الملک المعظم محمد المعروف (بہ) انر بن فتح خان بن صدرالدین بن طغاچی بن جام" کی فرمائش پر لکھا ہے۔ جس کے موازنہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "الملک المعظم محمد معروف (بہ) انر بن فتح خان" جس کا نمبر ہماری فہرست میں ۱۲ ہے ، سکندر شاہ اسی کا لقب اور محمد عرف انڑ نام تھا۔ فتح خان فہرست کا نمبر ۹ ہے اور صدرالدین، فتح خان (نمبر ۹) کا والد سکندر شاہ اوّل ہے۔ "جام" ہمعصر ماخذ کی رو سے "جام جونہ" (نمبر ۳) ہے اور "طغاچی بن جام"، سراج عفیف کا "ابن جام" ہے۔ غالباً طغاچی کا لقب خیرالدین تھا اور اسی "جام خیرالدین طغاچی" کو تاریخ معصومی میں غلطی سے "ملک خیرالدین ولد جام تماچی" لکھا گیا ہے۔

الغرض مولانا علاؤالدین منگلوری کی معاصرانہ شہادت، مکلی کے

قبرستان کے کتبات اور بعد کی تواریخ کے حوالوں کی مدد سے مذکورہ بالا فہرست میں ترمیم کرکے، جامان سمہ کے تواریخی تسلسل، عہد حکومت اور اسماء و القاب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے جو کہ زیادہ قابل اعتبار ہے (۱) :-

۱- فیروزالدین شاہ جام انڑ بن بانبھنیہ (۷۰۱-۷۰۳ھ)

۲- صدرالدین جام بانبھنیہ بن فیروزالدین شاہ جام انڑ (مع علاؤالدین جام جونہ) ۷۰۳-۷٦۸ھ

۳- رکن الدین جام طماچی بن فیروزالدین شاہ جام انڑ (مع خیرالدین جام طغاچی بن علاؤالدین جام جونہ) ۷٦۸-۷۷۷ھ (؟)

۴- علاؤالدین جام جونہ بن بانبھنیہ (بار دوم) ۷۷۷ھ (؟)-۷۹۰-۹۱ھ

---

(۱) تفصیلی مباحث، دلائل اور شواهد کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا مقالہ :-

"Chronology of the Samma Rulers of Sind", published in the "Proceedings of the meetings of the Second Session of the Pakistan Historical Records and Archives Commission", Peshawar, Febrvary 1954, Government of Pakistan Press, Karachi, 1957, Pages: 23-29.

٥- سلطان رکن‌الدین شاه جام طماچی (نمبر ۳ بار دوم)
۷۹۱-۷۹۵ھ(؟)

٦- سلطان صلاح‌الدین شاه جام (انڑ؟) بن سلطان رکن‌الدین
شاه جام طماچی ۷۹۵-۸۰٦ھ(؟)

۷- نظام‌الدین جام ..... بن سلطان صلاح‌الدین شاه
جام (انڑ؟) ۸۰۷-۸۰۹ھ (؟)

۸- جام علی شیر بن سلطان رکن‌الدین شاه جام طماچی
(نمبر ۳) ۸۰۹-۸۱٥ھ (؟)

۹- جام کرن بن خیرالدین جام طغاچی بن علاؤالدین جام جونہ
۸۱٦ھ (؟)

۱۰- جام سکندر شاه صدرالدین بن خیرالدین جام طغاچی
بن علاؤالدین جام جونہ ۸۱٦ھ (؟)

۱۱- جام فتح خان بن صدرالدین سکندر شاه ۸۱٦ھ (؟)
تا بعد از ربیع‌الاول ۸۳۱ھ (؟)

۱۲- جام تغلق شاه (جونہ ؟) بن صدرالدین سکندر شاه
(نمبر۹) سنہ ۸۳۱ھ تا بعد از ربیع‌الاول سنہ ۸۵۷ھ (؟)

۱۳- جام مبارک (جام تغلق کا گماشتہ اور عزیز) سنہ ۸۵۷ھ (؟)

۱۴- سکندر شاه ثانی جام محمد عرف انڑ بن جام فتح خان
(نمبر ۱۰) ۸۵۷ تا ٦ جمادی‌الاول ۸۵۸ھ

۱٥- سلطان صدرالدین شاه جام سنجر عرف رائدنہ بن سلطان

صلاح الدین شاہ جام (انڑ ؟) (نمبر ۵) - ۶ جمادی الاول
سنہ ۸۵۸ھ تا ربیع الاول سنہ ۸۶۶ھ

۱۶- سلطان نظام الدین جام ننده بن سلطان صدرالدین شاہ
جام سنجر عرف رائدنہ - ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ تا ۹۱۴ھ

۱۷- ناصرالدین ابوالفتح سلطان فیروز شاہ بن سلطان نظام الدین
جام ننده ۹۱۴-۹۲۶ھ (محرم ۹۲۶ھ تا شوال ۹۲۸ھ
ماتحت شاہ بیگ ارغون)
(ن - ب)

ص [۲۲] - جام : یہ لقب سمہ حکمرانوں سے مخصوص رہا
ھے- چونکہ پانچویں تا ساتوین صدی عیسوی سندھ پر ایران کا
سیاسی تسلط رہا ھے (۱) اس لئے ھو سکتا ھے سمہ قبائل کے
سربرآوردہ رئیس نے ایرانی سیاست کے زیر اثر لقب "جام" اختیار
کیا ھو جو کہ بعد میں رؤسائے سمہ کا ایک مخصوص موروثی
لقب بن گیا- یہ بھی ممکن ھے کہ سمہ رؤسانے اپنے جدّ اعلیٰ
"جادم" کے نام کو بطور فخر اپنے ناموں کے ساتھ وابستہ کیا
ھو اور "جام" اسی کا مخفف ھو- لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ھے
کہ یہ لقب "نژاد" کے ھم معنی ھے- سندھی میں "جم" کے معنی
ولادت اور "نژاد" کے ھیں اور اسی لفظ سے یہ لقب "جام" مشتق ھوا

---

(۱) ملاحظہ ھو ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا مقالہ "اسلام سے پہلے سندھ
پر ایران کا سیاسی اثر" مطبوعہ جرنل سندھ ھسٹاریکل سوسائٹی
کراچی، ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۶ع .

جسے ایسے قومی سردار سے منسوب کیا جاتا ھے کہ جو نہ صرف مال و دولت اور طاقت میں بلکہ خاص طور پر حسب نسب کے لحاظ سے بھی ممتاز ھو۔ (ن۔ب)

ص [۲۲]۔ ملک رتن: جام کے ھاتھوں ملک رتن کے قتل کا واقعہ ابن بطوطہ کے الفاظ میں، جو کہ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد (سنہ ۷۳۴ھ) سیوھن پھونچا، اس طرح ھے (رحلتہ ابن بطوطہ ج ۱۔ص ۱۰۵-۱۰۸) کہ:

اس شہر میں امیر ونار سامرہ(۱) اور امیر قیصر رومی رھا کرتے تھے۔ یہ دونوں سلطان کے فرمانبردار تھے اور ان کے پاس تقریباً اٹھارہ سو سوار تھے۔ اسی شہر میں رتن نامی ایک کافر ھندو بھی رھتا تھا جو کہ حساب کتاب اور خط و کتابت میں ماھر تھا۔ وہ بعض امراء کے ساتھ ھندوستان کے بادشاہ (یعنی سلطان محمد شاہ تغلق) کی خدمت میں گیا۔ بادشاہ نے اسے پسند فرما کر "سردار سندھ" کا خطاب عطا کیا اور اسے اس ملک کی امارت عطا کرکے سیوھن اور اس کے پرگنے بطور جاگیر عنایت کئے۔ ساتھ ھی ساتھ اسے جملہ مراتب بھی یعنی نقارہ اور دیگر تمام امتیازات وغیرہ کہ جو امرا کو بخشے جاتے ھیں مرحمت کئے۔ پھر جب وہ اس ملک میں

---

(۱) ابن بطوطہ نے یہاں غلطی کی ھے۔ ونار یا انڑ سمہ خاندان کا تھا لیکن اس وقت اسے سامرہ یعنی سومروں کا سردار مقرر کیا گیا تھا۔ تاریخ سورٹھ تالیف رنچھوڑ جی کے ترجمہ (برجیس) میں بیان کیا

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۷ پر)

واپس آیا تو ونار، قیصر اور دوسروں کو اس کافر کا سردار مقرر کیا جانا سخت ناگوار ہوا چنانچہ انھوں نے اسے قتل کردینے کا فیصلہ کیا اور اس کے شہر میں واپس آنے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶ھ)

گیا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں (آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول میں) "جام اناڑ" نے "براڈھ" پر حملہ آور ہو کر براڈھ کے رانا کو "گھملی" میں محصور کردیا لیکن طویل عرصہ کی جنگ کے بعد اس کی تسخیر سے مایوس ہو کر کچھ کی طرف واپس چلا گیا۔ اس کا بیٹا "بامنی" (یا تاریخ کچھ کے مطابق منائی) باپ کی جنگ کے رسوا کن نتائج سے شرمندہ ہو کر اور ایک لشکر خود اپنی سرکردگی میں لے کر دوسری مرتبہ "گھملی" پر حملہ آور ہوا اور ایک سال کے محاصرہ کے بعد اسے فتح کر کے برباد کردیا (ص ۶۱)۔ یہی مولف ص ۲۴ پر بیان کرتا ہے کہ "سومروں کے خاتمہ کے بعد انیرائے سمہ سنہ ۱۲۸۳-۱۲۸۴ء (۶۸۲ھ) میں سندھ کا حکمراں ہوا (یعنی سندھ کے نشیبی علاقوں کو جو کہ کچھ سے ملحق تھے اپنے تصرف میں لایا)۔ اس کے بعد جاڑیجہ راجپوتوں کا خاندان، جو کہ "یادو" کی نسل سے ہے، کچھ میں داخل ہوا اور طاقت کے زور سے وہاں کے دارالحکومت "بھج" پر قابض ہوگیا۔ انھوں نے اس کے چاروں طرف قلعے تعمیر کئے ..... جام لاکھن نے سارے کچھ پر غلبہ حاصل کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انڑ یا اناڑ "انیرائے" کی بگڑی ہوئی صورت خطی ہے۔ اسی انڑ کو سومرہ حکومت کے سرکردہ افراد اور سموں نے اتفاق رائے سے اپنا امیر بنایا تھا۔ (ع-م)

چند دنوں بعد اسے شہر کے گرد و نواح کا دورہ کرکے حالات معلوم کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر وہ ان کے ساتھ شہر سے باہر نکلا۔ پھر جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو انھوں نے شور و واویلا مچایا کہ اس پر شیر نے حملہ کیا ہے، اس کے بعد وہ کافر کے خیمہ میں در آئے اور اسے قتل کرکے شہر واپس آگئے اور سلطان کے خزانہ پر جو کہ بارہ لاکھ .... تھا قابض ہوگئے۔ اس کے بعد مذکورہ ونار کو اپنا سردار بنا کر انھوں نے اس کا لقب ملک فیروزالدین رکھا اور خزانہ لشکر میں تقسیم کردیا گیا۔ لیکن اپنی قوم سے دور ہونے کی وجہ سے اسے (آنڑکو) خوف محسوس ہوا چنانچہ اپنے عزیزوں کو ساتھ لے کر وہ اپنی قوم کی طرف چلا گیا۔ باقیماندہ لشکر نے قیصر روسی کو اپنا سردار بنایا۔ یہ خبر سلطان کے غلام عمادالملک سر تیز کو ملی جو کہ ان دنوں سندھ کا امیرالامرا تھا اور ملتان میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک لشکر جمع کرکے خشکی اور دریائے سندھ کی راہ سے روانہ ہونے کے لئے مستعد ہوا۔ ملتان اور سیوھن کے درمیان دس دنوں کی مسافت تھی۔ قیصر اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ طرفین میں خوفناک جنگ ہوئی جس میں قیصر اور اس کے ساتھی بری طرح شکست کھا کر شہر میں قلعہ بند ہوگئے۔ اس نے (عمادالملک نے) اس کا محاصرہ کرلیا اور منجنیقیں نصب کردیں۔ آخر کار چالیس دن کے سخت محاصرہ کے بعد انھوں نے امان طلب کی جس پر اس نے (عمادالملک نے) انھیں امان دی۔ لیکن جب وہ

اس کے پاس حاضر ہوئے تو وعدہ خلافی کرتے ہوئے اس نے ان کا مال ضبط کر کے ان کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد روزانہ وہ ان میں سے کچھ آدمیوں کو منتخب کر کے قتل کرتا اور کچھ کی کھالیں کھنچوا کر اور ان میں بھوسہ بھروا کر قلعہ میں لٹکوادیتا ۔ قلعہ کے بیشتر حصہ میں یہ لاشیں [جگہ جگہ] ٹنگی ہوئی نظر آتی تھیں جنھیں دیکھ کر لوگ دھل جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ شہر کے وسط میں ان سب کے سر بھی اکٹھے کئے گئے تھے جو کہ ایک بڑے انبار کی شکل میں دکھائی دیتے تھے ۔ میں اس واقعہ کے بعد اس شہر میں جا کر ایک بڑے مدرسہ میں قیام پذیر ہوا تھا اور اس کی چھت پر سویا کرتا تھا لیکن رات کو جب بھی میری آنکھ کھلتی تو وہ لٹکی ہوئی [بھوسہ بھری انسانی] کھالیں دیکھ کر میرا دل بڑا پریشان ہوتا چنانچہ اسی وحشت و پریشانی کی وجہ سے مجھے اس مدرسہ میں مزید قیام کرنا پسند نہ آیا اور میں وہاں سے [دوسری جگہ] چلا گیا "۔ (ع ۰ م)

ص [۲۲]۔ ملک فیروز اور علی شاہ ترک : صفحہ [۴۷] پر یہ نام علی شیر درج کیا گیا ہے ۔ شاید اس سے " علی شہر جاندار" مراد ہو (تاریخ مبارک شاہی ص ۱ ۱) ۔ سلطان اودری کا بھائی ملک فیروز یا فیروز ملک ، باربک کا نائب تھا (تاریخ مبارک شاہی ص ۹۸) ۔ افسوس کہ کسی بھی تاریخ میں ان عمال کے نام اور ان کی سندھ پر تقرری کا حال نہیں ملتا ، لیکن عمادالدین سرتیز کے بارے میں تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۰۷) کا بیان

ھے کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۴ھ میں ، یعنی سیوھن کے واقعہ کے دس سال بعد ، ملتان کے پرگنے اس کے حوالہ کئے ۔ اس لئے ممکن ھے کہ یہی عمادالملک ۷۳۴ھ میں ملتان کا حاکم ھو ۔ اس بارے میں ھمیں ابن بطوطہ کی روایت پر اعتبار کرنا چاھئے ۔ (حالانکہ ص ۹۴ میں غلطی سے اس نے سرتیز کا لقب "قطب الملک" تحریر کیا ھے) ۔ تاریخ مبارک شاھی کے صفحہ ۹۸ پر بھی مذکور ھے کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے اپنی تخت نشینی کے سال یعنی سنہ ۷۲۵ھ میں ملک سرتیز کو عمادالملک کا خطاب عطا کیا تھا ۔ (ع ۔ م ۔)

ص [۲۳] ۔ بھرام پور: اس شہر کے کھنڈرات اس وقت ضلع حیدرآباد میں بلڑی اور جھوک کے درمیان شاھراہ کے متصل مشرق کی طرف واقع ھیں ۔ مخدوم محمد ھاشم ٹھٹوی کے زمانہ تک یہ تاریخی موضع آباد تھا ۔ چنانچہ مخدوم محمد ھاشم نے پہلے یہیں درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ ان کی مسجد کے کھنڈرات ایک چھوٹے سے ٹیلہ کی صورت میں ابھی تک موجود ھیں ۔ (ن ۔ ب ۔)

ص [۲۳] ۔ سلطان علاؤالدین : سلطان علاؤالدین خلجی سنہ ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ع میں فوت ھوا اور جام جونہ ۷۴۳ھ میں سندھ کا حکمران ھوا ۔ چنانچہ یہ کس طرح کہا جاسکتا ھے کہ سلطان علاؤالدین خلجی نے اپنے بھائی الغ خان کو ملتان کی طرف مقرر کیا جس نے ملک کافوری اور تاتار خان کو جام جونہ کے انخلاء کے لئے سندھ روانہ کیا! اس لئے اس کے

بعد جو بھی واقعہ بیان کیا گیا ھے وہ خلافِ حقیقت ھے۔ اس بارے میں تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام میں واقعات کے تسلسل کا اختلاف ظاھر ھے۔ فرشتہ اور طبقات اکبری کے مصنفین نے بھی جام جونہ کے حالات میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ھے۔ (ع۔م۔)

ص [۲۴]۔ سلطان علاؤالدین کا لشکر: اس سے پہلے ص [۲۳] اور پھر اس مقام پر میر معصوم نے سلطان علاؤالدین کے لشکر کا بیان کیا ھے جو تاریخی اعتبار سے غلط ھے۔ البتہ "سلطان علاؤالدین کا لشکر جنگ کرنے کے بعد جام تماچی بن انڑ کو بمعہ اھل و عیال گرفتار کرکے دھلی لے گیا" اس لحاظ سے قابل غور ھے کہ جام تماچی اپنے چچا جام جونہ کی وساطت سے گرفتار ھوکر دھلی گیا، اور جام جونہ نے "علاؤالدین" کا لقب اختیار کیا اور سندھ پر حکومت کی جیسا کہ درگاہ شیخ ابو تراب کے کتبہ کے ایک مصرعہ سے ثابت ھوتا ھے:

ستودہ جام جم سیرت علاؤالدین دریا دل
کہ از مہمانیِ لطفش جہاں شد جملہ آباداں

(ن۔ب۔)

ص [۲۴]۔ ملک خیرالدین ولد جام تماچی: جملہ تاریخی ماخذوں کے تقابل سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کا صحیح نام غالباً "خیرالدین جام تغاچی" تھا جس کو میر معصوم نے دو جدا نام تصور کرکے 'خیرالدین (ولد) تماچی'، لکھا ھے اور 'تغاچی'، کو وہ غلطی سے 'تماچی'، سمجھا ھے۔ (ن۔ب۔)

ص [۲۴] - سلطان فیروز شاہ تخت نشین ہوا ...... اور جام خیرالدین کا تعاقب کیا : تاریخی تسلسل میں میر معصوم کو مغالطہ ہوا ہے - "جام خیرالدین" کا زمانہ بعد کا ہے - سلطان فیروز شاہ کی سندھ پر لشکر کشی جام بانبھنیہ اور جام جونہ کے خلاف تھی - جام انڑ کے بعد سموں کی حکومت اس کے "بھائی" جام جونہ اور بانبھنیہ میں مشترک رہی- بانبھنیہ خاص طور پر سلطنت دھلی کے خلاف تھا اور مغلوں کے ساتھ ملکر سندھ اور گجرات کے سلطنت دھلی کے علاقوں پر دھاوے بولتا رھتا تھا - اس کی ان حرکات سے سندھ اور گجرات کے گورنر بہت پریشان رھا کرتے تھے - ایک بار جب سلطان فیروز شاہ نے لکھنوتی پر فوج کشی کی تو بانبھنیہ نے صوبۂ ملتان کے علاقوں پر بھی حملے کئے - (۱)

سلطنت دھلی کی مخالفت میں بانبھنیہ پیش پیش اور جام جونہ کسی حد تک نرم تھا - ملتان کے گورنر عین الملک ماھرو ملتانی نے جام (جونہ) کو تنبیہی خطوط لکھے جس پر جام نے سلطان دھلی کی بالا دستی تسلیم کرلی اور اظہار وفاداری کےطور پر پچاس گھوڑوں کی پیش کش وعدہ کیا لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ وعدہ وفا نہیں ھوا - چنانچہ جب سندھ اور گجرات میں عمال سلطنت سموں کی باغیانہ سرکشی کا سدباب نہ کرسکے تو فیروز شاہ خود ایک

---

(۱) منشات ماھرو ص ۱۸-۱۱۵ ، ۲۴-۲۱۶ ، مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ھو مضمون "سندھ میں سموں کا عروج" از ڈاکٹر ریاض الاسلام -

بڑی فوج لے کر سندھ روانہ ہوا۔ سیرت فیروز شاہی (شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی) میں اس مہم کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ٹھٹھہ کے قریب سلطان اور سموں کی افواج ایک دوسرے کے مد مقابل ہوئیں۔ لیکن رسد کی کمی اور گھوڑوں میں وبائی مرض پھیل جانے کی وجہ سے فیروز شاہ کو میدان چھوڑنا پڑا (۱)۔ عفیف نے سندھی افواج کی تعداد بیس ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے بیان کی ہے لیکن ان اعداد و شمار میں یقیناً مبالغہ ہے اور یہ محض فیروز شاہ کی فوجی ناکامی کی تاویل میں دیئے گئے ہیں۔ فیروز شاہ نے وہاں سے گجرات کا رخ کیا اور بڑے مصائب جھیلتا ہوا گجرات جا پہونچا اور پھر وہاں ایک نئی فوج ترتیب دے کر دوبارہ سندھ پر حملہ آور ہوا۔ فیروز شاہ ایک اچھا جرنل نہیں تھا چنانچہ اس مرتبہ پھر اس کی فوجی کوششیں ناکام رہیں۔ سندھیوں نے اس کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا جس پر فیروز شاہ نے دہلی سے مزید افواج طلب کرلیں

---

(۱) عفیف نے (ص ۲۳۱) لکھا ہے کہ ٹھٹھہ میں یہ مقولہ عام ہوگیا تھا کہ "بہ برکت شیخ تھبہ اک سوا اک تھا"۔ پروفیسر ہوڑی والا (ص ۳۴) نے اسے اس طرح نقل کیا ہے "بہ برکت شیخ پتھا اک موا اک بھگا"۔ راقم کی رائے میں یہ کہاوت یوں ہے، "بہ برکت شیخ پتھا (= پٹھا)۔ اک موا اک تتھا (= ٹٹھا = بھاگا) یعنی شیخ پٹھا کی برکت سے ایک غنیم (محمد بن تغلق) جس نے ٹھٹھہ پر حملہ کیا تھا مرگیا اور دوسرا (فیروز شاہ) بھاگ گیا۔ (ن۔ب)

اور ٹھٹھہ کے سامنے مستقلاً پڑاؤ ڈال دیا۔ اہل ٹھٹھہ کا کل مزروعہ علاقہ وہی تھا کہ جہاں دہلی کی فوجیں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ جب فصلیں پک گئیں تو دہلی کے لشکر میں غلہ بے حد سستا ہوگیا اور اس کے مقابلہ پر ٹھٹھہ میں قیمتیں بے تحاشہ چڑھ گئیں اور اہل ٹھٹھہ رسد کی کمی سے پریشان ہونے لگے اور یہاں تک کہ لوگ بھاگ بھاگ کر سلطانی چھاؤنی میں پناہ لینے لگے۔ ادھر سلطان کے استقلال سے جام اور بانبھنیہ کی قوتِ استقامت بھی جواب دینے لگی۔ چنانچہ آخر کار سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی وساطت سے وہ سلطان سے معذرت خواہ ہوئے۔ سلطان نے ان کی معذرت قبول کی اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ سندھ کی حکومت جام جونہ کے بیٹے اور بانبھنیہ کے بھائی تماچی کے سپرد کر کے سلطان، جونہ اور بانبھنیہ کو اپنے ساتھ لے کر عازم دہلی ہوا۔ راستہ میں بانبھنیہ کے بارے میں ایک مقام پر شبہ ہوا کہ یہ فرار ہونا چاہتا ہے لیکن یہ شبہ غلط ثابت ہوا۔ فیروز شاہ کی مہم ٹھٹھہ ۱۳۶۵ع کے وسط سے شروع ہوکر ۱۳۶۷ع کے وسط تک جاری رہی۔

دہلی پہونچ کر سلطان نے جونہ اور بانبھنیہ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ انھیں خلعت اور انعامات سے نوازا، دربار میں با عزت نشست عطا کی اور دو لاکھ تنکہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ کچھہ عرصہ بعد جب رائے تماچی نے اطاعت دہلی سے منہ موڑا تو سلطان فیروز شاہ نے جام جونہ کو ٹھٹھہ روانہ کیا۔

ساتھ ھی سلطان کی درخواست پر مخدوم جہانیاں جنھیں سندھ میں غیر معمولی مقبولیت اور اثر حاصل تھا دھلی سے ٹھٹھہ گئے اور وھاں سے رائے تماچی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ واقعہ غالباً ۱۳۷۰-۱۳۷۱ع کا ھے (۱)۔ ۳ صفر ۷۸۲ھ (۹ مئی ۱۳۸۰ع) تک جام جونہ کا سندھ پر حکومت کرنا ایک کتبہ سے ثابت ھے جو کہ موضع گجو تحصیل میرپور ساکرہ میں ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلہ پر برآمد ھوا ھے (۲)۔ فیروزشاہ کی وفات (۱۳۸۸ع) کے بعد اس کے پوتے غیاث‌الدین تغلق شاہ ثانی نے بانبھنیہ کو چتر سپید عطا کرکے سندھ روانہ کیا ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ھے کہ اس سے کچھ ھی پہلے جام جونہ کا انتقال ھو چکا تھا چنانچہ اس کی جگہ بانبھنیہ کو بھیجا جا رھا تھا۔ بانبھنیہ اثنائے راہ میں ھی فوت ھوگیا (۳)۔

ص [۲۵] - جام بانبھنیہ نےمیدان جنگ آراستہ کرکے الخ :
یہاں میر معصوم نے ایک بڑے مغالطہ میں آکر جام خیرالدین

---

(۱) ملفوظات مخدوم جہانیان قلمی- سراج‌الہدایہ قلمی- منقول از ڈاکٹر ریاض الاسلام مذکورہ مضمون "سندھ میں سموں کا عروج"۔

(۲) اورنٹیل کالج میگزین لاھور، فروری ۱۹۳۵ع ص ۴۱-۱۴۰

(۳) عفیف تاریخ فیروز شاھی، ص ۲۵۴، نظام‌الدین (طبقات اکبری) اور میر معصوم کا بیان ھے کہ فیروز شاہ نے بانبھنیہ کو سندھ واپس بھیج دیا جس نے وھاں جاکر پندرہ سال حکومت کی- قیاس غالب ھے کہ انھوں نے غلطی یا لاعلمی کی وجہ سے "جونہ" کی جگھہ بانبھنیہ کا نام لکھ دیا ھے۔

اور جام بانبھنیہ کے تاریخی واقعات کو خلط ملط کردیا ہے۔ ص [۵۱] پر فیروز شاہ کے بیان میں وہ کہتا ہے کہ: "سلطان نے نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد ٹھٹھہ کا رخ کیا۔ ٹھٹھہ پہونچنے پر وہاں کے والی جام خیرالدین نے قلعہ آب میں محصور ہو کر کچھ عرصہ تک لشکر کا دفاع کیا الخ: اس کے بعد جام بانبھنیہ کے ذکر میں بھی یہی سارے حالات بیان کرتا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں یہ جملہ واقعات جام مانی بن جام جونہ کے عہد حکومت کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان واقعات پر در حقیقت مورخوں میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی کا مؤلف شمس سراج عفیف (ص ۲۴۵-۲۴۶) اور صاحبِ تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۳۱) اس پیچیدگی کو قدرے دور کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں مورخ جام کا نام نہیں لیتے، البتہ یہ کہتے ہیں کہ: "جام اور بابینہ" (۱) امان طلب کرکے سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عنایات خاص سے سرفراز ہوئے۔" (ع - م)

ص [۷۰]۔ جام تغلق کا بیان: فرشتہ (ج ۲، ص ۶۱۷)

---

(۱) تاریخ مبارک شاہی کے مصحح (ص ۱۳۱) نے ان دونوں ناموں کو ملا کر "جام بانبھنیہ" لکھا ہے لیکن اس نام کے جو تلفظ حاشیہ میں دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو افراد تھے اور مصحح نے بھی اپنی تردید خود ہی کی ہے چنانچہ ایک مقام پر ان کے لئے صیغۂ جمع استعمال کیا ہے ("چون مدتی خدمت کردند سلطان باز جام را اقطاع تھتہ داد و با ترتیب تمام روان گردانید")۔ (ع-م)

جام تغلق کے ذکر میں بیان کرتا ھے کہ چونکہ سلطنت دھلی میں وہ پہلی سی رونق اور چہل پہل نہ رہی تھی اس لئے اس سے دل برداشتہ ھوکر اس نے گجرات کے بادشاھوں سے دوستی اور تعلقات کی راہ استوار کی۔ اس کے بعد سمہ قوم میں سے جو بھی تخت پر بیٹھتا وہ گجرات کے فرمانرواؤں سے دوستی اور یگانگت پیدا کرکے ان کے رشتوں کے ذریعہ اپنی حکومت کا استحکام کیا کرتا۔ تاریخ مرأت سکندری میں بیان کیا گیا ھے کہ جام جونہ نے اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی مرغی [= مُرکھی] (۱) کو احمد آباد کے مشہور عارف شاہ عالم کے اور دوسری بیٹی مُغلی کو سلطان محمد شاہ گجراتی (سنہ ۸۴۵-۸۵۵ھ) کے نکاح میں دیا تھا۔ مغلی بی بی سے فتح خان تولد ھوا جو کہ بعد میں محمود بیکر (بیگرہ) کے نام سے گجرات کا عظیم ترین بادشاہ ھوا۔ چونکہ جام جونہ کا دور اس سے تقریباً ایک صدی پہلے گذر چکا تھا۔ اس لئے ھمیں فرض کرنا چاھئے کہ یہ دونوں جام تغلق ھی کی بیٹیاں تھیں۔ (ع۔م)

ص [۷۱]۔ جام راڈنہ کا بیان: طبقات اکبری کے مؤلف

---

(۱) تحفۃالکرام (ج ۱، ۲۵-۲۶ اور ص ۳۶) میں بی بی مرغی کی بجائے "بی بی مرکھی" لکھا ھے جو کہ سندھی اصطلاح کے پیش نظر زیادہ صحیح ھے۔ (ن۔ب)

اور فرشتہ نے اس جام کا ذکر نہیں کیا۔ آئین اکبری میں بھی
اس کا نام نظر نہیں آتا البتہ اسے سنجر کا ہمنام تصور کیا گیا
ہے یعنی "سنجر عرف رادھن" لکھا گیا ہے۔ صاحب ماثر رحیمی
(ج ۲، ص ۲۲۱) جام رائڈنہ کا عربی نام "جام نظام الدین"
لکھتا ہے۔ اگر جام رائڈنہ کی بغاوت ۸۵۸ھ میں عمل میں
آئی اور جام نظام الدین عرف جام ننده کی تخت نشینی کی
تاریخ (دیکھئے ص ۷۳) ۸۶۶ھ بھی درست ہے تو ان دونوں
حکمرانوں کے درمیان کا عرصہ تقریباً ۸ سال کا ہے جو کہ جام
سنجر کی مدت حکومت ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی جام سنجر اور
رائے ڈنہ کو ایک ہی شخص سمجھنا چاہئے ورنہ بصورت دیگر
جام نظام الدین کی تخت نشینی کی تاریخ کو ۸ سال پیچھے
تصور کرنا ہوگا۔ (ع-م)

ص [۷۵] - جلوکیر یعنی جلو کھیر جو کہ درہ بولان میں
بی بی نانی کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ (ع۔م۔)

ص [۷۵] - جام نظام الدین کی زندگی بھر پھر سندھ میں
نہ آئے: میر معصوم کا یہ بیان حقیقت کے مطابق معلوم ہوتا ہے
لیکن طبقات اکبری کے مولف (ج ۳ - ص ۵۱۷) نے اس طرح
بیان کیا ہے:

اس کے [یعنی جام نظام الدین کے] زمانہ میں قندھار سے

شاہ بیگ نے آکر سنہ ۸۹۹ھ میں قلعہ سیوی (۱) کو جوکہ اس کے گماشتہ بہادر خان کے قبضہ میں تھا فتح کیا اور اپنے بھائی سلطان محمد کو وہاں چھوڑ کر خود قندھار واپس ہوگیا۔ جام نندہ نے مبارک خان (۲) کو سلطان محمد پر فوج کشی کے لئے بھیجا ۔ اس جنگ میں سلطان محمد قتل ہوگیا اور سیوی پر پھر جام کا قبضہ ہوگیا۔ یہ خبر سن کر شاہ بیگ نے مرزا عیسیٰ ترخان کو اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے بھیجا۔ مرزا عیسیٰ نے جام کے لشکر سے جنگ کرکے اس پر فتح پائی اس کے ساتھ ھی ساتھ شاہ بیگ نے آکر جام نندہ کے گماشتہ قاضی قادن (قاضی قاضن) سے بکھر کا قلعہ صلح کے ذریعہ حاصل کیا اور فاضل بیگ کوکلتاش کو وہاں مامور کیا ۔ بکھر کا قلعہ ان دنوں اتنا مضبوط نہیں تھا کہ جتنا آج کل ھے ۔ پھر سیوھن کے قلعہ پر بھی قابض ھوکر اور اسے باقی بیگ کے حوالہ کرکے وہ قندھار واپس چلاگیا - جام نندہ نے سیوی حاصل کرنے کے لئے بار بار فوجیں بھیجیں لیکن ناکام رھا (۳) ۔

---

(۱) مطابق ماثر رحیمی (ج ۲ ص ۱) ۸۹۰ھ۔ لیکن اس میں دونوں مورخوں نے غلطی کی ھے۔ تاریخ معصومی کے متن ص [۱۱۲] سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ واقعہ ۹۲۳ھ میں پیش آیا۔ (ع - م)

(۲) دریا خان جسے کہ مبارک خان کا لقب دیا گیا تھا۔ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۵۵- (ع - م)

(۳) فرشتہ (ج ۲ ص ۶۱۹) یہاں مزید بیان کرتا ھے کہ : چونکہ سندھ کا لشکر اس فوج کی خونخوار آنکھیں دیکھ چکا تھا کہ جو مرزا عیسیٰ کے ساتھ آئی تھی اس لئے وہ ان سے خائف ھوگیا تھا اور کسی بھی طرح ان سے مقابلہ اور جنگ کرنے پر آمادہ نہ ھوتا تھا۔ مثال

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۸۰ پر)

طبقات اکبری کے مصنف کا یہ بیان کہ شاہ بیگ نے قلعہ سیوی، جام نندہ کے گماشتہ کے قبضہ سے حاصل کیا تھا، درست معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ واقعات، کہ شاہ بیگ نے بکھر اور سیوھن کے قلعے بھی جام سے چھین لئے تھے، خلاف حقیقت معلوم ہوتے ہیں کیونکہ خود اسی بیان میں جام نندہ کے بار بار سیوی پر قبضہ کرنے کی کوششوں کا ذکر اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ مذکورہ دونوں قلعے اسی کے قبضہ میں تھے۔ سیوی بہت دور اور سندھ کی موجودہ حدود سے باہر ہے۔ اگر یہ دونوں قلعے دشمن کے قبضے میں ہوتے تو وہ انہیں نظر انداز کر کے سیوی کو فوجیں کیسے بھیج سکتا تھا؟ (ع - م)

ص [۴۷]- راهی هوا: تاریخ طاهری (ص ۷) بیگلار نامہ (ورق ۸ الف) اور تحفۃالکرام مطبوعہ بمبئی (ج ۳ ص ۵۳) کے مطابق جام نظام‌الدین (۱) نے ۹۱۴ھ میں رحلت کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۱)
کے طورپر، ایک مرتبہ دوران جنگ میں ایک ترکمان کے گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہوجانے کی وجہ سے اس کا زین کھسک گیا۔ ترکمان اُتر کر اسے درست کرنے لگا۔ اسی اثناء میں سندھ کے لشکر کا ایک دستہ ادھر آ نکلا جس کے چالیس سواروں نے اس پر یلغار کردی۔ لیکن جب فرار ہونے کے ارادہ سے اس ترکمان نے رکاب میں پاؤں ڈالا، خوفزدہ ہو کر وہ چالیس سندھی سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر جام نندہ، کہ جس نے ۶۲سال سلطنت کی تھی، صدمہ سے بیمار ہوگیا اور آخر کار انتقال کر گیا. (ع - م)

(۱) فارسی نسخہ میں "جام صلاح الدین" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ (ن - ب)

میر معصوم نے بھی (ص ۴۷) یہی ظاہر کیا ہے۔ لیکن طبقات اکبری، ماثر رحیمی اور فرشتہ نے اس کی حکومت کی مدت ۶۲ سال بیان کی ہے۔ تحفۃالکرام کا مولف (ج ۳ ص ۵۳) بیان کرتا ہے کہ:۔ "زیادہ صحیح یہ ہے کہ [اس کی مدت حکومت] ۵۰ سال سے کم اور چالیس سال سے زیادہ تھی"۔
(ع - م)

ص [۴۷]۔ سلطان مظفر گجراتی کے پاس پناہ گزین ہوا:
یہ واقعہ ۹۲۴ھ کا ہے جیسا کہ عبداللہ محمد بن عمر المکی نے اپنی کتاب "ظفرالوالہ بمظفر و آلہ" (ص ۱۳۷) میں اس کی تصریح کی ہے: سنہ ۹۲۴ھ میں جام فیروز کی چچازاد [بہن] مرحومہ و معصومہ بی بی رانی کی سلطان مظفر سے شادی ہونے کے بعد جام فیروز کا عزیز جام صلاح الدین چانپانیر پہونچا اور مظفر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عزت و اکرام اور شاندار عطیات سے سرفراز ہوا۔ اسی طرح بی بی رانی نے بھی اسے کثیر مال دیا اس کے لئے خیمہ کی بھی سفارش کی جو کہ مظفر شاہ نے اسے عطا کیا۔ پھر وہ اسی سال سندھ واپس آگیا۔
(ع - م)

ص [۴۷]۔ کاہان: میر علی شیر قانع نے تحفۃالکرام (جلد ۳، سندھی ایڈیشن، ص ۳۰۹) میں 'کاہان' کو علاقہ سیوستان (سیوہن) کے مشہور قصبات میں شمار کیا ہے۔ یہ 'کاہان' غالباً در اصل 'گاہان' (سندھی: ڳاھا) یعنی 'گاہا' ہے۔ یہ قصبہ سیوہن سے شمال مغرب کی جانب تقریباً بیس میل کے

فاصلہ پر واقع ہے۔ (ن۔ب)

ص [۷۶]۔ شاہ اسمٰعیل کی بغاوت : شاہ اسمٰعیل صفوی (۹۰۵-۹۳۰ھ) نے مذہب شیعہ کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ اہل سنت کو یہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا کرتا۔ جو شخص بھی مذہب شیعہ قبول کرنے سے انکار کرتا اسے خون آشام تلوار کا لقمہ بنا دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تبریز اور ہرات کے شہروں میں اہل سنت کے قتل عام کا حکم دیا تھا۔ ۹۱۶ھ میں جب فریدالدین احمد تفتازانی نے، جو کہ تیس سال سے ہرات میں شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز تھا، مذہب شیعہ قبول کرنے سے انکار کیا تو شاہ اسمٰعیل صفوی نے اسے اہل سنت کے علما کی ایک جماعت کے ساتھ قتل کروادیا۔ اسی وجہ سے اکثر علما اپنے مذہب کی حفاظت اور زندگی کی بقا کی خاطر ہرات سے ہجرت کرکے دوسرے ممالک کی طرف چلے گئے۔ (ع۔م)

ص [۷۷]۔ جام صلاح‌الدین شہر ٹھٹھہ میں تختِ سلطنت پر متمکن ہوا : یہ واقعہ سنہ ۹۲۶ھ کا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ محمد بن عمر مکی نے اپنی تاریخ میں واضح کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ص [۷۶]۔ (ع۔م)

ص [۷۷]۔ اس کی والدہ : تاریخ طاہری کے مطابق اس کی والدہ کا نام "مدینہ ماچھانی" تھا۔ (ع۔م)

ص [۷۹]۔ سمہ حکمرانوں کے حالات کے متعلق ...... الخ :

سومرہ خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد تقریباً پونے دو سو سال (۷۵۱-۹۲۸ھ) تک سندھ پر جن سمہ حکمرانوں نے حکومت کی ان کا شجرہ ، صفحہ (۴۸۴) پر دیا گیا ھے ، اسے صفحہ (۴۶۳) پردی ھوئی سمہ حکمرانوں کی فہرست کے ساتھ ملا کر مطالعہ کرنا چاھئے۔ (ن - ب)

ص [۸۰]- سلطان ابو سعید مرزا : سلطان ابو سعید بن سلطان محمد بن میران شاہ بن تیمور (۸۵۵-۸۷۲ھ) نے سنہ ۸۷۲ھ میں اوزون حسن آق قیونلی سے جنگ کرنے کے بعد شکست کھائی اور میانہ کے قریب اوزون حسن کے ھتھے چڑھ گیا جس نے تین دن بعد اسے مرزا یادگار محمد کے حوالہ کیا۔ مرزا نے اسے اپنے دادی گوھر شاد خاتون کے قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ملاحظہ ھو تاریخ ادبیات فارسی ، تالیف براؤن جلد۳، ص ۳۸۹- (ع - م)

ص [۸۰]- قرا باغ کے واقعہ کے بعد: ترخان نامہ کے مصنف کی ، جس نے سارے واقعات میر معصوم سے نقل کئے ھیں، عبارت یوں ھے "بعد از شہادت ابو سعید در واقعہ قرا باغ الخ" :- راقم کا خیال ھے کہ یہاں میر معصوم نے ابو سعید تیموری کی شہادت کے واقعہ کو سلطان ابو سعید ایلخانی (۷۱۶-۷۳۶ھ) کی قرا باغ میں موت سے ملادیا ھے۔ تذکرہ دولت شاہ (ص ۴۷۸) کے مطابق سلطان ابو سعید کو موقان کے صحرا میں شہید کیا گیا تھا۔ (ع - م)

ص [۸۰]- سلطان یادگار مرزا : یادگار محمد بن سلطان

[دیکھئے صفحہ ۴۸۵]

جام بانبھنیہ
(۱) سلطان فیروز الدین شاہ جام انڑ
(۲) علاءُ والدین
(پہلے صدرالدین جام بانبھنیہ کے ساتھہ پھر تنہا)
جام جونہ (۴)
(۲) صدرالدین جام بانبھنیہ
(۳) سلطان رکن الدین شاہ جام تماچی (۵)
(پہلے خیرالدین تغاچی کے ساتھہ پھر تنہا)
(۳) خیرالدین جام تغاچی
(۸) جام علی شیر
(۶) صلاح الدین جام (انڑ ؟)
(۹) جام کرن
(۱۰) جام سکندر شاہ صدرالدین
(۷) نظام الدین جام (ننده ؟)- (۱۵) صدرالدین جام سنجر عرف رائڈنہ
(۱۱) جام فتح خان
(۱۲) جام تغلق شاہ
(۱۴) سکندر شاہ ثانی جام محمد عرف انڑ
(۱۳) جام مبارک (جام تغلق کا عزیز اور گماشتہ)
(۱۶) نظام الدین جام ننده (ثانی؟)
(۱۷) ناصرالدین ابوالفتح سلطان فیروز شاہ جام فیروز

محمد بن بایسنقر، ابوالغازی سلطان حسین کے ھاتھوں دو مرتبہ شکست کھا کر سنہ ۸۷۵ھ میں قتل ھوگیا (دولت شاہ ص ۴۲۵-۴۳۰)۔ (ع-م)

ص [۸۰]- سلطان احمد مرزا: (۸۷۲-۸۹۹ھ) سلطان ابو سعید مرزا کا بڑا بیٹا تھا۔ (ع-م)

ص [۸۰]- سلطان حسین مرزا: یعنی ابوالغازی سلطان حسین بن منصور بن بیقرا۔ وہ ھرات کا حاکم (۸۳۲-۹۱۱ھ) تھا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ھو تاریخ ادبیات ایران تالیف پروفیسر براؤن۔ (ع-م)

ص [۸۰]- تکدری: صحیح نکدری ھے جیسا کہ بابر نامہ وغیرہ میں دیا گیا ھے۔ (ع-م)

ص [۹۸]- شیرم زکہ: ارسکن "تاریخ ھند" (جلد اول ص ۲۱۵) میں اور بیورج "بابر نامہ" (جلد اول ص ۱۹۵ حاشیہ ۳) میں اس شخص کا نام "شیرم زکر" لکھتا ھے۔ (ع-م)

ص [۹۹]- کزک: شاید اس کا صحیح تلفظ "کیرکی" ھے جیسا کہ بابر نامہ (ج ۱ ص ۱۹۱) میں آیا ھے۔ یہ دریائے جیحون کا ایک گھاٹ تھا۔ (ع-م)

ص [۱۰۴]- سنہ ۹۱۰ھ: آگے چل کر ص [۱۰۷] پر ۹۱۷ھ لکھا ھے معلوم نہیں کہ کون سا سال ٹھیک ھے۔ (ع-م)

ص [۱۰۹]- جب ظہیرالسلطنت و الخلافت (بابر) قندھار کے نواح میں پہونچے: قندھار کی جانب شہنشاہ بابر کی یہ نقل و حرکت سنہ ۹۲۳ھ میں ھوئی تھی۔ ملاحظہ ھو بابر نامہ

ص ۳۶۵-۳۳۱ - (ع - م)

ص [۱۱۰]- سنہ ۹۲۱ ھ میں آکر کاھان اور باغبانان پر حملہ کیا :
میر معصوم نے اس واقعہ کو چار سال پیشتر بیان کیا ھے - بابر ۲۸ ربیع الاول سنہ ۹۲۵ ھ (مطابق ۲ مارچ سنہ ۱۵۱۹ ع) کے ذکر میں بیان کرتا ھے کہ "جب ھم قراتو میں پہونچے تو وھاں قزل نامی شاہ بیگ ارغون کے قاصد نے آکر یہ خبر دی کہ شاہ بیگ کاھان کو تاخت و تاراج کرکے واپس چلا گیا ھے - (بابر نامہ کا انگریزی ترجمہ تالیف بیورج ص ۳۹۰) - (ع - م)

'باغبانان' اس وقت 'باغبان' کے نام سے معروف ھے اور ضلع دادو میں شہر دادو سے تقریباً ۵ میل کے فاصلہ پر شمال و مغرب کی جانب واقع ھے - یہاں سندھ کے مشہور بزرگ، عالم اور ولی اللہ مخدوم بلاول علیہ الرحمۃ کا مزار ھے - (ن - ب)

ص [۱۱۱]- دوسرے سال الخ : یعنی سنہ ۹۲۲ ھ میں جیسا کہ تاریخ معصومی کے ما قبل کے مطالعہ سے معلوم ھوتا ھے - لیکن اس واقعہ کو بھی تین چار سال پہلے یعنی محاصرہ سے دو تین ماہ پہلے فرض کرنا چاھئے - (ع - م)

ص [۱۱۱]- سنہ ۹۲۱ ھ الخ : یہ محاصرہ سنہ ۹۲۶ ھ کی ابتدا میں ھوا تھا (دیکھئے بیورج کا حاشیہ، ترجمہ بابر نامہ ص ۴۳۱ ۴۳۲) - (ع - م)

ص [۱۱۱]- ماہ تیر کی ابتدا میں : یعنی ماہ جون ۱۵۲۰ ع مطابق رجب ۹۲۶ ھ میں - (ع - م)

ص [۱۱۱]- اسی سال مرزا شاہ حسن الخ : یعنی بقول میر معصوم ۹۲۱ھ میں- لیکن اس سال کے تعین میں بھی اس نے غلطی کی ہے- واقعہ یہ ہے کہ باپ سے ناراض ہو کر شاہ حسن ۹۲۴ھ میں بابر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا- جیسا کہ ارسکن (تاریخ ہند ج ۱ ص ۳۴۵) اور بیورج (بابر نامہ ص ۳۶۵-۴۳۰) نے واضح طور پر لکھا ہے- وہ تقریباً دو سال بابر بادشاہ کی خدمت میں رہا اور ۹۲۶ھ کے آخر میں قندھار کے آخری محاصرہ سے کچھ عرصہ پہلے اس سے رخصت ہو کر اپنے باپ سے آ ملا تھا۔ (ع۔م)

ص [۱۱۱]- ۹۲۲ھ الخ : صحیح ۹۲۶ھ ہے جیسا کہ ارسکن (تاریخ ہند ج ۱ ص ۳۵۵) اور بیورج (بابر نامہ ۴۳۲-۴۳۳) نے واضح کیا ہے۔ (ع۔م)

ص [۱۱۲]- ۹۲۳ھ الخ : چونکہ بابر نے قندھار پر ۱۳ ماہ شوال ۹۲۸ھ (یعنی یکم ستمبر ۱۵۲۲ع) میں قبضہ حاصل کیا تھا جیسا کہ بیورج بابرنامہ کے ترجمہ (Appendix J xxxii-xxxv) نے ثابت کیا ہے اس لئے شاہ بیگ ارغون نے بھی قندھار کی کنجیاں اسی سال بابر کے حوالہ کی ہوں گی۔ (ع۔م)

ص [۱۱۲]- میر غیاث الدین : تاریخ "حبیب السیر" کے مولف خواند میر کا نواسہ۔ (ع۔م)

ص [۱۱۲]- جام نندہ کا منہ بولا بیٹا دریا خان : میر معصوم کے اصل الفاظ یہ ہیں "دریا خان پسر خواندہ جام نندم" تحفۃ الکرام (ج ۳، ص ص ۴۵-۵۴) کے مطابق دریا خان کا اصل نام

"قبولیہ" تھا اور وہ جام نظام الدین کے وزیر لکھدیر کا غلام تھا۔ ایک دن جام نظام الدین اس کی ذہانت سے متاثر ہوا اور اس لڑکے کو وزیر کی تحویل سے لے کر اور 'دریا خان' کا خطاب دے کر اپنی خدمت کے لئے مخصوص کر لیا۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں دریا خان ترقی کر کے مدار المہام اور امیر الامراء بنا اور 'مبارک خان' کے لقب سے سرفراز ہوا ... جام نظام الدین اس کو بیٹا کہا کرتا تھا۔ ا۔ ھ۔ جس طرح جام نظام الدین اس کو اپنا بیٹا تصور کرتا تھا، اسی طرح دریا خان سے بھی آداب فرزندی بجا لانے میں کبھی غفلت نہیں ہوئی۔ چنانچہ دریا خان کی شہرت سارے سندھ میں پھیل گئی اور زمانہ گذرنے کے بعد وہ ایک ھیرو بن گیا۔ سندھ کی ایک مشہور لوک کہانی میں وہ "دولہا دریا خان" کے نام سے مشہور ہے۔ بہرحال اُس کی شہرت اس کے نسب پر چھا گئی اور بعد میں کچھ لوگ تو اُس کو ایک عالی نسب سید لڑکا سمجھنے لگے۔ (تحفۃ الکرام، ۲ × ۵۴) اور بعضوں نے اس کو ایک نو مسلم ذہین لڑکا قرار دیا۔ خود دریا خان نے ہمیشہ اپنے آپ کو 'جام نظام الدین کا بیٹا' لکھا۔ چنانچہ مکلی پہاڑی پر قبرستان کے حدود میں ایک وسیع چار دیواری (جس کی بناء دریا خان نے جام نظام الدین کے عہد (جمادی الاول ۸۹۰ھ) میں رکھی اور جس کے اندر وہ بعد میں دفن ہوا) کے مشرقی دروازے پر دریا خان نے خود کو "الخان الاعظم میاں مبارک خان بن سلطان نظام الدین شاہ" لکھوایا۔ (ن۔ب)

ص [۱۱۲]- مغلوں اور سندھیوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں ابو محمد مرزا شہید ہو گیا: ابو محمد مرزا شاہ بیگ کا بھائی تھا جو اس جنگ میں مارا گیا۔ غالباً یہ لڑائی کسی حد تک فیصلہ کن ثابت ہوئی اور جام نظام الدین کے عہد میں شاہ بیگ باوجود اپنی فوجی طاقت کے سندھ کی طرف نہ بڑھ سکا۔ مبارک خان عرف دریا خان اور سارنگ خان دونوں جام نظام الدین کے سر بر آوردہ سپہ سالار تھے۔ لیکن مغلوں (ارغونوں) کے لشکر پر فتح و ظفر کا سہرا غالباً دریا خان ہی کے سر بندھا۔ چنانچہ مکلی پہاڑی پر جس چار دیواری میں دریا خان مدفون ہے اس کے جنوبی دروازے پر جو کتبہ پایا جاتا ہے اس میں "الخان الاعظم" مبارک خان (دریا خان) کو "المظفر علی المغلان الھروی والقندھار" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

ص [۱۱۲]- اور اسے ٹھٹھہ فتح کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی: تاریخ طاہری (ص ۷۲) میں شاہ بیگ کے حملہ کے اسباب کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جام فیروز نے خود دریا خان کی خود سری سے عاجز آ کر اپنی والدہ "مدینہ ماچھانی" کو فریادی کی حیثیت سے شاہ بیگ کے پاس قندھار بھیجا تھا کہ وہ آ کر اسے غلاموں کے عار سے نجات دلائے۔ تحفۃ الکرام میں بھی یہی سبب بیان کیا گیا ہے۔ (ع-م)

ص [۱۱۳]- اور شاہ بیگ ۹۲۴ھ کے آخر میں الخ: صحیح ۹۲۶ھ ہے۔ (ع-م)

ص [۱۱۳]- اور ٹھٹھہ سے تین کوس جنوب کی طرف خانواہ کے کنارے پر (۱) منزل انداز ہوا: تاریخ طاہری (ص ۲۷-۳۷) میں ہے کہ شاہ بیگ باغبان کو لوٹنے کے بعد دریا کے کنارے سے کہ جو قندھار کی طرف ہے آکر ٹھٹھہ کے سامنے خانواہ پر یعنی اس نہر کے کنارے کہ جو دریا خان پرگنہ ساکورہ اور دوسری اراضیات کی آبپاشی کے لئے دامن کوہ اور شہر کے قرب و جوار میں کھدائی تھی، منزل انداز ہوا۔ پھر طویل مسافت کی تھکن کی وجہ سے ایک رات اس مقام پر آرام کر کے صبح کے وقت جنگ کے لئے مستعد ہوا۔ دریا خان نے جام فیروز سے کہا کہ "یہ مصیبت [تونے] مجھ پر نازل نہیں کی ہے بلکہ [خود] اپنے ہی پیروں پر کلھاڑی ماری ہے"۔ جام فیروز اس کی اس نصیحت کو نظر انداز کر کے اطمینان کے ساتھ گھر جا کر بیٹھ رہا اور دریا خان اپنے آدمیوں سمیت مستعد ہو کر دن کے تیسرے پہر تک مغلوں کا مقابلہ کرتا رہا جس کے بعد وہ حلق پر ایک کاری تیر کھا کر شہید ہوگیا۔ جاموں میں سے

---

(۱) بیگلار نامہ (ص ۱۵) میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ "نواب شاہ بیگ ارغون نے دارالحکومت قندھار سے کثیر لشکر اور نامور پہلوان ساتھ لے کر اور سندھ کا ارادہ کر کے شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ پہاڑ کی راہ سے ٹھٹھہ کے سامنے پہونچ کر آبِ مہران کو عبور کیا اور پھر ساموئی کے مقام پر جام نظام کے ایک امیر دریا خان سے جنگ کی جو کہ مردانگی، دانائی اور سرداری میں مشہور تھا۔ آخر کار اس جنگ میں دریا خان مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہوگیا. (ع - م)

کسی نے بھی مغل لشکر کا مقابلہ نہ کیا۔

تاریخ طاہری کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خانواہ شہر ٹھٹھہ کے شمال میں تھی نہ کہ جنوب میں جیسا کہ میر معصوم نے بیان کیا ہے۔ میر معصوم کا یہ بیان بھی کہ "ان دنوں دریا ٹھٹھہ کے شمال کی طرف سے بہا کرتا تھا" حقیقت کے خلاف نظر آتا ہے (۱)۔ ہمیں چاہئے کہ یہاں شمال کی جگہ جنوب فرض کریں۔ کیونکہ ایک ضعیف خرکارہ موسم سرما میں بھی جبکہ پانی اتر جاتا ہے دریائے سندھ پار نہیں کرسکتا۔ تاریخ طاہری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ بیگ نے خانواہ کو عبور کیا تھا، دریائے سندھ کو نہیں۔ (ع - م)

ص [۱۱۴]۔ قصہ مختصر ۱۱ محرم ۹۲۶ھ میں الخ: صحیح ۹۲۷ھ ہے جیسا کہ بیگلار نامہ (ص ۱۶) اور تحفۃ الکرام (ج ۳ ص ۴۵) میں مرقوم ہے۔ (ع - م)

ص [۱۱۴]۔ دریا خان ... دوسرے سہ سپاہیوں کے ساتھ قتل ہوگیا: 'ظفرالوالہ' کے مصنف نے لکھا ہے کہ دریا خان کو دھوکہ سے قتل کیا گیا۔ غالباً صلح کا پیغام بھیج کر دریا خان اور اس کے چند سپاہیوں کو گھیرے میں ڈال کر قتل کردیا گیا۔ ظفرالوالہ (ص ۱۳۸) کے الفاظ یہ ہیں: "احتالوا علی وزیر دریا خان ... و قتلوہ غدراً" یعنی کہ مغلوں نے وزیر دریا خان

---

(۱) مآثر رحیمی (ج ۲ ص ۲۹۰) میں واضح ہے کہ ان دنوں دریا عموماً ٹھٹھہ کے جنوب میں بہا کرتا تھا حالانکہ باقی حال اس نے معصومی کی طرح بیان کیا ہے۔ (ع - م)

سے ایک چال چلی اور اس کو دھوکہ سے قتل کردیا۔ اسے لئے مقامی طور پر دریا خان کو 'شہید' مانا گیا ۔ مکلی پہاڑی پر سمہ قبرستان میں اس کی قبر پر 'شہید' لکھا ھوا ھے۔ (ن ۔ ب)

ص [۱۱۴]۔ شہر ٹھٹھہ کو لوٹتے کھسوٹتے الخ : اس واقعہ کی تاریخ خرابی سندھ (= ۹۲۷ھ) کہی گئی ھے۔ تحفۃ الکرام (ج ۳ ص ۵۴) اور تاریخ طاھری میں یہ واقعہ مرزا شاہ حسن کے دنوں کا بیان کیا گیا ھے لیکن یہ غلط ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۱۱۸]۔ قصہ مختصر ۱۴ محرم الحرام ۹۲۷ھ الخ : اگر ٹھٹھہ کی بربادی ۹۲۷ھ میں واقع ھوئی تھی تو یہ واقعہ اس کے ایک سال بعد یعنی ۹۲۸ھ میں متصور ھونا چاھئے۔ "ظفرالوالہ بمظفر و آلہ" (ص ۱۳۸) کے مصنف نے غلطی سے یہ وقوعہ ۹۲۶ھ کا بیان کیا ھے۔ (ع ۔ م)

ص [۱۱۹]۔ ھیبت خان : بیگلار نامہ (ص ۲۵) کے مطابق اس شخص کا نام فتح خان تھا۔ (ع ۔ م)

ص [۱۱۹]۔ دونوں لشکروں کے مابین عظیم جنگ ھوئی : بیگلار نامہ کے مطابق (ص ۴۲) یہ جنگ جالار میں ھوئی تھی۔ (ع ۔ م)

ص [۱۲۰]۔ بالآخر قتل ھوگیا : بیگلار نامہ (ص ۵۲۴) میں ھے کہ : "جام صلاح الدین ، حمید ساربان اور اس کا بیٹا میر فتح خان (وغیرہ) میر خوش محمد بیگ کے ھاتھوں قتل ھوئے۔ جب باپ بیٹے دونوں کے سر جام فیروز کے بیٹے سمیت

کہ جسے جام صلاح الدین اپنے ساتھ لے گیا تھا، نواب مرزا شاہ حسن کے سامنے لائے گئے تو مہتر سنبل نے عرض کیا کہ وقت کا تقاضا یہ ھے کہ جام فیروز کا بھی سر قلم کر کے ان سروں میں شامل کیا جائے تاکہ علاقہ سندھ مدعیوں کی شورش سے بالکل پاک ہوجائے۔ امیران عظام نے بھی اِس مشورہ کو صحیح سمجھ کر اپنی منظوری دے دی۔ لیکن نواب مرزا شاہ حسن نے جواب میں فرمایا کہ ہر چند کہ تمھارا کہنا حالات کے مطابق [درست] ھے مگر والد بزرگوار نے عہد و اقرار کر کے اسے اپنا بیٹا قرار دیا تھا اس لئے اسے اذیت پھونچانا مناسب نہیں ھے۔ جب یہ خبر جام فیروز کو ملی تو اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جب امرا نے یہ طے کیا ھے تو ان کا ارادہ [ایک نہ ایک دن ضرور] پورا ھوگا (ص ۲٦) چنانچہ وہ اس خوفناک اندیشے کی وجہ سے گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ [پھر کچھ عرصہ بعد وھاں سے] جاڑیجہ [قبائل کے] لوگوں کو جمع کر کے سندھ [واپس] آیا اور آمر ولد آمر کی ترغیب و تحریص نیز اپنے معاون لشکر کی کثرت کے بھروسہ پر اس نے جنگ کرنے اور علاقہ سندھ کو دوبارہ اپنے اقتدار میں لانے کا محکم ارادہ کیا۔ [اس وقت تقریباً] پچاس ھزار کا لشکر اس کے ساتھ تھا"۔

باقی حالات میر معصوم نے صفحہ [۱۴۳] پر بیان کئے ھیں۔ بیگلار نامہ کے بیان سے ظاھر ھوتا ھے کہ جام فیروز، شاہ بیگ کی حیات میں فرار ھوا تھا۔ اسی بیان کے ضمن میں "ظفرالوالہ بمظفر و آلہ" کا مولف کہتا ھے (ص ۱۳۸) کہ سنہ ۹۲٦ھ

(یعنی ۹۲۶ھ) میں جام صلاح الدین نے سلطان مظفر کی مدد سے سندھ پر قبضہ کیا اور جام فیروز مغلوں کے پاس گیا اور آن سے کمک لے کر سندھ آیا۔ پھر اس کے اور جام صلاح الدین کے مابین سخت جنگ ہوئی جس میں جام صلاح الدین قتل ہو گیا۔ ملک پر فیروز کا غلبہ ہو گیا اور وہ بادشاہت کے عشق میں اپنی خواہش کا تابع ہوا۔ اس کے نفس نے بنا سنوار کر ایک بات اس کے سامنے پیش کی اور اس کی طلب پوری ہوئی۔ لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے (شعر):

المستجیر بعمرو عند کربته * کالمستجیر من الرمضاء بالنار

[مصیبت کے وقت عمرو (؟) سے پناہ لینا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی گرمی سے آگ میں پناہ لے]۔ چنانچہ سندھ میں داخل ہونے کے بعد مغل حکمرانی کی طمع کرنے لگے اور اس کے وزیر دریا خان کے خلاف، کہ جس پر اس کے وجود کا مدار تھا، منصوبے بنانے لگے آخر کار موقع پا کر انھوں نے دھوکہ سے اسے بیدریغ قتل کر ڈالا۔ [اس کے بعد] جام فیروز کے دل میں ان کی جانب سے خدشہ پیدا ہو گیا اور وہ سندھ سے گجرات چلا گیا جہاں سلطان مظفر کے تعاون سے اس نے اقتدار حاصل کیا اور اس کے مشہور [ماتحت] فرمانرواؤں میں شمار ہوا۔ یہ واقعہ ۹۲۹ھ میں پیش آیا۔ مظفر شاہ کی وفات کے بعد اپنے ملک میں واپس آ کر اس نے اس کا ایک حصہ فتح کرلیا۔ جس پر مغل اس سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور وہ گجرات واپس چلا گیا جہاں سلطان بہادر بن مظفر اس پر مہربان ہوا۔ یہ

واقعہ ۹۳۰ھ (یعنی ۹۳۵ھ) میں پیش آیا۔ (ع۔م)

ص [۱۲۱]۔ بریالو: اس شہر کو عرف عام میں 'بھرالو' کہتے ہیں اور غالباً اصل میں اس موضع کا نام 'بھریالو' (بھریا = قوم کا نام + لوۂ = موضع) تھا۔ پیر صاحبان پاگارہ میں سے ایک بزرگ نے اس موضع کو "پریالو" (پریان = محبوب + لوۂ = موضع) کے نام سے یاد فرمایا کیونکہ یہاں پر مشہور عالم اور ولی اللہ مخدوم محمد اسمٰعیل مدفون ہیں جوکہ پیر صاحب پاگارہ کے بزرگوں کے جدامجد سید محمد بقا (رحہ) کے پیر طریقت تھے۔ (ن۔ب)

ص [۱۲۵]۔ موسم سرما کی ابتدا میں: سنہ ۹۲۸ھ کا موسم سرما، ماہ ذوالحج یا اکتوبر ۱۰۲۳ع میں شروع ہوا۔ ایسی صورت میں شاہ بیگ کی وفات ماہ شعبان سنہ ۹۲۸ھ میں قرار دینا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ ہمیں پاینده محمد ترخان کا تقرر ۹۲۹ھ کے آخر (اکتوبر ۱۰۲۳ع) یا ۹۳۰ھ کے اوائل (نومبر ۱۰۲۳ع) میں فرض کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو شاہ بیگ کی وفات پر ص [۱۲۷] کا حاشیہ۔ (ع۔م)

ص [۱۲۶] ۔ اگھم: آج کل اس موضع کو "اگھامانو" کہتے ہیں۔ یہاں پر قدیم شہر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اگھامانو حیدرآباد سے تیس میل جنوب مشرق کی سمت ہے۔

ص [۱۲۶] ۔ خبر ملی کہ ظہیرالسلطنۃ والخلافۃ الخ: بابر نے سنہ ۹۲۵ھ (۲۱ صفر = ۲۲ فروری سنہ ۱۰۱۹ع) میں شہر "بھرہ" کو صلح سے حاصل کیا اور اھالیان بھرہ نے بطور خراج

چار سو هزار اشرفیاں دینا قبول کیں (ترجمہ بابر نامہ ص ۳۸۳) اور مورخہ ۲۴ صفر سنہ ۹۲۵ھ (بمطابق ۲۵ فروری سنہ ۱۵۱۹ع) کو شاہ حسن ارغون تسخیر خوشاب پر مامور ہوا۔ وہ اہل خوشاب کو مطیع کرکے اور ان سے خراج وصول کرکے مورخہ ۱۲ مارچ (مطابق ۱۱ ربیع الاول) کو بابر کے لشکر سے آملا (ترجمہ بابر نامہ ص ۳۸۸)۔ یہ بھی معلوم ہے کہ بابر بادشاہ اس سے پہلے بھی تسخیر ہند کا ارادہ رکھتا تھا ایسی صورت میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ خدشہ تین سال بعد شاہ بیگ کی موت کا باعث ہوا۔ (ع۔م)

ص [۱۲۷] - یہ واقعہ ۲۲ شعبان ۹۲۸ھ میں پیش آیا۔ الخ : طبقات اکبری (ج ۳، ص۔ ۵۲) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲، ص ۶۲۱) میں شاہ بیگ کی تاریخ وفات سنہ ۹۳۰ھ بیان کی گئی ہے۔ ارسکن، بیل اور نی الیاس نے بھی یہی تاریخ درست تصور کی ہے (دیکھئے بیورج کے انگریزی ترجمہ بابر نامہ کا ص ۴۳۷)۔ البتہ "ترخان نامہ" کا مولف کہ جس نے بیشتر تاریخی حقایق میر معصوم سے اخذ کئے ہیں اس بارے میں میر معصوم کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے: "شاہ بیگ ملک گجرات پہونچنے سے پیشتر شعبان ۹۲۸ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہوگیا"۔ "شہر شعبان" اس کی تاریخ وفات ہے۔ اس کی حکومت کی مدت ۱۵ سال تھی (۱)۔ چونکہ میر معصوم نے تاریخوں اور سنوں

---

(۱) یعنی سنہ ۹۱۳ھ (امیر ذوالنون کا سال وفات) تا سنہ ۹۲۸ھ۔ (ع۔م۔)

کے بیان کرنے میں بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اس لئے یہاں ہمیں سنہ ۹۳۰ھ ہی اختیار کرنا چاہئیے ۔ حالانکہ یہ بھی شکوک سے مبرا نہیں ہے (۱) (ع ۰ م ۰)

ص [۱۴۱] ۔ گجرات چلا گیا : مرأت سکندری (ترجمہ انگریزی ص ۱۶۲) ، طبقات اکبری (ج ۳ ص ۲۱۱) اور "ظفرالوالہ بمظفر و آلہ" (ص ۱۳۸) اس بات پر متفق ہیں کہ جام فیروز نے ارغونوں کے غلبہ سے مجبور ہو کر سنہ ۹۳۵ھ کے وسط کے قریب جا کر سلطان بہادر بن مظفر گجراتی (۹۳۲-۹۴۳ھ) کے پاس پناہ لی تھی ۔ سلطان نے جام فیروز کی دلجوئی کی خاطر بارہ لاکھ تنکے اس کے ذاتی خرچ کے لئے مقرر کئے اور اس کے علاوہ یہ بھی وعدہ کیا کہ انشاءالله تعالیٰ تیرا موروثی ملک مغلوں سے چھین کر تیرے حوالہ کردوں گا ۔ سنہ ۹۳۹ھ میں جام فیروز نے اپنی بیٹی سلطان بہادر کے عقد میں دی ۔ اس رشتہ کی وجہ سے اس کی تسخیر سندھ کی طمع کو اور سہارا مل گیا ، لیکن ھمایوں بادشاہ کی گجرات پر فوج کشی کی وجہ سے سلطان کو جام فیروز کے حال پر توجہ دینے کا موقع نہ ملا (ظفرالوالہ ص ۱۳۸) ۔ [اس کے بعد] ۹۴۲ھ میں جب کہ سلطان بہادر نے ھمایوں بادشاہ سے شکست کھائی ، جام فیروز

---

(۱) مثلاً بیگلار نامہ (ص ۲۹) میں بیان کیا گیا ہے کہ " نواب شاہ بیگ مدت یک سال در سند ملکرانی نمود " اس سے یہی نتیجہ نکلا کہ وہ سنہ ۹۲۸ھ کے اوائل میں فوت ہوگیا ۔ والله اعلم بالصواب ۔ (ع ۰ م ۰)

سپاهیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکر قتل ہوگیا (طبقات اکبری ج ۲، ص ۳۵)۔ (ع م)

ص [۱۴۴] ۔ سنہ ۹۲۸ھ کی ابتدا میں الخ : میر معصوم نے پہلے بیان کیا ہے کہ شاہ بیگ ارغون ماہ شعبان کی ۲۲ تاریخ یعنی ۹۲۸ھ کے آخر میں فوت ہوگیا اور شاہ حسن اس کا جانشین ہوا جس نے ماہ شوال کے شروع میں بابر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا ۔ اگر یہ درست ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سال کی ابتداء میں اسے ڈھر اور ماچھی وغیرہ قبائل کی سرکشی کی خبر ملی کہ جب وہ حکمران ھی نہیں تھا ؟ (ع م)

ص [۱۴۶] ۔ سنہ ۹۳۰ھ میں مرزا شاہ حسن ملتان فتح کرنے کا ارادہ کرکے الخ : طبقات اکبری (ج ۳، ص ۵۴۰) کے مطابق شاہ حسن کے ملتان پر فوج کشی کرنے کا سبب یہ ہے کہ "جب جنت مکانی حضرت ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ غازی ۹۳۰ھ میں ولایت پنجاب کو تصرف میں لا کر دھلی کی طرف روانہ ہوئے تو [انھوں نے] ٹھٹھ کے حکمران مرزا شاہ حسن کے پاس پروانہ بھیجا تھا کہ ملتان اور اس کے حدود اسے عنایت کئے گئے ھیں"۔ (ع م)

ص [۱۵۴] ۔ پھر ھوش میں نہ آیا : طبقات اکبری (ج ۳، ص ۵۴۰) میں اس کا سنہ وفات ۹۳۱ھ بیان کیا گیا ہے۔ (ع م)

ص [۱۵۸] ۔ جاڑو ماچھی : طبقات اکبری (ج ۳، ص ۵۴۲)

کی عبارت یوں ھے "جادو نام پاجی را شیخ شجاع الملک بسرداری سہ هزار پیادہ قصباتی مقرر نمودہ حراست قلعه با او نامزد کرد" (ع۔م۔) یہاں 'جادو پاجی' ظاھراً 'جاڑو ماچھی' کی تصحیف ھے۔ صحیح نام "جاڑو ماچھی" ھی سمجھنا چاھئے۔ (ن۔ب۔)

ص [۱۲۲]۔ جمادی الآخر سنہ ۹۴۷ھ کے آخر میں: طبقات اکبری ج ۲، ص ۴۶) کے مطابق "غرہ رجب" میں۔ (ع۔م)

ص [۱۷۱]۔ بلقیس مکانی حمیدہ بانو بیگم سے نکاح کیا: ھمایون کا حمیدہ بانو سے عقد ماہ جمادی الاول ۹۴۸ھ میں ھوا۔ (ھمایون نامہ، ص ۵۳)۔ (ع۔م)

ص [۷۷]۔ رانا بیر سال: "تذکرہ واقعات" کے مولف جوھر آفتابچی (ترجمہ انگریزی ص ۴۳) نے اس رانا کا نام "پرساد" لکھا ھے (ع۔م۔) "بیرسال" غالباً "ویرسیں" کی تحریف ھے۔ عمر کوٹ کے رانہ خاندان میں "رانا ویرسیں" کا نام مشہور ھے۔ "بیرسال" یا "پرساد" نام کا کوئی بھی رانا نہیں ھوا۔ (ن۔ب)

ص [۱۷۷]۔ ۵ رجب سنہ ۹۴۹ھ کو اتوار کی شب الخ: طبقات اکبری (ج ۱، ص ۵۵) میں یہی تاریخ بیان کی گئی ھے لیکن گلبدن بیگم نے اکبر بادشاہ کی ولادت ۴ رجب سنہ ۹۴۹ھ اتوار کے دن صبح صادق کے وقت ھونا بیان کی ھے۔ جوھر آفتابچی (تذکرہ واقعات، ص ۴۲) نے چودھویں ماہ شعبان بیان

کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس دن کی یادگار میں ہمایون بادشاہ
نے اس کا نام "بدرالدین محمد اکبر" رکھا۔ لیکن جوہر
آفتابچی کی یہ غلطی ظاہر ہے۔ (ع - م)

ص [۱۷۹] - تین سو اونٹ: ہمایوں نامہ (ص ۶۳) میں
اونٹوں کی تعداد ایک ہزار بیان کی گئی ہے اور ان اونٹوں
کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ "یہ اونٹ اس قسم کے تھے کہ
ان کی سات پشتوں نے نہیں بلکہ ستر پشتوں نے بھی شہر،
آدمی اور بار نہ دیکھا تھا۔ چونکہ لشکر میں گھوڑوں کا قحط
تھا اس لئے اکثر لوگ اونٹوں (ص۶۴) پر سوار ہوگئے اور باقی
ماندہ کو بار برداری کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اونٹوں پر
جو شخص بھی سوار ہوتا وہ اسے فی‌الفور زمین پر گرا کر جنگل
کا راستہ لیتے اور بار برداری کے لئے مخصوص ہونے والے اونٹوں
میں سے جس پر بھی بار لادا جاتا وہ گھوڑے کے سموں کی آواز
سنتے ہی اچھل اچھل کر بار کو زمین پر گرا دیتا اور خود
جنگل کی راہ لیتا۔ اگر کسی اونٹ پر اس طرح کس کر بار
باندھا جاتا کہ وہ اس کے اچھلنے پر بھی نہ گرتا تو ایسی حالت
میں وہ اونٹ اچھلتا کودتا اس بار سمیت جنگل کی طرف بھاگ
جاتا۔ اسی عالم میں وہ قندھار تک گئے اور تقریباً دو سو اونٹ
[راستہ سے] بھاگ گئے" (ع - م)

ص [۲۰۶] - شاہ حسین تکدری: صحیح "نکدری" ہے
(ع - م)

ص [۲۰۶]- مولانا پیر محمد زرگر، ملا ظہوری، ملا جانی
بندری: مآثر رحیمی (ج ۲، ص ۳۲۲) کے مصنف نے

لکھا ہے کہ مولانا پیر محمد زرگر، ملا ظہوری، ملا جانی بندری و غیر ہم علماء اور شعراء ان کے عہد میں تھے اور وہ نوازشوں سے سرفراز ہوئے - (ع ۰ م ۰)

ص [۲۳۸] - غور سانی: مآثر رحیمی کے مطابق صحیح "غور نامی" ہے - (ع ۰ م ۰)

ص [۲۵۴] - فتح عظیم حاصل ہوئی: یہ مشہور فتح ۶- محرم سنہ ۱۰۰۰ھ میں حاصل ہوئی - مآثر رحیمی ج ۲، ص ۳۶۲ - (ع ۰ م ۰)

ص ۲۵۵ - جانی بیگ عاجز آ کر صلح کے لئے آمادہ ہوا الخ: قلعہ انڑپور کے محاصرہ کے موقعہ پر نواب خانخانان نے مرزا جانی بیگ کو ایک خط لکھا تھا (یہ خط برٹش میوزیم میں محفوظ "تاریخ معصومی" کے ایک قلمی نسخہ کے صفحہ 187-A اور 187-B کے حاشیہ پر تحریر ہے اور اس کا فوٹو اس راقم الحروف کے پاس موجود ہے)۔ اس کا ترجمہ یہاں پر دیا جاتا ہے ہرچند کہ اس خط کے بعض الفاظ بے احتیاطی کی وجہ سے حذف ہو گئے ہیں تاہم عبارت کا مفہوم واضح ہے (۱):

"کچھ تھوڑے لوگ کہ جو اپنے سروں سے مایوس، بے خبر اور بے نیاز ہوچکے ہیں، جن کی زندگی کے دن پورے ہوچکے ہیں اور جن کا پیمانۂ حیات لبریز ہوچکا ہے، مجبور اور پریشان

---

(۱) راقم مخدوم امیر احمد صاحب کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس خط کے متن کے پڑھنے میں میری مدد فرمائی ہے (ن. ب.)

ھوکر بدبختی کی اس چہار دیواری میں آ داخل ھوئے ھیں۔ چنانچہ انھیں معلوم ھونا چاھئے کہ تمھارے ایلچی کو رخصت کرتے وقت ھم نے لکھا تھا کہ جب ...... جو شہر کہ اس وقت شہنشاھی شان و شوکت ...... کے ڈیروں کا خیمہ گاہ ھوچکا ھے تو اس کے قرب و جوار میں تمھارا رھنا اور .... نامبارک ھے [اور تمھیں] بارگاہِ معلیٰ کی جانب رجوع کرنا چاھئے۔ [لیکن] تم نے یہ رحیمانہ اور مشفقانہ سخن گوشِ قبولیت سے نہ سنا اور حسب دستور غرور، سرکشی اور تکبر کرتے رھے۔ آخر کار محاصرہ اور جنگ کے بعد تم نے دوسری مرتبہ شیخ عبدالکریم کو بھیجا۔ چونکہ اسلام کی صورت تمھارا [ظاھری] لباس تھا اس لئے دوبارہ [اپنی] فطری شفقت، نوازش اور مروت کو کام میں لاکر [صرف] سیاھوان (سیوھن) لینے پر اکتفا کی گئی لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ھوا۔ چنانچہ خشکی یا دریا میں تمھیں ملا، جو کچھ ملا اور تم پر گذرا جو کچھ گذرا اور تم نے خود کو دریا اور خشکی میں آزما کر دیکھ لیا۔

اب جب کہ تم نے پھر مولانا میر علی کو بھیج کر عجز، پریشانی، اطاعت اور بندگی کا اظہار اور سیاھوان (سیوھن) دینا قبول کیا ھے تو تمھاری کج روی اور فریب کاریوں کا علم ھونے کے باوجود سیاھوان (سیوھن) اور غراب لے کر صلح کی ھے اور تمھیں بارگاہِ معلیٰ کی جانب روانہ ھونے کی مہلت

دی ہے ...... مذکورہ بالا اور موجودہ عجز ..... تقی الدین محمد اور مرزا علی بہادر کو اس کے طے کرنے اور مستحکم کرنے کے لئے بھیجا ...... تمہاری بیوفائی، ریا کاری اور دغا کو دیکھ کر [محض] اپنی جان چھڑانے کے لئے ...... جسے کوئی بھی عقلمند قبول نہ کرے گا درمیان میں لا کر اور تمہاری دو دنوں کی ہم نشینی سے جو فریب، دھوکہ اور مکر سیکھا تھا وہ تمہارے معاملہ پر صرف کر کے آگئے اور تمہاری عقل، فکر اور رائے کے بارے میں اس طرف جو معلومات تھیں ان کی مزید تصدیق ہو گئی۔ اب نتیجۂ کلام اور خلاصۂ سخن یہ ہے کہ اگر بارگاہ آسمان جاہ کی بندگی، اطاعت، اخلاص اور خیر خواہی [قبول ہو اور وعدہ میں] صادق ہو تو مرزا جانی بیگ عذر گذاری اور معذرت خواہی کے لئے خطا کاروں کی طرح تلوار اور چادر گلے میں حمائل کر کے خدمت میں حاضر ہو اور شہنشاہ کی بارگاہِ جہان پناہ کے اس مرید کے ساتھ کہ جس نے خود کو اس عالیشان آستانہ کا خالص ارادتمند اور خیرخواہ بنایا ہے، آستانہ کو بوسہ دینے کے لئے درگاہ معلیٰ کو روانہ ہو اور جا کر مروت سے اپنی مشکلات پیش کرے۔ بات صرف اتنی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی دوسرا خیال کرنا سرد لوہا کوٹنے اور نہائی پیٹنے کے مصداق ہے۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اسے (جانی بیگ کو) خود پر اپنی اولاد پر اور مسلمانوں پر رحم کرنا چاہئے۔ [اسے چاہئے کہ اس موقعہ پر ہرگز] جہالت سے کام نہ لے اور یہ روش کہ جو اس نے اختیار کی ہے اس کے برے انجام پر غور کرے۔ دوسری صورت میں

قتل، لوٹ مار، قید اور پردہ دری [کی مصیبت] جو بھی اس پر یا دوسروں پر نازل ہوگی اس کا وبال اسی کے سر ہوگا ۔

اس کے بعد تمھاری طرف سے جو بھی بندگی یا خیر خواہی ظاہر کی جائے گی اس پر اعتبار نہ کیا جائے گا ۔ دیگر یہ کہ [آج کے بعد] کوئی بھی خط یا پیغام نہ بھیجنا کیونکہ اس کی سماعت نہ ہوگی ۔ اتمام حجت کے لئے (تمھارے پاس) بار بار خط اور پیغام بھیجے گئے ہیں ۔ آج کے بعد یہ راہ مسدود ہوجائے گی ۔ اب جو بھی آدمی [تماری طرف سے] بھیجا جائے گا چاہے وہ جتنا بھی .... پیش کرے تب بھی اسے قتل کردیا جائے گا ۔ مصیبت کی زنجیر طویل ہو کر بدبختوں کی گردنوں میں زیادہ مضبوط ہوتی جا رہی ہے ۔ خبردار ہو کہ مصائب کا شور برپا ہونے والا ہے ۔ دوستانہ نصیحت قبول نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہے کہ جو کچھ دیکھ رہے ہو ۔ الحمداللہ کہ پوری طرح اتمام حجت کر کے فرض سے آزاد ہوئے ۔ اب جو کچھ بھی ہوگا اس سے اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے نزدیک [ہم] معذور ہوں گے اور سارا بوجھ جاہلوں کے کاندھوں پر ہوگا ۔

کاش خدائے تعالیٰ اپنے سارے بندوں کو کوتاہ اندیشوں کی صحبت، دوست نما دشمنوں کی ہم نشینی اور ناعاقبت اندیشوں کی فکر سے محفوظ رکھے اور جو شخص اپنے فہم سے کام نہ لے اسے بے عقلی اور فریب کا نتیجہ بھگتائے ۔ زیادہ کیا لکھا جائے ۔

اگر در سرائے سعادت کس است
ز گفتارِ سعدیش حرفے بس است

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ [اس شخص پر سلام کہ جو ہدایت کا تابع ہو]"۔ (ن۰ب۰)

ص [۲۵۷] ۔ اور مورخ ۰۰۰۰۰ کو پابوسی کے شرف سے مشرف ہوئے : مآثر رحیمی (ج ۲، ص ۳۷۶) میں مرزا جانی بیگ کے اکبر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی تاریخ ۲۳ جمادی الثانی سنہ ۱۰۰۱ھ بیان کی گئی ہے ۔ (ع۰م)

ص[۲۵۷]۔ ۲۷ رجب سنہ ۱۰۰۸ھ الخ : مآثر رحیمي (ج ۲، ص ۳۴۹) میں "بتاریخ بیست و ہشتم شہر رجب سنہ یک ہزار و ہفت" یعنی ۲۸ رجب سنہ ۱۰۰۷ھ ہے۔ (ع۰م۰)

فہارس

فہرست اسماء الرجال

[ذیل میں دیئے گئے ۲۵۷ نمبر تک کے صفحات فارسی متن کے وہ صفحات ہیں جنہیں ترجمہ میں مربع قوسین میں واضح کیا گیا ہے۔ ۲۵۷ سے زائد نمبر کے صفحات اس اردو ترجمہ کے ہیں۔]

الف

ج

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ق

ل

م

—:o:—

فہرست اسمائے اماکن و قبائل

[فہرست اسماء الرجال کی مانند ذیل میں دیئے گئے صفحات کے نمبر، ۲۵۷ تک فارسی نسخہ کے ہیں اور ۲۵۷ سے زائد نمبر کے صفحات اس اردو ترجمہ کے ہیں]۔

الف

پ

ت

چ

ح

خ

د

ش

ن

ز

س

ص

ط

ظ

ع

غ

ن

ہ

——:o:——

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۲۴	شخص ایک	شخص کو ایک
۴	۱	ہوتی تھی	محسوس ہوتی تھی
۱۱	۱۷	پانج مشنویاں	پانچ مشنویاں
۱۶	۱۰	امن یہ الملکی	امین الملکی
۱۸	۸	مبقرہ	مقبرہ
۲۱	۲	متذکرہ	اس میں منقوش
(۷)	۲۲	مزار حس	مزار جس
(۱۳)	۱۱	آ لگا	لگا کہ
(۱۶)	۵	کوئے	کوئی
(۳۵)	۲	پھیچے	پیچھے
(۶۱)	۴	سلطنت کے	سلطنت کی
"	۵	سندھ تک	سندھ کی طرف
"	۶	ملے ہوئے تھے	ملی ہوئی تھیں
"	"	پھیلے ہوئے تھے	پھیلی ہوئی تھیں
(۶۲)	۱۹	معتدد بار	متعدد بار
(۸۱)	۴	چلایا گیا	چلا آیا
(۹۰)	۱۷	کی گئے ہے	کی گئی ہے
(۱۰۲)	۱۱	تخت کو	کو تخت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
(۱۰۴)	۲	استغفار پڑھا کرتا	استغفار کیا کرتا
(۱۱۵)	۴	بازی لے گیا	بازی دے گیا
(۱۲۵)	۲۱	جھنڈے نیچے	جھنڈے کے نیچے
(۱۳۱)	۱۰	امیر پرندہ بخشے	امیر پرندہ بخشی
(۱۴۲)	۱۳	شمال	شال
(۱۴٦)	۲۲	پہونچچ	پہونچ
(۱۴۸)	۱۹	انھوں مسلسل	انھوں نے مسلسل
(۱۴۹)	٦	اس کے	ان کے
"	۱۱	روانہ ھوا	روانہ ھوئے
(۱۵۰)	۴	نواح میں پہونچا	نواح میں پہونچے
"	۵	بیمار ھو گیا	بیمار ھوگئے
(۱۵۲)	۱٦	آیندہ قندھار	آیندہ سال قندھار
(۱۵۵)	۱٦	حفافت	حفاظت
(۱۵٦)	٦	دخاوا قریۃ	دخلوا قریۃ
(۲۰۱)	۲۱	دربا شاھی میں	دربار شاھی میں
(۲۰٦)	۱۹	اس کے تلوار	اس کی تلوار
(۲۲۳)	۱۵	خیمہ زن ھوا	خیمہ زن ھوئے
"	"	اس کی	ان کی
(۲۳۱)	۱٦	بھٹورہ	بٹھورہ
"	۱۸	اس کی	ان کی
(۲۳۲)	۲۳	"اوراق"	"اورق"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
(۲۴۶)	۱۰	بیٹا تھا	بیٹھا تھا
(۲۴۷)	۴	بہادوں	بہادروں
(۲۵۶)	۱۰	بالاآخر	بالآخر
"	۲۲	مرزا کے۔	مرزا کی
(۲۷۵)	۱۰	[کا عالم]	[کا علم]
(۲۷۶)	۲۳	فترہ	فتراہ
(۳۰۴)	۶	امرا کی	مرزا [شاہ حسن] کی
(۳۳۲)	۲۱	مشول	مشغول
(۳۳۸)	۱۵	[مروھوی]	[امروھوی]
(۳۶۹)	۲۱	بوسٹنس	پوسٹنس
(۳۷۴)	۵	منظورہ	منصورہ
(۳۸۳)	۲۰	ولگ	لوگ
(۳۸۵، ۳۸۶، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۲۷)		ملاخط	ملاحظ
(۳۸۷)	۱۰	پھینگ دی	پھینک دی
(۴۱۲)	۲۱	ڊ گھڑی	ڈ گھڑی
(۴۲۹)	۲۰	طبقات	طبقات اکبری
(۴۳۹)	۱۰	پالآخر	بالآخر
"	۱۵	جت بلوچ	جت اور بلوچ
(۴۴۳)	۲۰	سرفرار	سرفراز
(۴۴۴)	۶	صبح سویر	صبح سویرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
(۴۴۵)	۱	بدمتور	بدستور
(۴۵۷)	۲	اوائل دور میں	اوائلی دورمیں
(۴۷۰)	۱۴	درسی تدریس	درس و تدریس
(۴۷۴)	۱۵	یہ	وہ
(۵۳۳)	۴	مدبنہ ماچھانی	مدینہ ماچھانی
(۵۳۹)	۶	ادمیہ	ادسیہ